لئن اشركت ليحبطن عملك ولتكونن من الخسرين

مختصر شرح كتاب التوحيد المسمى غاية المريد

توحید کی سنہری کرنیں

شرک کی پُرخار وادیوں سے نکل کر توحید کے مہکتے گلستانوں
میں پہنچنے کے خواہشمندوں کیلئے تحفہ خاص



دار الابلاغ
DARULIBLAGH

شرح
الشیخ/ صالح بن عبد العزیز بن محمد آل الشیخ

اختصار
محمد بن حسین القحطانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

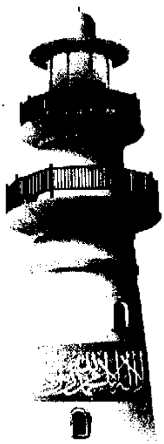
- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔



توحید کی سنہری کرنیں

www.KitaboSunnat.com

DARULIBLAGH

کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

توحید کی سنہری کرنیں

مختصر شرح کتاب التوحید

المسمّیٰ غایۃ المرید

شرح .... الشیخ/صالح بن عبدالعزیز بن محمد آل الشیخ

اختصار .... محمد بن حسین القحطانی

اشاعت اول .... دسمبر 2011ء

پاکستان میں ہماری کتب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

لاہور: [illegible] 37230549 ـ [illegible] 37232400 ـ [illegible] 37230585 ـ [illegible] 37237184 ـ [illegible] 37220318 ـ [illegible] 37357597 ـ [illegible] 37421865 ـ [illegible] 37224228 ـ [illegible] 37639557 ـ [illegible] 35717842

راولپنڈی: [illegible]

[illegible]

کراچی: [illegible]

فیصل آباد: [illegible]

[illegible]

سیالکوٹ: [illegible] 042-4591911 [illegible] 0332-6787866

دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

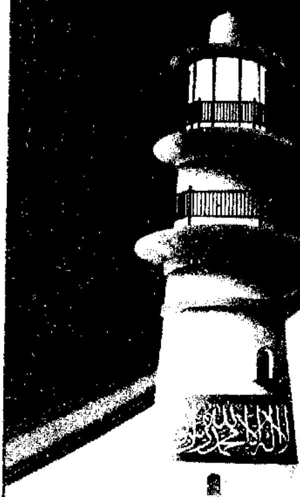
حسن مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 0300-4453358, 042-37361428

لئن اشركت ليحبطن عملك ولتكونن من الخسرين

مختصر شرح كتاب التوحيد المسمى غاية المريد

توحید کی سنہری کرنیں

شرک کی پُرخار وادیوں سے نکل کر توحید کے مہکتے گلستانوں
میں پہنچنے کے خواہشمندوں کیلئے تحفہ خاص



شرح
الشیخ صالح بن عبدالعزیز بن محمد آل الشیخ

اختصار
محمد بن حسین القحطانی

دار الابلاغ
DARULIBLAGH

دار الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور پاکستان
فون: 0300-4453358

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ

کے نام سے شروع کرتا ہوں

جو بڑا ہی مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے

لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخسرین

فہرست مضامین

مسنون خطبہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَاَ مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَاَ هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَاَّ إِلٰهَ إِلَاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاَ شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

"بلاشبہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے، اسی سے مدد مانگتے اور اسی سے بخشش طلب کرتے ہیں۔ اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ دھتکار دے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

"حمد وصلوۃ کے بعد! یقیناً تمام باتوں سے بہتر بات اللہ کی کتاب اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے اور تمام امور میں سے برے کام (دین میں) خودساختہ (بدعت والے) کام ہیں، ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○

''اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں اس حال میں موت آئے کہ تم مسلمان ہو۔ لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، (پھر) اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں اور انہیں (زمین پر) پھیلا دیا۔ اللہ سے ڈرتے رہو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے (بچو)۔ یقیناً اللہ تم پر نگران ہے۔ اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرو اور سیدھی (سچی اور کھری) بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال سنوار دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، یقیناً اس نے عظیم کامیابی حاصل کر لی۔''

① ((مسلم' الجمعة' بابا تخفیف الصلوة و الخطبة' حدیث ٨٦٨ و ٨٦٧۔ والنسائی' ٣٢٧٨))

② ((رواه الاربعة واحمد والدارمی و روی البغوی فی شرح السنة مشكوة مع تعليقات الالبانی' النكاح' باب اعلان النكاح...... وقال الالبانی حديث صحيح۔))

تنبیہات:

- صحیح مسلم، سنن نسائی اور مسند احمد میں ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث میں خطبہ کا آغاز ((ان الحمدلله)) سے ہے لہٰذا ((الحمدلله)) کی بجائے ((ان الحمدلله)) کہنا چاہیے۔
- یہاں ((نومن به ونتوكل عليه)) کے الفاظ صحیح احادیث میں موجود نہیں ہیں۔
- یہ خطبہ نکاح' جمعہ اور عام وعظ و ارشاد یا درس و تدریس کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ اسی خطبہ حاجت کہتے ہیں اسے پڑھ کر آدمی اپنی حاجت و ضرورت بیان کرے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب التوحید

علماء توحید اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام میں ''کتاب التوحید'' اپنے موضوع پر ایک بے مثال تصنیف ہے ،اور یہ کتاب ''دعوت توحید'' کی ایک نمائندہ کتاب ہے ، وہ اس لئے کہ شیخ رحمہ اللہ نے اس کتاب میں توحید عبادت کی اقسام ، توحید اسماء وصفات (اجمالاً) ، شرک اکبر ، اس کی بعض انواع ، تمام شرکیہ وسائل ، حفاظت توحید اور اس کے وسائل وذرائع کو بیان کیا ہے اور نیز توحید ربوبیت کی بعض انواع کو بھی .

یہ کتاب ''کتاب التوحید'' ایک بہت عظیم کتاب ہے ، اس لئے یہ بڑی عظمت والی بات ہوگی اگر آپ اس کتاب کے ساتھ یاد کرنے ، پڑھنے اور غور وفکر کا معاملہ کریں ، اس لئے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہونگے اس کے محتاج ہونگے .

کتاب التوحید : توحید کا مطلب ہے کسی چیز کو ایک بنانا. کہا جاتا ہے ''وَحَّدَ الْمُسْلِمُوْنَ اللّٰہَ'' کہ مسلمانوں نے ایک معبود بنالیا اور وہ اللہ تعالی کی ذات ہے .

کتاب اللہ میں مطلوب توحید کی تین قسمیں ہیں : توحید ربوبیت ، توحید الوہیت ، توحید اسماء وصفات .

توحید ربوبیت : اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی کو اپنے افعال میں یکتا تسلیم کرنا . اللہ کے افعال بے شمار ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :

پیدا کرنا ، روزی دینا ،زندگی دینا اور موت دینا ....پس جو ذات ان صفات سے علی وجہ الکمال متصف ہے وہ اللہ تعالی کی ذات ہے .

توحید الوہیت : ''الألوهية'' یا ''الإلهية'' یہ دونوں أله يأله سے مصدر ہیں ،اس کا معنی یہ ہے کہ ''اس نے اللہ تعالی کی محبت و تعظیم کرتے ہوئے عبادت کی ، بندے کے افعال میں یہی اللہ تعالی کی توحید ہے ۔

توحید اسماء وصفات : یہ توحید کی تیسری قسم ہے جسکا معنی یہ ہے کہ بندہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالی اپنے اسماء وصفات میں یکتا و لاثانی ہے ، ان میں اس کی مماثلت کرنے والا کوئی نہیں ہے ۔

شیخ رحمہ اللہ نے توحید کی ان تینوں اقسام کو اس کتاب میں بیان فرمایا ہے اور ان پر سیر حاصل بحث کی ہے ، جس کی لوگوں کو اشد ضرورت ہے حالانکہ اس (توحید الوہیت و توحید عبادت)میں تصنیف ناپید ہے ، نیز شیخ رحمہ اللہ نے توحید الوہیت کی اقسام میں سے توکل ، خوف ،محبت .... کو بھی بیان کیا ہے ، جب یہ ساری تفصیل ذکر کی تو توحید کی ضد یعنی شرک کو بھی بیان کیا ۔

شرک : یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ربوبیت ،اس کی عبادت اور اس کے اسماء وصفات میں کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا ، جبکہ اس کتاب کا مقصد (لوگوں کو) اللہ تعالی کے ساتھ اس کی عبادت میں شریک بنانے سے منع کرنا اور اللہ سبحانہ کی توحید کا حکم دینا ہے ۔

نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایک اعتبار سے شرک کی دو قسمیں ہیں :
شرک اکبر ، شرک اصغر . ایک اور اعتبار سے اس کی تین قسمیں ہیں :
شرک اکبر ، شرک اصغر اور شرک خفی .

شرک اکبر : وہ شرک جو انسان کو دین سے خارج کردیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ :

اللہ تعالی کے ساتھ غیراللہ کی عبادت کرنا، یا عبادات کا کچھ حصہ غیراللہ کے لئے استعمال کرنا، یا عبادت میں اللہ تعالی کا شریک بنانا.

شرک اصغر : وہ عمل جس پر شرع نے حکم لگایا ہوکہ یہ شرک ہے لیکن اس میں مکمل شراکت کا اظہار نہ ہو جو اسے شرک اکبر تک پہنچا دینے والی ہو.

چناچہ مذکورہ تفصیل کی روشنی میں شرک اکبر کی دو قسمیں ہیں : ظاہری شرک، جیسا کہ بتوں، قبروں اور مردوں کی پرستش کرنے والوں کا شرک ہے اور باطنی شرک ، جیسا کہ منافقین کا شرک ہے، یا پیروں فقیروں ، مردوں ، یا مختلف معبودان باطلہ پر توکل کرنے والوں کا شرک ہے ، ان سب کا شرک باطن سے متعلق ہے ظاہر سے نہیں . اور شرک اصغر کی مثال : کڑا پہننا ، دھاگہ باندھنا ، تعویذ لٹکانا اور غیر اللہ کی قسم اٹھانا ہے ، جبکہ شرک خفی ہلکی سی ریا کاری وغیرہ کا نام ہے.

کتاب التوحید

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُ وْنِ ﴾ (الذاریات:۵۶)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے.''

اور ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ وَلَقَد بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوْا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ﴾ (النحل: ٣٦)

''اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ صرف اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (کی بندگی) سے بچو.''

اللہ تعالی کے فرمان: ﴿ وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُ وْنِ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ میں نے قطعاً جنوں اور انسانوں کو سوائے ایک مقصد کے کسی اور مقصد کے لئے پیدا نہیں کیا اور وہ یہ کہ وہ میری عبادت و بندگی کریں.

اس آیت مبارکہ میں توحید کا بیان ہے جسکی وضاحت کچھ یوں ہے کہ علماء سلف رحمھم اللہ نے ﴿ إِلَّا لِيَعْبُدُ وْنِ ﴾ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے '' تا کہ وہ میری وحدانیت کا اقرار کریں'' اس مفہوم پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ رسولوں کی بعثت کا مقصد بھی صرف یہی تھا کہ عبادت کو اللہ تعالی ہی کے لئے خاص کیا جائے.

عبادت کی حقیقت: عبادت عاجزی وانکساری اور جھکنے کا نام ہے لیکن جب اس کے ساتھ ساتھ محبت اور فرمانبرداری کا جذبہ بھی کارفرما ہو تو یہی عبادت، عبادت شرعیہ بن جاتی ہے.

عبادت کی شرعی تعریف: (اللہ تعالی سے) محبت کرتے ہوئے، امید رکھتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اس کے اوامر و نواہی کو بجالانا.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ عبادت کی تعریف میں فرماتے ہیں:

- نیز ارشاد ربانی ہے : ﴿ وَقَضٰی رَبُّکَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَانًا ﴾ (الإسراء : ۲۳)

"اور تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ تم صرف اسی (اللہ) کی بندگی کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔"

....

"عبادت ایک ایسا جامع اسم ہے جو ان تمام ظاہری و باطنی اقوال و افعال کو شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ محبت بھی کرتے ہیں اور انہیں پسند بھی فرماتے ہیں۔"

چناچہ اس آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہوگا کہ عبادت کی اقسام میں سے ہر قسم کو ایک اللہ ہی کے لئے خاص کرنا واجب ہے۔

(وقولہ : ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ کُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ ﴾)

اور فرمایا : "اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ تم صرف اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (کی بندگی) سے بچو۔"

اس آیت مبارکہ میں عبادت و توحید کے معانی کی تفسیر کا بیان ہے اور رسولوں کو بھی انہی دو کلموں کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا کہ "اللہ کی عبادت کرو" اور "طاغوت (کی عبادت) سے بچو" اور یہی توحید کا معنی ہے ، چناچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ اعْبُدُوا اللّٰہَ ﴾ میں توحید کا اثبات ہے اور ﴿ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ ﴾ میں شرک کی نفی ہے۔

طاغوت : یہ فعلوت کے وزن پر طغیان سے ماخوذ ہے جسکے معنی سرکشی اور حد سے تجاوز کرنے کے ہیں ، اور اس کی تعریف یہ ہے :

"ہر وہ چیز جس میں بندہ اپنی حدود بندگی سے تجاوز کر جائے ، خواہ وہ چیز کوئی (باطل) معبود ہو یا کوئی متبوع ہو یا کوئی مطاع ہو۔"

(وقولہ : ﴿ وَقَضٰی رَبُّکَ ﴾) کا معنی یہ ہے کہ تیرے رب نے حکم دیا اور وصیت فرمائی

نیز فرمایا : ﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾

(الانعام : ١٥١)

" (اے محمد ﷺ) ! آپ کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں ، جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ"

اور فرمایا : ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ (النساء : ٣٦)

....

(﴿أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾) کہ اس کے سوا دوسروں کو چھوڑ کر عبادت کو اسی کے لئے خاص کر دو ، اس نے اسی کا حکم دیا ہے اور اسی کی وصیت فرمائی ہے ، اور کلمہ (لا الہ الا اللہ) کا لفظی معنی بھی یہی ہے ، چنانچہ آیت مبارکہ کی توحید پر دلالت واضح ہے کہ توحید ، اللہ کے لئے عبادت کو خاص کرنے یا کلمہ (لا الہ الا اللہ) کا حق ادا کرنے کا نام ہے .

(﴿وقوله : قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾)

" آپ کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں ، جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ . "

اس آیت مبارکہ کی تقدیری عبارت اس طرح ہوگی "قل تعالوا اتل ماحرم ربکم ، وصاکم ألا تشرکوا به شیئا " یعنی اس نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ ، یہاں وصیت سے مراد شرعی وصیت ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے شرعی وصیت ہو تو وہ ایک حکم واجب ہوتا ہے ، چنانچہ آیت مبارکہ کی توحید پر دلالت سابقہ آیت کی دلالت کی مانند ہی ہے .

(﴿وقوله تعالیٰ : وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾)

یہ آیت مبارکہ شرک کی تمام انواع کے ممنوع ہونے پر دلالت کرتی ہے یعنی شرک اکبر ، شرک اصغر اور شرک خفی پر . گویا کہ اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کسی فرشتے ، نبی ، صالح مرد ، درخت ، پتھر یا کسی جنی کو شریک ٹھہرایا جائے کیونکہ یہ سب چیزیں اشیاء میں شامل ہیں .

"اور تم سب اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ"۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی اکرم ﷺ کی سربمہر وصیت ملاحظہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ لے :

﴿ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ـ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ـ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ (الانعام :۱۵۱ـ۱۵۳)

(اے محمد ﷺ !) آپ کہہ دیجیے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں ، جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں :

۱۔ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ .

۲۔ اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو .

(قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ : من أرد أن ینظر إلی وصیة محمد صلی اللہ علیہ وسلم التی علیھا خاتمه)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اگر تقدیر میں یہ بات لکھی ہوتی کہ آپ ﷺ نے وصیت فرمائی اور سربمہر کی اور اسے آپ ﷺ کی وفات یا آپ کے باری تعالیٰ سے جا ملنے کے بعد کھولا گیا تو یہی دس وصیتیں آپ ﷺ کی وصیت ہوتیں .

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ان آیات مبارکہ کی عظمت شان پر دلالت کرتا ہے

۳ - اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو (کیونکہ) ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی .

۴ - اور بے حیائی کے کاموں کے ، ظاہر ہوں یا پوشیدہ ، قریب نہ جاؤ .

۵ - اور جس کا قتل اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے ، اسے قتل نہ کرو ، مگر حق (اور جائز طریقے) کے ساتھ ، اس (اللہ) نے تمہیں ان باتوں کی ہدایت کی ہے ، تا کہ تم عقل سے کام لو .

۶ - اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ ، مگر ایسے طریقے سے جو انتہائی بہترین اور پسندیدہ ہو ، یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے .

۷ - اور ناپ تول پورا پورا کرو ، ہم کسی جان کو اس کی وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں بناتے .

۸ - اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو خواہ وہ (تمہارا) رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو .

۹ - اور اللہ کے عہد کو پورا کرو (بدعہدی نہ کرو) اس (اللہ) نے تمہیں ان باتوں کی ہدایت کی ہے ، شاید کہ تم نصیحت قبول کرو .

۱۰ - اور بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ (راستے) تمہیں اللہ کی راہ سے دور کر دیں گے اس (اللہ) نے تمہیں اس بات کی ہدایت کی ہے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ .

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نبی اکرم ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا کہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا :

....

کہ جن کا آغاز شرک کی ممانعت سے کیا گیا ہے اور یہی چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ (توحید) سب سے افضل ، سب سے پہلا اور سب سے اہم مطلب ہے .

((یا معاذ ! أتدری ماحق اللہ علی العباد ، وماحق العباد علی اللہ ؟ قلت : اللہ ورسولہ أعلم ، قال : حق اللہ علی العباد أن یعبدوہ ولا یشرکوہ بہ شیئا ، وحق العباد علی اللہ أن لا یعذب من لا یشرک بہ شیئا ، قلت : یا رسول اللہ ! أفلا أبشر الناس ؟ قال : لا تبشرھم فیتکلوا)) (متفق علیہ)

'' اے معاذ ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے ؟ میں نے کہا : اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں ، آپ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ جو بندہ شرک کا مرتکب نہ ہو وہ اسے عذاب نہ دے ، میں نے کہا : یارسول اللہ ﷺ (اجازت ہو تو) لوگوں کو یہ خوشخبری سنادوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا : نہیں ، ایسا نہ ہو کہ وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں (اور عمل کرنا چھوڑ دیں) ۔ ''

اس باب کے مسائل

۱- تخلیق جن وانس میں باری تعالیٰ کی حکمت .

۲- عبادت سے مراد توحید ہی ہے کیونکہ (جملہ انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے درمیان) یہی بات متنازعہ فیہ تھی .

....

(قال : عن معاذ بن جبل قال : کنت ردیف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی : یا معاذ ! أتدری ماحق اللہ علی العباد ، وحق العباد علی اللہ ؟ قلت : اللہ ورسولہ أعلم ، قال : حق اللہ علی العباد أن یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئا)

فرمایا : معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نبی اکرم ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا : اے معاذ ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر اور

۳- جو شخص توحید پر کار بند نہ ہوا، اس نے اللہ کی عبادت نہیں کی ، اللہ تعالیٰ کے فرمان : ﴿وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ﴾ (الکافرون : ۳) ''اور جس کی میں پرستش کرتا ہوں تم اس کی پرستش کرنے والے نہیں ہو'' کا مفہوم بھی یہی ہے.

۴- اس سے بعثت انبیاء کا بھی پتہ چلتا ہے.

۵- (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ہر امت کی طرف (ان کی ہدایت کے لئے) رسول بھیجے گئے.

۶- تمام انبیاء کرام کا دین ایک ہی تھا. (یعنی ان کی دعوت کا محور اور مرکزی نکتہ توحید ہی تھا).

۷- ایک بڑا مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ طاغوت کے ساتھ کفر اور اس کا انکار کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی عبادت ممکن نہیں، اور یہی مفہوم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بیان کیا گیا ہے :

﴿ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ (البقرۃ :۲۵٦)

'' جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، درحقیقت اس نے مضبوط

....

بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے ؟ میں نے کہا : اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں ، آپ نے فرمایا : اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں .

یہ حق اللہ تعالیٰ کے لئے (بندوں پر) واجب ہے کیونکہ کتاب وسنت بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں ، بلکہ تمام رسول بھی اسی حق اور اس کی وضاحت کے لئے مبعوث ہوئے اور بندوں پر سب سے اہم واجب بھی یہی ہے. پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

رسی کو تھام لیا ہے جو ٹوٹنے والی نہیں ہے ۔"

۸ - طاغوت : ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جائے ۔

۹ - اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلف صالحین کے نزدیک سورۃ انعام کی (مذکورہ بالا) تین محکم آیات کی کس قدر اہمیت وعظمت ہے جن میں دس مسائل کو بیان کیا گیا ہے اور ان میں سے سب سے پہلا مسئلہ شرک سے ممانعت ہے ۔

۱۰ - سورۃ بنی اسرائیل کی محکم آیات میں اٹھارہ مسائل بیان ہوئے ہیں ، جن کا آغاز اللہ تعالیٰ نے اپنے مندرجہ ذیل فرمان سے کیا ہے :

﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُولًا﴾ (الإسراء : ۲۲)

"اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنالینا ورنہ ذلیل اور بے یارو مددگار ہوکر بیٹھے رہو گے ۔"

اور اختتام اپنے اس فرمان سے کیا ہے :

﴿ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ﴾ (الإسراء : ۳۹)

"اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنالینا ورنہ ملامت زدہ اور (اللہ تعالیٰ کے دربار سے) راندہ بنا کر جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے ۔"

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان مسائل کی عظمت واہمیت پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ ذٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ﴾ (الاسراء : ۳۹)

....

(وحق العباد على الله أن لا يعذب من لا يشرك به شيئا) "اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ جو بندہ شرک کا مرتکب نہ ہو وہ اسے عذاب نہ دے ۔"

(حق العباد على الله) "بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے" اہل علم اس بات پر متفق ہیں

''یہ ان دانائی کی باتوں میں سے ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہیں''

۱۱- سورۃ نساء کی وہ آیت جو حقوق عشرۃ کی آیت کہلاتی ہے، اس کا آغاز بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے (توحید بھرے) ان الفاظ سے کیا ہے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ﴾ (النساء : ٣٦)

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ''

۱۲- اس میں نبی اکرم ﷺ کی اس وصیت کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے جو آپ نے اپنی وفات کے موقعہ پر فرمائی تھی.

۱۳- ہمارے ذمہ اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے؟ اس کی معرفت حاصل ہوئی.

۱۴- اور بندے جب اللہ تعالیٰ کا حق ادا کریں تو اللہ تعالیٰ پر بندوں کا کیا حق ہے اس کی معرفت حاصل ہوئی.

۱۵- (حدیث مذکور میں) بیان شدہ مسئلہ کا اکثر صحابہ کرام کو علم نہ تھا.

۱۶- کسی مصلحت کے پیش نظر علم کو چھپانا جائز ہے.

۱۷- کسی مسلمان کو ایسی خبر دینا جس سے وہ خوش ہو، ایک مستحب عمل ہے.

۱۸- اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت پر بھروسہ کر کے (عمل ترک کرنے سے) ڈرنا چاہیے.

۱۹- اگر مسئول کو کسی بات کا علم نہ ہو تو اسے اس کے متعلق ''اللہ ورسولہ اُعلم'' (کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں.) کہنا چاہیے.

۲۰- کسی کو علم سکھانا اور کسی کو اس سے محروم رکھنا جائز ہے.

کہ یہ حق اللہ تعالیٰ نے بذات خود اپنی ذات پر لازم فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنی ذات پر حرام قرار دے لیتا ہے اور وہ اس کی حکمت کے عین موافق ہوتا ہے اور اسی طرح جو چاہتا ہے اپنے

۲۱- آپ ﷺ کا گدھے پر سوار ہونا اور اپنے پیچھے کسی دوسرے کا سوار کرانا اس سے آپ ﷺ کی عاجزی وانکساری کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲۲- سواری پر اپنے پیچھے کسی کو بٹھالینا جائز ہے۔

۲۳- (مذکورہ بالا حدیث سے) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی واضح ہوتی ہے۔

۲۴- (اس حدیث سے) اس مسئلہ (مسئلہ توحید) کی عظمت کا پتہ بھی چلتا ہے۔

....

اوپر واجب کر لیتا ہے اور وہ بھی اس کی حکمت کے عین موافق ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں ارشاد الٰہی ہے:

((إنی حرمت الظلم علی نفسی))

''کہ میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دے دیا ہے۔''

"جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ :

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ، اور محمد ﷺ اس کے بندے ، رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام (بھی) اس کے بندے ، رسول اور کلمہ ہیں جو اس (اللہ تعالیٰ) نے مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا تھا ، اور وہ اس کی طرف سے (بھیجی ہوئی) روح تھے ۔

(اور یہ گواہی دے کہ) جنت اور جہنم برحق ہیں ، تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ (بہر حال) جنت میں داخل کرے گا ، خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں ۔"

اس آیت مبارکہ میں ظلم سے مراد شرک ہے ، جیسا کہ صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس آیت کو بہت بڑا جانا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنی جان پر ظلم نہیں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا :

" ليس الذى تذهبون إليه ، الظلم : الشرك ، ألم تسمعوا لقول العبد الصالح : ﴿ إن الشرك لظلم عظيم ﴾

" (ظلم سے مراد) وہ چیز نہیں جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ ظلم سے مراد شرک ہے ، کیا تم لوگوں نے نیک بندے کی بات کو نہیں سنا ؟ " کہ " یقیناً شرک ظلم عظیم ہے ۔"

چنانچہ آیت مبارکہ کے معنی کی اس باب سے مناسبت یوں ہوگی کہ : وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا تو ان کے لئے امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں ، پس اس شخص کا بدلہ جو ایمان لایا ہے یعنی اس نے توحید باری تعالیٰ کا اقرار کیا اور اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا یعنی اپنی توحید کو شرک سے آلودہ نہیں کیا تو مکمل امن وہدایت اسی کے لئے ہے ، لہذا جس قدر توحید میں کمی واقع ہوگی اور وہ اس طرح کہ انسان اپنے آپ کو ظلم یعنی شرک کی کچھ اقسام سے آلودہ کرلے تو اسی قدر اس سے امن وہدایت چھن جائے گی ۔

"جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ :

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ، اور محمد ﷺ اس کے بندے ، رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام (بھی) اس کے بندے ، رسول اور کلمہ ہیں جو اس (اللہ تعالیٰ) نے مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا تھا ، اور وہ اس کی طرف سے (بھیجی ہوئی) روح تھے .

(اور یہ گواہی دے کہ) جنت اور جہنم برحق ہیں ، تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ (بہر حال) جنت میں داخل کرے گا ، خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں . "

اس آیت مبارکہ میں ظلم سے مراد شرک ہے ، جیسا کہ صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس آیت کو بہت بڑا جانا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنی جان پر ظلم نہیں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا :

" ليس الذى تذهبون إليه ، الظلم : الشرك ، ألم تسمعوا لقول العبد الصالح : ﴿ إن الشرك لظلم عظيم ﴾

" (ظلم سے مراد) وہ چیز نہیں جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ ظلم سے مراد شرک ہے ، کیا تم لوگوں نے نیک بندے کی بات کو نہیں سنا ؟ " کہ " یقیناً شرک ظلم عظیم ہے . "

چنانچہ آیت مبارکہ کے معنی کی اس باب سے مناسبت یوں ہوگی کہ : وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا تو ان کے لئے امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں ، پس اس شخص کا بدلہ جو ایمان لایا ہے یعنی اس نے توحید باری تعالیٰ کا اقرار کیا اور اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا یعنی اپنی توحید کو شرک سے آلودہ نہیں کیا تو مکمل امن و ہدایت اسی کے لئے ہے ، لہٰذا جس قدر توحید میں کمی واقع ہوگی اور وہ اس طرح کہ انسان اپنے آپ کو ظلم یعنی شرک کی کچھ اقسام سے آلودہ کرلے تو اسی قدر اس سے امن و ہدایت چھن جائے گی .

صحیحین میں عتبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

" فإن الله حرم على النار من قال لا إله إلا الله يبتغي بذلك وجه الله "

" اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جو محض رضائے الٰہی کے لئے کلمہ " لا إله إلا الله " کا اقرار کرے ، دوزخ پر حرام کر دیتا ہے . "

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" قال موسىٰ عليه السلام : يارب علمني شيئا أذكرك وأدعوك به ، قال : قل يا موسىٰ ! لا إله إلا الله ، قال : كل عبادك يقولون هذا ، قال : يا موسىٰ ! لوأن السوات السبع وعامرهن غيري والأرضين السبع في كفة ، ولا إله إلا الله في كفة ، مالت بهن لا إله إلا الله " (رواه ابن حبان والحاكم وصححه)

•••

قال : (عن عبادة بن الصامت قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من شهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ، وأن محمدا عبده ورسوله ، ......") الحديث ، وقوله : (على ما كان من العمل)

آپ ﷺ نے اس حدیث مبارک میں یہ فرمایا ہے کہ" جو شخص کلمہ " لا إله إلا الله "کی گواہی دیتا ہے ، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریں گے خواہ اس کے عمل کیسے ہی ہوں . "

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ وہ اپنے اعمال میں کوتاہی کرنے والا اور گناہوں و نافرمانیوں سے آلودہ ہی ہو (تب بھی اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے) یہ توحید کا فضل اور برکت ہے ان لوگوں کے لئے جو توحید کو اختیار کرنے والے ہیں .

قال : (ولهما في حديث عتبان : فإن الله حرم على النار من قال : لا إله إلا الله يبتغي بذلك وجه الله) .

اسی طرح حدیث عتبان رضی اللہ تعالیٰ میں فرمایا کہ : " اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جو محض رضائے الٰہی کے لئے کلمہ " لا إله إلا الله " کا اقرار کرے ، دوزخ پر حرام کر دیتا ہے ".

" موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی ، اے میرے پروردگار ! مجھے کوئی ایسا ذکر بتائیں جس سے میں تجھے یاد کروں اور اس کے ذریعے سے تجھے پکارتا رہوں ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اے موسیٰ ! " لا إله إلا الله " پڑھا کرو ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا : اے میرے رب ! یہ کلمہ تو تیرے سب بندے پڑھتے ہیں ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے موسیٰ ! اگر ساتوں آسمان اور ان کی مخلوق سوائے میرے اور ساتوں زمینیں ترازو کے ایک پلڑے میں ہوں اور کلمہ " لا إله إلاالله " دوسرے پلڑے میں ہو تو " لاإله إلا الله " ان سب سے وزنی ہوگا ."

(اسے ابن حبان وحاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

••

یہ کلمہ یعنی کلمۂ توحید جب بھی کوئی رضائے الٰہی کی خاطر اس کا اقرار کرے ، اس کی شروط اور لوازمات پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر مہربانی وکرم فرماتے ہوئے اسے جہنم کی آگ پر حرام کرنے کا جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرمائیں گے ، اور یہ ایک بہت بڑا فضل ہے .

لیکن وہ شخص جو توحید کا اقرار کرتا ہے ، اس کی ضد یعنی شرک سے باز رہتا ہے اور گناہوں و نافرمانیوں سے آلودہ بھی ہے اور پھر وہ بغیر توبہ کے فوت ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تحت ہے اگر وہ چاہے تو اسے عذاب دے پھر کچھ مدت کے بعد اسے جہنم پر حرام کردے اور چاہے تو اسے معاف کردے اور بغیر عذاب کے ہی جہنم پر حرام کردے .

(وعن أبي سعيد الخدري عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : قال موسى : يارب ! علمني شيئا أذكرك وأدعوك به ، قال : قل ياموسى : لاإله إلا الله ....) الحديث .

اس حدیث سے وجہ دلالت کچھ یوں ہے کہ اگر یہ تصور کیا جائے کہ انسان کے گناہوں کا بوجھ ساتوں آسمانوں ، زمین اور ان کے درمیان جسقدر بندے اور فرشتے ہیں ان کے برابر ہو

اور سنن ترمذی میں حسن سند کے ساتھ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

" یا ابن آدم ! لو أتیتنی بقراب الأرض خطایا ، ثم لقیتنی لاتشرك بی شیئا ، لأتیتك بقرابها مغفرة "

" اے ابن آدم ! اگر تو میرے پاس زمین بھر کر گناہ لائے ، پھر اس حال میں تو مجھ سے ملاقات کرے کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں اسی قدر تیری طرف مغفرت وبخشش لے کر آؤں . "

اس باب کے مسائل

۱- اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی وسعت .

۲- اللہ تعالیٰ کے ہاں توحید کا بہت زیادہ ثواب ہے .

۳- ثواب کے ساتھ ساتھ عقیدہ توحید گناہوں کا کفارہ بھی ہے .

۴- آیت سورۃ انعام کی تفسیر بھی واضح ہوئی (اس آیت مبارکہ میں ظلم سے مراد شرک ہے .)

....

جائے تو تب بھی کلمہ " لا إله إلا الله " اس قدر گناہوں کے بوجھ پر وزنی اور بھاری ہوگا . حدیث بطاقہ (یعنی وہ حدیث جس میں ہے کہ " لا إله إلا الله " کاغذ کے ایک ٹکڑے پر ہو ، اسے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں ساری مخلوق کو رکھ دیا جائے تو " لا إله إلا الله " کے کاغذ والا پلڑا تب بھی بھاری ہوگا) اور حدیث انس رضی اللہ عنہ بھی اسی بات پر دلالت کر رہی ہیں ، یہ فضل عظیم کلمہ توحید ہی کی بناء پر ہے اور یہ صرف اس شخص کے لئے ہے جس کے دل میں یہ کلمہ پختہ ہو ، اس نے خلوص دل سے اس کا اقرار کیا ہو ، اس کے مدلولات پر بغیر کسی شک

۵ - عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان کردہ پانچ امور پر غور وفکر کرنا چاہیے۔

۶ - حدیث عبادۃ اور حدیث عتبان رضی اللہ عنہما اور بعد والی احادیث کو جمع کیا جائے تو کلمہ " لا إله إلا الله " کا معنی واضح ہوجاتا ہے اور جو لوگ دھوکے میں مبتلا ہیں (کہ محض " لا إله إلا الله " کا اقرار نجات کے لئے کافی ہے) ان کی غلطی بھی واضح ہوجاتی ہے۔

۷- عتبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور شرط بھی قابل توجہ ہے۔

۸- یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ انبیاء کرام بھی کلمہ " لا إله إلا الله " کی فضیلت جاننے کے محتاج تھے۔

۹ - اسی طرح یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کلمہ " لا إله إلا الله " کے تمام آسمانوں اور زمینوں سے وزنی و بھاری ہونے کے باوجود بہت سے کلمہ گو لوگوں کے ترازو ہلکے ہونگے۔

۱۰- یہ بات بھی نص سے ثابت ہے کہ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں۔

۱۱- آسمانوں اور زمینوں دونوں میں (اللہ تعالیٰ کی) مخلوق آباد ہے۔

۱۲- اللہ تعالیٰ کے لئے صفات کو ثابت کرنا، جبکہ اشاعرہ کا عقیدہ اس کے برعکس ہے۔

۱۳ - جب آپ حدیث انس رضی اللہ عنہ کو سمجھ لیں گے تو آپ کو یہ معلوم ہو جائیگا کہ حدیث عتبان رضی اللہ عنہ میں آپ ﷺ کے فرمان " فإن الله حرم على النار من قال : " لا إله إلا الله " يبتغي بذلك وجه الله " " کہ جو شخص محض رضائے الٰہی کی خاطر

....

وشبہ کے تصدیق کی ہو، جو کچھ اس میں بیان ہوا اس کا معتقد اور اس کے مدلولات سے محبت رکھنے والا ہو تو تب اس کلمہ کا اثر اور اس کی روشنی دل میں پختہ ہوگی اور جب ایسا ہو جائے تو پھر اس کلمہ کے

کلمہ " لا إله إلا الله " کا اقرار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ پر حرام کر دیتا ہے " کا مطلب یہ کہ کلمہ " لا إله إلا الله " کا فقط زبان سے اقرار کافی نہیں بلکہ شرک کو ترک کرنا بھی مقصود ہے ۔

۱۴- یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بیان کردہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام دونوں کو اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول کہا گیا ہے ۔

۱۵- خصوصیت عیسیٰ علیہ السلام کی معرفت کا حاصل ہونا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ ہیں (یعنی کلمہ " کن " سے پیدا شدہ ہیں)

۱۶- اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ " روح اللہ " ہیں ۔

۱۷- جنت اور جہنم پر ایمان لانے کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے ۔

۱۸- حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ کے فرمان " علی ما کان من العمل " کے معنی بھی معلوم ہو جاتے ہیں (کہ جنت میں داخلے کے لئے انسان کا " صاحب توحید " ہونا شرط ہے ۔

۱۹- اس بات کا علم بھی حاصل ہوتا ہے کہ ترازو کے دو پلڑے ہیں ۔

۲۰- اللہ تعالیٰ کی صفت " الوجه " یعنی چہرہ مبارک کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے (لیکن اسی طرح جیسے اس کے شایان شان ہے)

مقابلہ میں جس قدر بھی گناہ ہوں تو ان کو یہ بھسم کر دے گا اور جلا ڈالے گا ۔

باب: ۲

حقیقی موحد بلا حساب جنت میں جائیگا

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (النحل : ۱۲۰)

” بے شک ابراہیم علیہ السلام (لوگوں کے لئے) پیشوا ، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور یکسو تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے . “

....

یہ باب فضیلت توحید کے بیان سے بھی بلند تر رتبے کا حامل ہے کیونکہ توحید کی فضیلت میں سب اہل توحید شریک ہیں ، جبکہ اس امت کے خاص الخاص ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے توحید کا حق ادا کیا ہے ، اور تحقیق توحید پر ہی اس باب کا دارو مدار ہے .

(وقول الله تعالیٰ : ﴿ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾) ” بے شک ابراہیم علیہ السلام (لوگوں کے لئے) پیشوا ، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور یکسو تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے . “

اس آیت مبارکہ میں اس بات کی راہنمائی کی گئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام توحید کا حق ادا کرنے والے تھے .

وجہ دلالت : اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو چند صفات سے متصف فرمایا ہے :

۱- ” كَانَ أُمَّةً “ وہ ایک امت تھے ، امت اس پیشوا کو کہا جاتا ہے جس میں تمام بشری صفات کمال اور صفات خیر جمع ہوں ، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں خیر و بھلائی کی کوئی بھی صفت کم نہ تھی ، اور یہی تحقیق توحید کا معنی ہے .

اور فرمایا :

﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ﴾ (المؤمنون : ۵۹)

" اور (اہل ایمان) وہ ہیں جو اپنے پروردگار کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں ٹھہراتے ."

....

۲ - " قانتا للّٰه " وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے ، اس میں اس چیز کا اثبات ہے کہ وہ ہمیشہ اطاعت کرنے والے تھے اور انواع توحید کو لازم پکڑنے والے تھے .

۳ - " حنیفا " وہ یک سو تھے . اس میں مشرکین کے راستے اور ان کی طرف جھکاؤ سے نفی کی گئی ہے اور یہ مشرکین کا راستہ شرک وبدعت اور نافرمانی پر مشتمل ہے .
مشرکین کی یہی تین صفات وعادات ہیں کہ وہ شرک ، بدعت اور نافرمانی کے کام کرتے ہیں ، لیکن نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نہ ہی بخشش طلب کرتے ہیں .

۴ - " ولم یک من المشرکین " اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے . یعنی وہ شرک کی تمام اقسام سے کنارہ کشی اور مشرکین سے دوری اختیار کرنے والے تھے .
شیخ رحمہ اللہ نے یہ معانی آیت مبارکہ سے اخذ کیے ہیں اور یہ آیت بھی تحقیق توحید پر دلالت کر رہی ہے .

وقوله : ﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ﴾ " اور (اہل ایمان) وہ ہیں جو اپنے پروردگار کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں ٹھہراتے "
اس آیت مبارکہ میں شرک کی نفی بیان کی گئی ہے اور نفی جب فعل مضارع پر داخل ہو تو یہ فعل میں پوشیدہ مصدر کے عموم کا فائدہ دیتی ہے ، لہذا آیت کے معنی یہ ہونگے کہ : " وہ شرک اکبر ، شرک اصغر اور شرک خفی کا ارتکاب نہیں کرتے " اور جو شرک کا ارتکاب نہیں کرتا وہ موحد ہوتا ہے .
چنانچہ ہمارے پاس ایک لازم ثابت ہوا ، وہ یہ کہ شرک کی تمام اقسام سے اجتناب کرنے والا ، شرک کو

حصین بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں (ایک دفعہ) سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے پاس تھا کہ انہوں نے کہا کہ گذشتہ رات ٹوٹنے والا ستارہ تم میں سے کسی نے دیکھا ہے ؟ تو میں نے کہا : میں نے ، پھر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ میں اس وقت نماز میں مشغول نہیں تھا ، بلکہ مجھے کسی چیز نے ڈس لیا تھا . تو انہوں نے پوچھا کہ پھر تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا : کہ میں نے دم کیا تھا ، انہوں نے پھر پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ؟ میں نے کہا اس حدیث کی بناء پر جو ہمیں شعبی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے ،انہوں نے کہا کہ وہ کیا حدیث ہے ؟ میں نے کہا کہ انہوں نے ہمیں بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کی ہے ،جس میں انہوں نے فرمایا :

" لا رقية إلا من عين أو حمة " " کہ نظر بد اور زہریلی چیز کے کاٹنے کے سوا کسی اور صورت میں دم نہیں . "

یہ سن کر سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا : کہ جس نے جو سنا اور پھر اس پر عمل کیا ، اس نے بہت ہی اچھا کیا ، لیکن ہمیں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا :

" عرضت على الأمم فرأيت النبي ومعه الرهط ، والنبي ومعه الرجل

صرف اللہ تعالیٰ کی توحید ہی کے لئے ترک کرتا ہے

اہل علم کا قول ہے کہ " آیت مبارکہ میں لفظ "بربهم " کو " لا يشركون " سے پہلے اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ ربوبیت ، عبودیت کو بھی مستلزم ہے اور یہ توحید کا حق ادا کرنے والوں کا وصف ہے ، کیونکہ شرک کے اجتناب سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناتا ہو ، اور اگر انسان اپنی خواہشات کو اس کا شریک بنائے تو لازماً وہ یا تو بدعت کا مرتکب ہوگا یا معصیت کا ، چنانچہ شرک کی نفی سے شرک کی تمام اقسام بلکہ بدعت ومعصیت کی بھی نفی ہو جاتی

والرجلان ، والنبي وليس معه أحد ، إذ رفع لي سوا د عظيم ، فظننت أ نهم أمتي ، فقيل لي : هذا موسىٰ وقومه ، فنظرت فإذا سواد عظيم ، فقيل لي : هذه أمتك ، ومعهم سبعون ألفا يدخلون الجنة بغير حساب ولا عذاب ، ثم نهض فدخل منزله ، فخاض الناس في أولٰئك فقال بعضهم : فلعلهم الذين صحبوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وقال بعضهم : فلعلهم الذين ولدوا في الإسلام ، فلم يشركوا با لله شيئا ، وذكروا أشياء ، فخرج عليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبروه ، فقال : " هم الذين لا يسترقون ، ولا يكتوون ، ولا يتطيرون ، وعلى ربهم يتوكلون " فقام عكاشة بن محصن ، فقال : ادع الله أن يجعلني منهم ، قال : " أنت منهم " ثم قام رجل آخر ، فقال : ادع الله أن يجعلني منهم ، فقال : " سبقك بها عكاشة "

" میرے سامنے بہت سی امتیں پیش کی گئیں ، میں نے دیکھا کہ کسی نبی کے ساتھ تو بہت بڑی جماعت ہے اور کسی کیساتھ ایک ، دو آدمی ہیں اور کسی کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں ہے ، اسی اثناء میں میرے سامنے ایک بہت بڑی جماعت نمودار ہوئی ، میں نے سمجھا کہ یہ میری امت ہے ، لیکن مجھے کہا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت ہے ، پھر میں نے ایک اور بہت بڑی جماعت دیکھی ، مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان میں ستر ہزار افراد ایسے ہیں جو بغیر حساب اور بلا عذاب جنت میں داخل ہونگے (اتنی بات فرمانے کے بعد) آپ ﷺ اٹھے اور اپنے گھر تشریف لے گئے ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان (خوش نصیب ستر ہزار) افراد کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے لگے ، بعض نے کہا : شاید یہ وہ لوگ ہیں جو (عہد) اسلام میں پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ، اس کے

ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں توحید کا حق ادا کرنا ہے ۔

حدیث مبارک سے محل شاہد آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے :

علاوہ انہوں نے کچھ اور باتیں بھی ذکر کیں ، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ، تو صحابہ کرام نے آپ کو اپنی آراء سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا :

" یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم کرواتے ہیں ، نہ (علاج کی غرض سے) اپنے جسم کو داغتے ہیں ، نہ بدفالی لیتے ہیں اور وہ صرف اپنے پروردگار پر ہی توکل و بھروسہ کرتے ہیں ، (یہ سن کر) عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی (اے اللہ کے رسول ﷺ) آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے . آپ ﷺ نے فرمایا : تم ان میں سے ہو ، پھر ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ میرے لئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کر دے تو آپ ﷺ نے فرمایا : اس (دعا) میں عکاشہ رضی اللہ عنہ تم پر سبقت لے گیا ہے . " (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(...... فنظرت ، فإذا سواد عظيم ، فقيل لي : هذه أمتك ، ومعهم سبعون ألفا يدخلون الجنة بغير حساب ولا عذاب ، ثم نهض فدخل منزله ، فخاض الناس في أولئك ، فقال بعضهم : فلعلهم الذين صحبوا رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال بعضهم : فلعلهم الذين ولدوا في الإسلام ، فلم يشركوا با لله شيئا ، وذكروا أشياء ، فخرج عليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فأخبروه ، فقال : هم الذين لا يسترقون ، ولا يكتوون ، ولا يتطيرون ، وعلى ربهم يتوكلون) .

اس حدیث مبارک میں آپ ﷺ نے ذکر فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب اور بلا عذاب جنت میں داخل ہونگے اور ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا :

" یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دم کرواتے ہیں ، نہ (علاج کی غرض سے) جسم کو داغتے ہیں ، نہ بد فالی لیتے ہیں اور وہ صرف اپنے پروردگار پر ہی توکل وبھروسہ کرتے ہیں " .

ان صفات کے ذکر سے یہ مقصود نہیں کہ جو لوگ توحید کا حق ادا کرتے ہیں وہ اسباب کو اختیار

اس باب کے مسائل

۱- توحید کے بارے میں لوگوں کے درجات و مراتب مختلف ہیں۔

۲- تحقیق توحید کا معنی کیا ہے ؟

۳- اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اس بات پر مدح و ستائش فرمائی ہے کہ وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

۴- اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کی بھی اس بات پر مدح فرمائی ہے کہ وہ شرک سے بیزار تھے۔

۵- دم کرنا اور جسم داغنے کے طریق علاج کو ترک کرنا تحقیق توحید سے ہے۔

۶- (حدیث میں مذکورہ) ان صفات کا احاطہ کرنا ہی توکل ہے۔

۷- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم کی گہرائی کی معرفت حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان بلند پایہ مراتب و مناصب کا حصول عمل کے بغیر ناممکن ہے۔

۸- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نیکی و بھلائی کے کاموں پر کس قدر حریص تھے ، اس کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے۔

۹- امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ امت بلندی درجات اور کثرت تعداد کے اعتبار سے (تمام امتوں سے) برتر و افضل ہے۔

....

نہیں کرتے ، جیسا کہ بعض (ناسمجھ) لوگوں کا خیال ہے کہ کمال اسی میں ہے کہ انسان بالکل اسباب کو اختیار نہ کرے ، یا ہرگز علاج معالجہ نہ کرے ۔ تو یہ (فہم) غلط ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو دم کیا گیا ، آپ ﷺ نے علاج معالجہ بھی کیا ، اور علاج معالجہ کرنے کا حکم بھی فرمایا ، نیز آپ ﷺ نے بعض صحابہ کو جسم داغنے کا حکم بھی دیا ، وغیرہ وغیرہ تو اس (حدیث) میں کہیں بھی یہ ثابت

۱۰- موسیٰ علیہ السلام (اور ان) کی امت کی فضیلت بھی عیاں ہوتی ہے.

۱۱- نبی اکرم ﷺ پر تمام امتوں کے پیش کیے جانے کا مسئلہ معلوم ہوا.

۱۲- ہر امت کو اپنے نبی کے ساتھ اٹھایا جائیگا.

۱۳- دعوت انبیاء کو (بالعموم) تھوڑے لوگوں نے ہی قبول کیا.

۱۴- جس نبی کی دعوت پر کوئی بھی ایمان نہ لایا، وہ اکیلا ہی آئیگا.

۱۵- اس علم کا فائدہ یہ ہے کہ کثرت تعداد پر مغرور اور قلت تعداد پر بد دل نہیں ہونا چاہیے.

۱۶- نظر بد اور زہریلے جانور کے کاٹے کا دم کرنا جائز ہے.

۱۷- (سعید بن جبیر رحمہ اللہ) کے قول: " قد احسن من انتهیٰ إلی ما سمع " کہ جس نے اپنی شنید کے مطابق عمل کیا، اس نے اچھا کیا " سے سلف صالحین کی علمی گہرائی کا پتہ چلتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی حدیث دوسری حدیث کے خلاف نہیں ہے.

۱۸- سلف صالحین ایک دوسرے کی بے جا تعریف وستائش سے گریز کرتے تھے.

۱۹- نبی اکرم ﷺ کا (عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ سے) یہ فرمانا:

" أنت منهم " (کہ تو ان میں سے ہے) یہ آپ ﷺ کے (سچے) نبی ہونے کے دلائل ونشانیوں میں سے ایک دلیل ونشانی ہے.

۲۰- حدیث مبارک سے عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے.

نہیں ہوتا کہ وہ اسباب کو مطلقا یا علاج معالجہ کے اسباب کو اختیار نہ کرتے تھے[1]، بلکہ اس میں صرف ان تین اوصاف کا بالخصوص ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اغلب طور پر (بیمار آدمی کا) دل، دم کرنے والے یا داغنے، یا داغ دینے والے، یا بدشگونی کی طرف مائل ہو جاتا ہے جس سے توکل میں کمی واقع ہو جاتی

۲۱ - اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (بوقت ضرورت) اشارہ وکنایہ میں گفتگو کرنا بھی جائز ہے.

۲۲ - نیز حدیث مبارک سے رسول اللہ ﷺ کے اعلی واحسن اخلاق کے مالک ہونے کی نشاندہی بھی ہوتی ہے.

....

ہے، جبکہ علاج معالجہ ایک مشروع عمل ہے جو کبھی واجب ہوتا ہے تو کبھی مستحب اور بعض حالات میں مباح ہوتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

" تداووا عباد الله ، ولا تداووا بحرام "

" اللہ کے بندو! علاج معالجہ کو اختیار کرو، لیکن حرام چیز کے ساتھ نہیں ".

باب : ۳

شرک سے ڈرنے کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾ (النساء : ۴۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ اس (گناہ) کو نہیں بخشے گا کہ (کسی کو) اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے معاف کر دے گا۔''

اہل توحید ، توحید کے اثبات کے ساتھ ساتھ شرک سے خوف بھی رکھتے ہیں اور وہ شخص جو شرک سے خوف رکھتا ہے وہ اس کے معنی اور اس کی اقسام کی معرفت حاصل کر کے اس سے دور رہنے کی کاوش کرتا ہے کہیں وہ اس کا ارتکاب نہ کر بیٹھے ۔

(وقول الله عزوجل : ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾).

فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ اس (گناہ) کو نہیں بخشے گا کہ (کسی کو) اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے معاف کر دے گا۔''

بعض اہل علم کا بیان ہے : کہ آیت مبارکہ میں جس شرک کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد شرک اکبر ، شرک اصغر اور شرک خفی ہے ، اللہ تعالیٰ شرک کی تمام اقسام کو بغیر توبہ کے معاف نہیں فرمائیں گے ، کیونکہ شرک ایک بہت بڑا گناہ ہے اور وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا ، روزی عطا کی ، (سب کچھ) دیا اور اپنا فضل کیا ، تو کیونکر ممکن ہو کہ انسانی دل اس ہستی کو چھوڑ کر کسی غیر کی طرف متوجہ ہو ؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ، ابن القیم ، امام محمد بن عبدالوہاب رحمہم اللہ اور اکثر علماء دعوت توحید نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے ۔

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ﴾ (ابراہیم: ۳۵)

اور (اے میرے پروردگار!) مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے محفوظ فرما۔"

....

جب یہ بات طے ہے کہ شرک اور اس کی تمام اقسام کو معاف نہیں کیا جائیگا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سب سے زیادہ اسی سے ڈرنا واجب ہے، (یعنی) جب ریاکاری، غیر اللہ کی قسم اٹھانا، تعویذ یا کڑا لٹکانا، دھاگہ باندھنا، یا نعمتوں کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا، جیسے گناہوں کو بخشا نہیں جائیگا تو اس کا مطلب یہی ہے کہ سب سے زیادہ انہی چیزوں سے خوف رکھنا لازم و واجب ہے اور اسی طرح شرک اکبر کا معاملہ ہے، جب جنس قلوب عباد میں شرک کا حصول یا وقوع ہو جائے تو (مؤمن وموحد) بندہ اس (شرک) کی انواع واقسام اور اس کے اجزاء کی معرفت حاصل کر کے اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

پھر شیخ رحمہ اللہ نے اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل فرمایا ہے:

﴿ وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ﴾

" (ابراہیم علیہ السلام نے پکارا اے میرے پروردگار!) مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے محفوظ فرما۔"

اعلیٰ درجے کی توحید اختیار کرنے والے صاحب کمال لوگوں کی یہی حالت ہے کہ وہ مطمئن نہیں ہوتے بلکہ وہ شرک اور اس کے اسباب وذرائع سے ڈرتے ہیں۔

أصنام: صنم کی جمع ہے جس کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کی صورت ہو اور اللہ کے سوا اس کی پوجا کی جاتی ہو، خواہ وہ آدمی کے چہرے کی شکل وصورت میں ہو، یا حیوان کے جسم یا اس کے سر کی شکل میں ہو یا سورج وچاند کی شکل میں ہو وغیرہ۔

وثن: ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پوجا کی جاتی ہو خواہ وہ صورت کی شکل میں ہو جیسا کہ

اور حدیث شریف میں ہے :

" أخوف ما أخاف عليكم الشرك الأصغر ، فسئل عنه فقال : الرياء "
(مسند أحمد)

" مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ ڈر " شرک اصغر " کا ہے ، آپ سے پوچھا گیا کہ شرک اصغر کیا ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا " ریاکاری ".

••

اصنام ہیں یا صورت کی شکل میں نہ ہو جیسا کہ قبر ہے .

اور حدیث شریف میں ہے :

" أخوف ما أخاف عليكم الشرك الأصغر ، فسئل عنه فقال : الرياء "
(مسند أحمد)

" مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ ڈر " شرک اصغر " کا ہے ، آپ سے پوچھا گیا کہ شرک اصغر کیا ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا " ریاکاری ".

سوال : نبی اکرم ﷺ نے سب گناہوں سے زیادہ شرک اصغر سے خوف محسوس کیا ہے ، اس گناہ سے اس قدر خوف کا اظہار کیوں کیا گیا ؟

جواب : اس گناہ کے اثرات کی وجہ سے کہ اسے بخشا نہیں جائیگا اور اس وجہ سے بھی کہ لوگ اس سے غفلت برتیں گے ، آپ ﷺ کے خوف کھانے کا یہی سبب تھا .

نیز ریاکاری دو قسم کی ہے :

۱ - رياء المنافق : منافق کی ریاکاری دین کی اصل و بنیاد میں ریاکاری ہے کہ وہ (لوگوں کو) اسلام ظاہر کر کے دکھلاتا ہے اور کفر کو چھپاتا ہے ، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ (النساء : ۱۴۲)

" وہ صرف لوگوں کو دکھاتے اور یادِ الٰہی تو یونہی برائے نام سی کرتے ہیں "

۲ - رياء المسلم الموحد : مسلمان توحید پرست کی ریاکاری یہ ہے کہ وہ اپنی نماز کی

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" من مات وهو يدعو من دون الله ندا دخل النار " (صحیح بخاری)

" جس شخص کو اس حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے (شریک) کو پکارتا ہو تو وہ جہنم رسید ہوگا "

....

تحسین کرتا ہے تاکہ لوگ اسے دیکھیں اور اس کی مدح و ستائش کریں ، اور یہی شرک اصغر ہے .

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" من مات وهو يدعو من دون الله ندا دخل النار " (صحیح بخاری)

" جس شخص کو اس حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے (شریک) کو پکارتا ہو تو وہ جہنم رسید ہوگا ."

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے شریک کو پکارنا ، شرک اکبر ہے کیونکہ دعا (پکارنا) ایک عبادت ہے بلکہ یہ ایک عظیم عبادت ہے ، صحیح حدیث مبارک میں وارد ہے :

" الدعاء هو العبادة " " کہ دعا ہی عبادت ہے ."

پس جو شخص اس حالت میں مرگیا کہ وہ اس عبادت کو یا اس کے کچھ حصہ کو غیر اللہ (اس کے باطل شریکوں میں سے کسی شریک) کے لئے صرف کرتا تھا تو وہ جہنم کا مستحق ہوگا .

آپ ﷺ کا یہ فرمان : " دخل النار " کہ وہ جہنم رسید ہوگا ، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حال کافروں جیسا ہوگا ، یعنی وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا ، اور یہ اس لئے کہ جب کسی مسلمان سے شرک اکبر سرزد ہوتا ہے تو وہ اس کے تمام اعمال کو برباد کردیتا ہے .

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ (الزمر ۶۵)

نیز جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" من لقى الله لايشرك به شيئا دخل الجنة ، ومن لقيه يشرك به شيئا دخل النار " (صحیح مسلم)

" جو شخص اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے کہ وہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائیگا اور جو اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملے کہ وہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہو تو وہ جہنم رسید ہوگا. "

" البتہ تحقیق آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف بھی وحی کی گئی کہ اگر آپ شرک کا ارتکاب کریں تو آپ کے تمام اعمال برباد ہو جائیں گے اور آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہونگے."

محققین اور علماء تفسیر کے ہاں لفظ " من دون الله " درجہ ذیل معانی کو شامل ہے:

۱- اللہ تعالیٰ کو پکارنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو پکارنا.

۲- اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف غیر اللہ کو علی وجہ الاستقلال پکارنا اور اس کی طرف توجہ کرنا.

مسلم شریف میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(من لقى الله لايشرك به شيئا)

" جس نے اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کی کہ اس نے شرک نہیں کیا " یعنی شرک کی اقسام میں سے کسی قسم کا شرک نہیں کیا اور نہ ہی کسی کی طرف متوجہ ہوا اور اس کا قصد کیا، نہ کسی فرشتے کا، نہ کسی نبی کا، نہ کسی نیک آدمی کا اور نہ ہی کسی جن وغیرہ کا (دخل الجنة) " تو وہ جنت میں داخل ہوگا " یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ اسے اپنی رحمت اور فضل سے جنت میں داخل فرمائیں گے.

اس باب کے مسائل

۱- شرک سے ڈرنا چاہیے.

۲- ''ریا کاری'' شرک کی ایک قسم ہے.

۳- ''ریا کاری'' شرک اصغر ہے.

۴- نیک لوگوں پر باقی گناہوں کی نسبت ''ریا کاری'' کا زیادہ خطرہ ہے.

۵- جنت اور جہنم (انسان) کے قریب ہیں.

۶- ایک ہی حدیث میں جنت اور جہنم کے قریب ہونے کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے.

۷- جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنایا تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو اس حال میں ملے گا کہ اس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا ہے تو وہ جہنم رسید ہوگا خواہ وہ کتنا بڑا ہی عابد کیوں نہ ہو.

۸- ابراہیم علیہ السلام کا اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے شرک سے محفوظ رہنے کی دعا کرنا ایک بہت عظیم مسئلہ ہے.

۹- ابراہیم علیہ السلام نے ۔﴿ رب إنہن أضللن کثیرا من الناس ﴾ ''کہ اے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے.'' کہہ کر اکثریت کی حالت سے عبرت حاصل کی ہے.

(ومن لقیه یشرك به شیئا دخل النار) ''اور جس نے اس حال میں ملاقات کی کہ وہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہراتا تھا تو وہ جہنم رسید ہوگا.''

اور یہ (شرک) شرک اکبر، شرک اصغر اور شرک خفی سب کو شامل ہے.

سوال: کیا جہنم میں یہ داخلہ ہمیشہ ہمیش کے لئے ہے یا ایک محدود مدت کے لیے ہے؟

۱۰- امام بخاری رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق ان آیات واحادیث میں " لا إلہ إلا اللہ " کی تفسیر ہے.

۱۱- اس میں شرک سے بچنے والوں کی فضیلت کا بھی بیان ہے.

....

جواب: یہ ہر انسان کے شرک کے اعتبار سے ہے، اگر شرک اکبر کا مرتکب ہے اور اسی حالت میں مرگیا تو وہ ابدی جہنمی ہوگا اور وہ اس سے نکالا نہیں جائیگا، اور اگر شرک اکبر نہیں بلکہ شرک اصغر یا شرک خفی ہے تو اس کے مرتکب (جو اسے جانتا بھی ہے) کو جہنم میں داخلے کی وعید سنائی گئی ہے اور وہ اس میں ایک مدت تک رہے گا جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، پھر اسے اس میں سے نکالا جائیگا کیونکہ بہر حال وہ توحید پرستوں میں سے ہے.

باب : ۴

" لا إله إلا الله " کی گواہی کے لئے لوگوں کو دعوت دینا

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ أَدْعُوْٓا إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (یوسف : ۱۰۸)

" (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ میرا اور میرے پیروکاروں کا راستہ تو یہ ہے کہ ہم سب سمجھ بوجھ کر اللہ کی طرف بلاتے ہیں ، اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں . "

••

شیخ رحمہ اللہ نے یہ باب باندھ کر (لوگوں کو) یہ بتایا ہے کہ شرک سے خوف کی تکمیل اور توحید کا اتمام اس چیز سے ہوتا ہے کہ انسان (دوسروں کو بھی) توحید کی دعوت دے اور یہی کلمہ " لا إلہ إلا اللہ " کی گواہی دینے کی حقیقت ہے ، کیونکہ اس کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ : اس کا اعتقاد رکھنا ، اس کا زبان سے اقرار کرنا اور جس چیز پر یہ دلالت کرتا ہے اس کی دوسروں کو دعوت دینا .

توحید کی دعوت ، توحید کی انواع واقسام ، اس کی تفاصیل ،شرک اور اس کی اقسام سے منع کرنا وغیرہ ، سب کو شامل ہے اور یہ ایک بڑا اہم مسئلہ ہے جسے امام رحمہ اللہ نے اس کتاب میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے .

ارشاد باری تعالیٰ ہے :﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ أَدْعُوْٓا إِلَى اللّٰهِ ﴾ " آپ کہہ دیجئے کہ میرا راستہ یہ ہے کہ میں (ایک) اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں " نہ کہ اس کے غیر کی طرف .

اس آیت کریمہ میں دو فائدے بیان کیے گئے ہیں :

۱- توحید کی دعوت دینا . ۲- اخلاص پر (لوگوں کو) متنبہ کرنا .

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا تو یہ ارشاد فرمایا:

"إنک تأتي قوما من أهل الكتاب ، فليكن أول ما تدعوهم إليه : شهادة أن لاإله إلا الله - وفي رواية - إلى أن يوحدوا الله - فإن هم أطاعوك لذلك ، فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة ، فإن هم أطاعوك لذلك ، فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم ، فترد على فقراءهم ، فإن هم أطاعوك لذلك ، فإياك وكرائم أموالهم ، واتق دعوة المظلوم ، فإنه ليس بينها وبين الله حجاب" (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

" تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس جارہے ہو، تم انہیں سب سے پہلے "لا إله إلا الله" کی گواہی کی دعوت دینا، (ایک اور روایت میں ہے کہ تم انہیں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت "توحید" کی دعوت دینا) پس اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، پس اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو

....

اس لئے کہ بہت سے لوگ اگر چہ حق کی دعوت دیتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ حق کی بجائے اپنے نفسوں کی طرف بلاتے ہیں.

﴿ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے علم، یقین اور معرفت حاصل ہونے کے بعد (لوگوں کو حق کی طرف) دعوت دی ہے نہ کہ "دعوت إلی اللہ" کا فریضہ جہالت پر ادا کیا ہے.

﴿أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں اور میرے پیروکار جنھوں نے میری دعوت کو قبول کیا ہے بھی فہم وفراست، علم اور بصیرت حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں.

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ انبیاء کرام کے پیروکاروں کی یہ عادت (حسنہ) ہے کہ وہ صرف توحید

پھر انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے ، جو ان کے اصحاب ثروت سے وصول کر کے ان کے فقراء وغرباء میں تقسیم کی جائیگی ، پس اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو ان کے عمدہ اور قیمتی مال لینے سے احتیاط کرنا اور مظلوم کی دعا سے بچنا ، کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ۔ "

بخاری ومسلم میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن ارشاد فرمایا :

" لأعطين الرا ية غدا رجلا يحب الله ورسوله ، ويحبه الله ورسوله ، يفتح الله علىٰ يديه ، فبات النا س يدوكون ليلتهم أيهم يعطاها ، فلما أصبحوا غدوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم كلهم يرجون أ ن يعطاها ، فقال : اين على بن أ بى طالب ؟ فقيل : هو يشتكى عينيه ، فأرسلوا إليه فأتى به ، فبصق فى عينيه ، ودعا له ، فبرأ كأن لم يكن به وجع ، فأعطاه الرا ية ، فقال : انفذ على رسلك حتى تنزل بساحتهم ، ثم ادعهم إلى الاسلام ، وأخبرهم بما يجب عليهم من حق الله تعالىٰ ، فو الله لأن يهدى الله بک رجلا واحدا خير لک من حمر النعم " يدوكون : أى يخوضون .

" کل میں ایسے شخص کو پرچم دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) سے محبت

کو جاننے ، اس پر عمل کرنے اور شرک سے ڈرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ وہ اس (توحید) کی جانب دعوت بھی دیتے ہیں اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے ۔

(عن ابن عباس رضى الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما بعث معاذا إلى اليمن ....) الحديث .

اس حدیث میں محل شاہد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا :

کہ جب تم دعوت کا آغاز کرو تو سب سے پہلے کلمہ " لا إله إلا الله " کی شہادت وگواہی کی طرف

رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں ، اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا ، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات بھر قیاس آرائیاں کرتے رہے کہ پرچم کسے دیا جاسکتا ہے ؟ صبح ہوئی تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے ، ہر ایک کی یہی خواہش اور امید تھی کہ پرچم اسے ہی ملے گا .

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا : علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں ؟ بتایا گیا کہ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں ، پھر انہوں نے انہیں بلانے کے لئے آدمی روانہ کیا ، آپ رضی اللہ عنہ کو لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور آپ کے لئے دعا فرمائی ، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ یوں تندرست ہو گئے گویا کہ انہیں کچھ تکلیف ہی نہ تھی .

آپ ﷺ نے پرچم علی رضی اللہ عنہ کو تھما دیا اور فرمایا :

اطمینان سے روانہ ہو جاؤ اور خیبر کے میدان میں پہنچ جاؤ ، پھر سب سے پہلے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ان پر عائد ہوتے ، انہیں بتانا .

اللہ تعالیٰ کی قسم ! اگر اللہ تعالیٰ تمہاری بدولت ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو تمہارے لئے یہ (سعادت ، انتہائی قیمتی) سرخ اونٹوں سے کہیں بہتر ہے . "

....

دعوت دو ، بخاری شریف کی "کتاب التوحید" میں ایک دوسری روایت نے اس (کلمہ) کی تفسیر وتوضیح کچھ یوں کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا : " إلى أن يوحدوا الله " کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت (توحید) کی طرف دعوت دو .

(ولهما عن سهل بن سعد رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يوم خيبر : لأعطين الراية غدا ...) الحديث .

اس باب کے مسائل

۱- رسول اللہ ﷺ کے متبعین کا یہ طریقہ کار ہے کہ (وہ خود صاحب ہدایت ہونے کے بعد) دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔

۲- اخلاص کے مسئلہ پر (لوگوں کو) متنبہ کیا گیا ہے کیونکہ اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ "دعوت إلی الحق" لے کر اٹھیں بھی تو (وہ اس میں مخلص نہیں ہوتے بلکہ) وہ بالعموم لوگوں کو اپنی ذات کی طرف دعوت دینے والے ہوتے ہیں۔

۳- (دعوت کے کاموں میں) بصیرت سے کام لینا فرض ہے۔

۴- توحید کے محاسن میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے پاک کر دیتی ہے۔

۵- شرک کی قباحتوں میں سے ایک قباحت یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے گالی اور اس کی ذات میں عیب اور نقص ہے۔

۶- اس باب کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان کو اہل شرک سے دور رہنا چاہیے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شرک نہ کرنے کے باوجود ان کا ساتھی نہ بن جائے۔

۷- جملہ واجبات دین میں سے سب سے پہلا واجب مسئلہ توحید ہے۔

۸- (مبلغ کو چاہیے) کہ وہ سب امور سے پہلے حتی کہ نماز سے بھی پہلے توحید کا آغاز کرے .۹- رسول اللہ ﷺ کے فرمان " أن یوحدوا اللہ " اور " لاإلہ إلا اللہ " کی شہادت و گواہی کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے۔

۱۰- بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اس (توحید) سے باخبر نہیں ہیں، یا جاننے کے

....

بخاری و مسلم میں مذکور سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں محل شاہد آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: (ثم ادعھم إلی لإسلام) "کہ پھر تو ان کو اسلام کی دعوت دے" دعوت اسلام درحقیقت

باوجود اس پر عمل پیرا نہیں ہیں ۔

۱۱- تعلیم درجہ بدرجہ دینی چاہیے ۔

۱۲- سب سے پہلے اہم ترین اور بعد ازاں بتدریج اہمیت والے مسائل بیان کرنے چاہییں ۔۱۳- اس میں زکاۃ کے مصرف کا بھی بیان ہے ۔

۱۴- معلم کو چاہیے کہ وہ متعلم کے شبہات کو بھی دور کرے ۔

۱۵- زکاۃ میں لوگوں کے عمدہ اور قیمتی اموال لینا منع ہیں ۔

۱۶- مظلوم کی بددعا سے بچنا چاہیے ۔

۱۷- مظلوم کی آہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ۔

۱۸- سید المرسلین محمد ﷺ اور اولیاء کرام (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو جن مشقتوں، بھوک اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، یہ سب توحید کے دلائل میں سے ہے ۔

۱۹- آپ ﷺ کا یہ ارشاد " کہ کل میں پرچم ایک ایسے شخص کو دوں گا .... الخ " یہ آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے ۔

۲۰- آپ ﷺ کا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں لعاب ڈالنا (اور ان کا صحت یاب ہو جانا بھی) علامات نبوت میں سے ایک علامت ہے ۔

۲۱- اس حدیث سے علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے ۔

۲۲- اس واقعہ سے صحابہ کرام کی فضیلت و عظمت بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ ساری رات

....

دعوت توحید ہی ہے کیونکہ اسلام کے ارکان میں سے سب سے عظیم رکن " لا إله إلا الله " اور "محمد رسول الله " کی گواہی دینا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ اسلام میں جو اللہ کے حقوق ہیں ان کی بھی دعوت دے ، یعنی اسلام میں توحید ، فرائض اور

یہ سوچتے رہے کہ پرچم کس خوش نصیب کو ملنے والا ہے اور وہ اس خیال میں فتح کی بشارت کو بھی بھول گئے۔

۲۳- اس سے ایمان بالقدر بھی ثابت ہوتا ہے کہ پرچم ایسے شخص کو مل گیا جس نے اس کے لئے کوئی کوشش وخواہش بھی نہیں کی اور کوشش کرنے والے اس کے حصول سے محروم رہے۔

۲۴- آپ ﷺ کا فرمانا ''علی رسلک'' اطمینان سے روانہ ہو جاؤ، اس میں آداب جنگ کی تعلیم کا بیان ہے۔

۲۵- جنگ کرنے سے قبل دعوت اسلام دینا ضروری ہے۔

۲۶- دعوت اسلام ان کو دینا بھی مشروع ہے جن کو پہلے دعوت دی جا چکی ہو اور ان سے جنگ بھی کی جا چکی ہو۔

۲۷- آپ ﷺ کے فرمان کہ ''ان پر جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں وہ انہیں بتانا'' سے معلوم ہوا کہ دعوت وتبلیغ حکمت ودانائی سے پیش کرنی چاہیے۔

۲۸- اسلام لانے کے بعد حقوق اللہ کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔

۲۹- جس کے ہاتھوں کوئی شخص ہدایت پا جائے اس کیلئے بڑا ثواب اور بڑی عظمت ہے۔

۳۰- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فتویٰ پر قسم اٹھانا جائز ہے۔

محرمات سے اجتناب تینوں ناحیوں سے دعوت ہونی چاہیے، اس لئے ضروری ہے کہ اسلام کی طرف دعوت دیتے وقت پہلے اس کی اصل وبنیاد یعنی توحید کی طرف دعوت ہو، شہادتین کے معنی کا بیان ہو پھر واجبات ومحرمات کا بیان، کیونکہ اصولوں کی اصل وبنیاد ہی سب سے مقدم ہے اور وہی سب سے پہلا واجب ہے۔

باب: ۵

توحید کی تفسیر اور کلمہ " لا إله إلا الله " کی گواہی کا مطلب

ارشاد ربانی ہے:

﴿ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴾ (الإسراء : ۵۷)

" یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کے علاوہ) جن کو پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کا تقرب حاصل کرنے کا وسیلہ (ذریعہ) تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون اس کے قریب تر ہو اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خائف رہتے ہیں، بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔"

....

(شهد) "اس نے گواہی دی" یہ لفظ (مختلف) چیزوں کو شامل ہے۔

۱- انسان جس چیز کا اقرار کر رہا ہے اور گواہی دے رہا ہے اس کا (دل) اعتقاد بھی رکھے، اور اعتقاد کو اس وقت تک اعتقاد نہیں کہا جاتا جب تک اس (چیز) کے بارے میں علم اور یقین حاصل نہ ہو جائے ۲- اس کا (زبان سے) ادا کرنا۔

۳- اس کے متعلق دوسروں کو آگاہ کرنا، پس وہ اسے زبان سے ادا کرے گا ایک واجب ہونے کے اعتبار سے، اسی طرح شاہد کو اس وقت تک شاہد نہیں کہا جائیگا جب تک وہ اس گواہی کے متعلق دوسروں کو خبردار نہ کر دے جو وہ گواہی ادا کر رہا ہے۔

چنانچہ " أشهد " "میں گواہی دیتا ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ میں (اس کا) اعتقاد رکھتا ہوں، اس کو زبان سے ادا کرتا ہوں اور (دوسروں کو) اس سے خبردار بھی کرتا ہوں۔ ان تینوں چیزوں کا اکٹھے موجود ہونا (شہادت کے لئے) ضروری ہے۔

اور فرمایا :

﴿ وَإِذْقَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَ قَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۔ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِيْنِ ﴾ (الزخرف : ۲۶،۲۷)

" اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے

••

" لا إله إلا الله " میں حرف " لا " اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی سے استحقاق الوہیت کی جنس کی نفی کرتا ہے اور جب نفی کے بعد " إلا " حرف استثناء آ جائے تو کلام میں حصر کا معنی پیدا ہو جاتے ہیں ، چنانچہ اس کا معنی یہ ہوگا : یہی الوہیت یا معبود برحق ہونا یہ اللہ تعالیٰ ہی میں محصور ہے ، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے .

لفظ " إله " کا معنی معبود ہے اور لائے نفی جنس کی خبر کی تقدیری عبارت " موجود " نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جتنے بھی (باطل) معبودوں کی پرستش کی جاتی ہے وہ بھی موجود ہیں لہذا خبر کی تقدیری عبارت یوں ہوگی " بحق أو حق " اور پھر کلام کا معنی کچھ اس طرح ہوگا :
" لا إله بحق " کہ کوئی معبود برحق نہیں ، چنانچہ تب ہر وہ معبود جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کی جاتی ہے حقیقت میں وہ معبود ہی ہے لیکن وہ معبود باطل ہے یعنی اس کی عبادت ، باطل ، ظلم ، سرکشی اور حد سے تجاوز کرتے ہوئے کی گئی ہے اور یہی وہ مفہوم ہے جسے عربی (جاننے والا) کلمہ " لا إله إلا الله " سنتے ہی سمجھ لیتا ہے .

(و قول الله تعالىٰ : ﴿ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ﴾) اس آیت مبارکہ میں لفظ "یدعون" کا معنی "یعبدون" ہے کہ وہ عبادت کرتے ہیں . (﴿ يَبْتَغُوْنَ إِلىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ ﴾)

وسیلہ : قصد اور حاجت کا نام ہے ، یعنی وہ اپنی ضرورتوں کو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کرتے ہیں ، اس وصف کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ہی خاص کر رکھا ہے ، پس وہ لوگ غیر اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے بلکہ ان کی توجہ کا دارومدار صرف اللہ تعالیٰ پر ہے ، یہاں آیت مبارکہ میں لفظ "ربھم"

(صاف صاف کہہ دیا تھا کہ تم (اللہ تعالیٰ کے سوا) جن کی پرستش کرتے ہو (میرا ان سے کوئی تعلق نہیں) میں ان سے بیزار ہوں، ہاں (میں صرف اسے مانتا ہوں) جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری راہنمائی کریگا۔"

....

یعنی ربوبیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس لئے کہ دعا کو قبول کرنا، اس پر بدلہ دینا یہ ربوبیت کے مفردات سے ہی ہے، پس ظاہر ہوا کہ آیت مبارکہ میں تفسیر توحید کا بیان ہے اور وہ اس طرح کہ تمام حاجات کو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی پورا کروایا جاسکتا ہے، فرمایا:

﴿ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهُ ﴾ "اور وہ اس کی رحمت کی امید کرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔"

یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی کیفیت ہے کہ وہ عبادت میں محبت اور خوف و رجاء کو جمع کرتے ہیں اور یہی توحید کی تفسیر ہے۔

(وقوله : ﴿ وَإِذْقَالَ إِبْرَاهِيْمُ لِأَبِيْهِ وَ قَوْمِهِ إِنَّنِيْ بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ - إِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَإِنَّهُ سَيَهْدِيْنِ﴾)

"اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے (صاف صاف) کہہ دیا تھا کہ تم (اللہ تعالیٰ کے سوا) جن کی پرستش کرتے ہو (میرا ان سے کوئی تعلق نہیں) میں ان سے بیزار ہوں، ہاں (میں صرف اسے مانتا ہوں) جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری راہنمائی کریگا۔"

یہ آیت مبارکہ نفی اور اثبات پر مشتمل ہے اور یہی دلالت کلمہ توحید "لاإله إلا الله" میں موجود ہے، پس (لاإله) "کہ کوئی معبود نہیں" کے مقابلہ میں ﴿إِنَّنِيْ بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴾ "کہ میں جن کی تم پرستش کرتے ہو، ان سے بیزار ہوں" کے لفظ ہیں اور (إلا الله) کے مقابلہ میں ﴿ إِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ﴾ "کہ میں اس کا اقرار کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے" کے لفظ ہیں۔

براءت: بیزاری کا مطلب یہ ہے کہ انسان، اللہ کے سوا جن چیزوں کی پوجا کی جاتی ہے

اورفرمایا : ﴿ اِتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (التوبة : ۳۱)

'' انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور بزرگوں کو رب بنالیا ''

نیز فرمایا :

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ (البقرة : ۱٦۵)

'' اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اس کا) شریک ٹھہراتے ہیں (اور) وہ ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں اور ایمان والے سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں ''

••

ان سے بغض رکھے ، ان کا انکار کرے اور ان سے دشمنی رکھے ، بندے کا اسلام اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک (باطل معبودوں سے بیزاری کی) یہ مقدار اس کے دل میں جگہ نہ پکڑ لے .

(وقوله : ﴿ اِتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾)

'' انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور بزرگوں کو رب بنالیا ''

" أرباب " رب کی جمع ہے جس کا معنی ہے پالنے والا ، لیکن یہاں ربوبیت سے مراد عبادت ہے یعنی انہوں نے اپنے علماء اور بزرگوں کو اپنا معبود بنالیا ہے . ﴿ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ '' اللہ تعالیٰ کے سوا '' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ .

اور یہ اس وجہ سے کہ وہ ان (علماء و بزرگوں) کی اعتقاداً حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے میں اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے اور اطاعت و فرمانبرواری توحید کا حصہ ہے .

(وقوله : ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ﴾) '' اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اس کا) شریک ٹھہراتے ہیں (اور) وہ ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں ''

یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور ان معبودوں سے محبت کرنے میں برابری کرتے ہیں ، وہ اللہ تعالیٰ سے بہت

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

" من قال لاإله إلا الله ، وكفر بما يعبد من د ون الله حرم ماله ود مه ، وحسابه على الله "

" جس شخص نے کلمہ " لا إله إلا الله " کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی

....

زیادہ محبت کرتے ہیں لیکن وہ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے (باطل) معبودوں سے بھی بہت زیادہ محبت کرتے ہیں .

اللہ تعالیٰ اور اس کے (باطل) شریکوں سے محبت کرنے میں یہ مساوات ایک شرکیہ عمل ہے ، اور اسی چیز نے انہیں جہنمی بنا ڈالا ہے ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ شعراء میں جہنمیوں کی پکار کے بارے میں فرمایا :

﴿ تَاللّٰهِ إِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلَا لٍ مُّبِيْنٍ - إِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾

" (وہ کہیں گے) اللہ کی قسم یقیناً ہم تو کھلی گمراہی پر تھے ، جبکہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے "

ثابت ہوا کہ محبت بھی عبادت کی انواع میں سے ایک نوع ہے جب انہوں نے اس نوع اور قسم کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص نہیں کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانے والے بن گئے ، یہی توحید کا معنی ہے اور یہی کلمہ " لا إله إلا الله " کی گواہی دینے کا مطلب ہے .

(وفي الصحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : من قال : لا إله إلا الله ، وكفر بما يعبد من دون الله) .

اس حدیث میں "لا إله إلا الله" کے اقرار کے ساتھ ایک اور قید کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ کلمہ "لا إله إلا الله" کے اقرار کے ساتھ ، اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے ان کا انکار بھی کرنا ہے .

چنانچہ ثابت ہوا کہ کلمہ " لا إلهَ إلا الله "میں (توحید کے اقرار کے ساتھ) اللہ کے سوا جن کی پوجا کی جاتی ہے ان سے کفر اور بیزاری کا معنی بھی موجود ہے .

عبادت کی جاتی ہے ان کا انکار کیا تو اس کا مال اور خون محفوظ ہو گیا اور اس کا حساب وکتاب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔"

نوٹ : آئندہ آنے والے ابواب اسی باب کی تشریح وتوضیح پر مشتمل ہیں۔

اس باب کے مسائل

۱- اس باب میں سب سے اہم مسئلہ توحید اور کلمہ "لا إلہ إلا اللہ" کی تفسیر ہے جسے متعدد امور (آیات واحادیث) سے بیان کیا گیا ہے۔

۲- سورۃ اسراء کی آیت دلائل توحید میں سے ایک ہے جس میں ان تمام مشرکین پر تردید کا بیان ہے جو (مصائب ومشکلات میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر) صالحین اور بزرگوں کو پکارتے ہیں، اس آیت مبارکہ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ عمل (بزرگوں کو پکارنا) شرک اکبر ہے۔

۳- دلائل توحید میں سے ایک دلیل سورۃ براءۃ (التوبۃ) کی آیت ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اہل کتاب نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنا لیا تھا، اس میں یہ وضاحت بھی ہے کہ انہیں صرف ایک معبود (برحق) کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، حالانکہ اس آیت کی تفسیر جس میں کوئی اشکال یا ابہام نہیں وہ یہی ہے کہ وہ (اہل کتاب) اپنے علماء اور درویشوں کو (مشکل وقت میں) پکارتے نہ تھے بلکہ عمل معصیت میں ان کی صرف

....

(حرم ماله ودمه وحسابه على الله)" کہ اس کا خون اور مال محفوظ ہو گیا اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔"

یہ اس وجہ سے کہ جب انسان " لا إله إلا الله " کا اقرار کرتا ہے اور اللہ کے سوا (باطل) معبودوں کا انکار کرتا ہے تو وہ مسلمان بن جاتا ہے اور مسلمان کا مال وخون تین صورتوں کے بغیر حلال

اطاعت کرتے تھے.

۴- اور انہی دلائل توحید میں سے ایک دلیل ابراہیم علیہ السلام کی وہ بات ہے جو انہوں نے کفار سے کہی تھی:

﴿ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ - إِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِي ﴾ ''کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار اور لاتعلق ہوں، (ہاں میں صرف اسے مانتا ہوں) جس نے مجھے پیدا کیا ہے''

انہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے (کفار کے) معبودوں سے اپنے پروردگار کو مستثنیٰ کیا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ معبودان باطلہ سے اس طرح کی براءت و بیزاری اور اللہ تعالیٰ سے موالات ومحبت ہی شہادت ''لا إلہ إلا اللہ'' کی تفسیر ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ ''اور وہ (ابراہیم علیہ السلام) یہی پیغام اپنے پیچھے اپنی قوم میں چھوڑ گئے تاکہ وہ (اس کی طرف) رجوع کریں''.

۵- ان دلائل توحید میں سے ایک سورۃ بقرۃ کی وہ آیت مبارکہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے متعلق بیان فرمائی ہے، فرمایا:

﴿ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا ﴾ ''کہ وہ کفار جہنم سے نکلنے والے نہیں ہیں''

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ وہ اپنے شریکوں سے اللہ تعالیٰ جیسی محبت کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بھی بہت محبت کرتے تھے لیکن ان کی یہ محبت انہیں مشرف بہ اسلام نہ کر سکی.

....

نہیں (جان کے بدلے جان، شادی شدہ زنا کرے اور دین سے مرتد ہونے والا یعنی مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہونے والا).

چنانچہ اب آپ کے لئے ظاہر ہو چکا ہے کہ توحید اور کلمہ ''لا إلہ إلا اللہ'' کی گواہی کی تفسیر آپ سے مزید عنایت، توجہ، غور وفکر اور سوچ وبچار کی طلبگار ہے تاکہ آپ اسے دلیل کے ساتھ سمجھ سکیں.

(ذرا غور کریں اگر یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں) تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر شریکوں سے محبت کرنے والوں ، یا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف شریکوں سے محبت کرنے والوں کا کیا حال ہوگا ؟

٦ - ان دلائل میں سے ایک دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے "کہ جس نے کلمہ " لا إله إلا الله " کا اقرار اور ان معبودان باطلہ کا انکار کیا ، اس کا مال اور خون (جان) محفوظ ہوگیا اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے " آپ ﷺ کا یہ فرمان ان بڑے دلائل میں سے ایک ہے جو کلمہ " لا إله إلا الله " کے معنی ومفہوم کو (صحیح طور پر) واضح کرتا ہیں کہ اس کلمہ کو محض زبان کے ساتھ ادا کر لینے سے مال وجان کو تحفظ نہیں مل جاتا ، بلکہ اس کلمہ کے لفظ ومعنی کو جان لینے محض اس کا اقرار کر لینے اور اللہ وحدہ لا شریک لہ کو محض پکارنے سے بھی مال وجان کا تحفظ نہیں ہوتا جب تک اسکے ساتھ ساتھ معبودان باطلہ کا کفر وانکار نہ کیا جائے .

(یاد رہے کہ ...) اگر کسی نے ان باتوں میں سے کسی میں بھی ذرا سا شک یا توقف کیا تو اس کی جان ومال کو تحفظ حاصل نہ ہو سکے گا ، یہ مسئلہ کس قدر عظمت واہمیت والا ہے ، کس قدر واضح ہے اور مخالفین کے خلاف کتنی بڑی قاطع دلیل ہے .

....

شیخ رحمہ اللہ کا یہ فرمانا : کہ " آئندہ آنے والے ابواب اس باب کی تشریح وتوضیح پر مشتمل ہیں "
درحقیقت یہ پوری کتاب ہی توحید کی تفسیر ، کلمہ " لا إله إلا الله " اور اس کی ضد یعنی شرک کی تفسیر ، توحید کی بنیاد واساس اور شرکیہ الفاظ ، توحید یعنی توحید عبادت کے مستلزمات یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء وصفات کے اقرار اور توحید عبادت جو کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے اقرار کو بھی شامل ہے ، ان سب کے بیان پر مشتمل ہے .

باب : ۶

رفع بلا اور دفع مصائب کے لئے چھلے اور دھاگے وغیرہ پہننا شرک ہے

اس باب میں توحید کا بیان توحید کی ضد یعنی شرک کے بیان سے شروع ہو رہا ہے اور یہ بات معروف ہے کہ کسی بھی چیز کی معرفت وتمیز دو چیزوں سے ہوتی ہے :

۱- اس کی حقیقت وماہیت کے بیان سے . ۲- اس کی ضد (برعکس چیز) کی پہچان سے .

امام رحمہ اللہ توحید کے برعکس اور اسکے منافی چیزوں کا بیان شروع کر رہے ہیں، ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو توحید کی اصل وبنیاد کے برعکس اور الٹ ہیں اور وہ شرک اکبر ہے کہ جب مکلف (عاقل وبالغ) بندہ اس کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ توحید کے اپنے اقرار ودعوے کو ختم کر دیتا ہے تو وہ مشرک شرک اکبر کا مرتکب دین سے خارج ہو جاتا ہے ، اور انہی میں سے بعض دوسری ایسی چیزیں ہیں جو توحید واجب کے کمال کو منافی ہیں اور یہ وہ چیزیں ہیں جو شرک اصغر کی قبیل سے ہیں ، جب بندہ ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ کمال توحید کے منافی عمل کا مرتکب ہوتا ہے ، کیونکہ توحید کا کمال تب ہی حاصل ہوگا جب شرک کی تمام اقسام سے خلاصی اور نجات حاصل کی جائے گی .

شیخ رحمہ اللہ نے شرک کی تفصیل شرک اصغر کی بعض صورتوں کے بیان سے شروع کی ہے جن کا وقوع (عوام میں) بکثرت پایا جاتا ہے ، نیز شیخ رحمہ اللہ نے شرک اصغر کے بیان کو شرک اکبر کے بیان پر اس لئے مقدم کیا ہے تاکہ پہلے چھوٹی چیز کا بیان ہو پھر بڑی چیز کا .

" باب من الشرك " اس جملے میں " من " تبعیضیہ ہے یعنی اس باب میں جس صورت کا ذکر کیا گیا ہے یہ شرک کی قسموں میں سے ایک قسم ہے . " لبس الحلقة والخيط ونحوهما " یعنی چھلا ، دھاگہ وغیرہ پہننا ، اسی طرح موتی ، نگ ، تعویذ ، لوہا اور ہر وہ چیز جو پہنی جاتی ہے یا گھروں

،گاڑیوں اور بچوں کے(گلوں میں) لٹکائی جاتی ہے ،ان میں سے کسی چیز کو پہننا یا لٹکانا کسی بھی اعتقاد کے ساتھ وہ اسی باب میں شامل ہےاور شرکیہ عمل ہے .

اہل عرب چھلہ ،دھاگہ اور ان جیسی دوسری چیزوں یعنی تعویذ وغیرہ کے پہننے میں (مختلف قسم کے)اعتقادر کھتے تھے ،ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جو کوئی بھی ان چیزوں میں سے کسی چیز کو لٹکائے گا تو وہ چیز اس پر اثر انداز ہوگی اور اسے نفع پہنچائے گی یا تو مصیبت واقع ہونے کے بعد رفع ہو جائے گی ، یا پھر ابھی واقع ہونے والی ہے تو اس سے حفاظت مل جائے گی ،جبکہ یہ ایک بہت بڑا (گناہ) ہے ، کیونکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ گھٹیا اور حقیر چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدر (تقدیر) کو بدل دینے والی ہیں .

یہ عمل شرک اصغر کیوں ہے ؟ اس لئے کہ اس (بندے) کا دل اس (چیز) کے ساتھ معلق ہے اور اس نے اسے دفع بلا اور رفع مصیبت کے لئے سبب بنا رکھا ہے ، اس باب (مسئلہ) میں قاعدہ یہ ہے کہ اسباب مؤثرہ (اثر انداز ہونے والے اسباب) کا اثبات سوائے شرعی سبب کے جائز نہیں ،یا پھر واقعی تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہو کہ یہ چیز ظاہرا اثر انداز ہوتی ہے نہ کہ مخفی طور پر ،جیسا کہ ڈاکٹر کی دوا ہے اور اسی طرح بعض اسباب ہیں جن سے ظاہرا فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ آپ آگ سے حرارت اور پانی سے ٹھنڈک حاصل کرتے ہیں ، وغیرہ وغیرہ ،یہ ایسے اسباب ہیں جن کی تاثیر واضح ہے .

(یہ بات یادرکھنی چاہیے !) کہ شرک اصغر کی تمام انواع واقسام ان کے مرتکب کے اعتبار سے کبھی شرک اکبر بھی بن جاتی ہیں ،مثلاً اگر کوئی چھلہ اور دھاگہ پہننے میں یہ اعتقادر کھے کہ یہ (رفع بلا کے لئے) سبب نہیں ہیں بلکہ بذات خوداثر انداز ہوتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اکبر ہے ،کیونکہ اس نے اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسری چیزوں کو بھی تصرف کرنے والا مان لیا ہے ،چناچہ یہ (ثابت ہوا) کہ اس باب (مسئلہ) کا دارومدار اور انحصار دلی تعلق پر ہے .

ارشاد الٰہی ہے :

﴿ قُلْ أَفَرَءَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَٰشِفَٰتُ ضُرِّهِۦٓ أَوْ أَرَادَنِى بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَٰتُ رَحْمَتِهِۦ ۚ قُلْ حَسْبِىَ اللَّهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴾ (الزمر : ۳۸)

"(اے محمد ﷺ !) ان سے کہہ دیجئے ! تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو ، اس ضرر کو ہٹا سکتے ہیں ؟ یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں ؟ آپ کہہ دیجئے مجھے تو اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے ، بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں ."

وقول الله تعالىٰ : ﴿ قُلْ أَفَرَءَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَٰشِفَٰتُ ضُرِّهِۦٓ ﴾ "(اے محمد ﷺ !) ان سے کہہ دیجئے ! تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو ، اس ضرر کو ہٹا سکتے ہیں ؟"

یعنی : (اے پیارے نبی ﷺ !) آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اس بات کا اقرار نہیں کرتے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے پھر تم عبادت کے لئے غیر اللہ کا قصد کیوں کرتے ہو ؟ یہ قرآن مجید کا طریقہ کار ہے کہ وہ مشرکین کے توحید ربوبیت کے اقرار سے انہیں کے انکار توحید الوہیت کی تردید کرتا ہے .

آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "تدعون" دعائے مسئلہ اور دعائے عبادت دونوں کو شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں کے احوال میں سے یہی دو حالتیں ہیں (جن میں وہ اکثر شرک کرتے ہیں) .

اور وہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں اس کی کئی اقسام ہیں :

ان (مشرکوں) میں سے بعض انبیاء و رسل اور صالحین کا قصد کرتے ہیں اور بعض فرشتوں کو

(معبود) بناتے ہیں اور بعض ستاروں کو، بعض درختوں اور پتھروں کو اور کچھ لوگ بتوں اور وثنوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں.

قال تعالیٰ : ﴿ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ ﴾

''اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو، اس ضرر کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟''

اللہ تعالیٰ نے ان تمام (باطل) معبودوں سے ہر قسم کے نفع ونقصان کی نفی کر دی ہے، تو تبعاً یہ بھی باطل ہو گیا کہ ان معبودان باطلہ کے ساتھ کسی بھی طرح کا تعلق رکھا جائے، جن کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی ایسی قدر و منزلت ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرمائیں گے.

علمائے سلف رحمہم اللہ کا یہ طریقہ کار ہے کہ وہ شرک اصغر کا ابطال کرنے کے لئے شرک اکبر والی آیات سے استدلال کرتے ہیں، اس جامع کے ساتھ کہ دونوں شرکوں میں غیر اللہ کے ساتھ تعلق قائم کیا جاتا ہے، چنانچہ جب بڑی چیز میں تعلق باطل ہو گیا تو جو چیز اس سے چھوٹی ہے اس میں بدرجہ اولیٰ تعلق باطل ہو جائے گا، اور اسی طرح وہ معنی جو آیت مبارکہ کا محور ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی کسی کو نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہے، یا اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی تکلیف پہنچا دیں تو اس کے علاوہ کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر اس کو دور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور یہی وہ معنی ہے (کہ نفع و نقصان کی امید پر کسی سے تعلق قائم کرنا) جس کی وجہ سے مشرک آدمی چھلے اور دھاگے سے اپنا تعلق قائم کرتا ہے.

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں پیتل کا چھلہ دیکھا تو فرمایا:

" ما هذه ؟ قال : من الواهنة ، فقال : انزعها ، فإنها لا تزيدك إلا وهنا فإنك لو مت . وهي عليك . ما أفلحت أبدا " (مسند احمد)

" یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ کمزوری (بیماری) کی وجہ سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اتاردو، یہ (تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا بلکہ) تمہاری کمزوری میں مزید اضافہ کردے گا، اس چھلے کو پہنے ہوئے اگر تمہیں موت آگئی تو تم کبھی نجات نہ پاسکو گے."

••

قال: (وعن عمران بن حصين رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم رأى رجلا فى يده حلقة من صفر فقال: ما هذه ؟)

آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ: " ما هذه ؟ " " یہ کیا ہے؟" یہ کلمہ سخت انکار کے لئے تھا.

(قال: من الواهنة) " اس نے کہا یہ واہنہ سے ہے" واہنہ بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے جو جسم کو لاغر کردیتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: (انزعها) " اسے اتاردو" یہ آپ کی طرف سے ایک حکم تھا. جب مامور حکم کی اطاعت کرتا ہو تو پھر اسے ہاتھ سے منع کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ آپ اسے صرف زبان سے حکم دے کر منع کردیں. پھر آپ نے فرمایا: (انزعها فإنها لاتزيدك إلا وهنا) " اسے اتاردو یہ بیماری میں اضافہ تو کرسکتا ہے کمی نہیں " یعنی اگر اس کی کوئی تاثیر ہوتی تو وہ بدنی نقصان پہنچانے کی ہی ہوتی، اور ہاں اسی طرح اس کی تاثیر نفس اور روح کو نقصان پہنچانے کی بھی ہے کہ یہ روح اور نفس کو بیماری کا مقابلہ کرنے میں کمزور کردیتا ہے، اور یہی حال ہر مشرک کا ہے کہ وہ ایک (چھوٹے) نقصان سے دوسرے بڑے نقصان کی طرف گامزن ہوتا ہے، خواہ وہ اسی خیال میں ہو کہ وہ فائدہ حاصل کررہا ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: " فإنك لو مت . وهي عليك . ما أفلحت أبدا " " کہ اگر تو اس کو پہنے ہوئے مرگیا تو کبھی نجات نہیں پاسکے گا" یہاں نجات

مسند احمد میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" من تعلق تميمة فلا أتم الله له ، ومن تعلق ودعة فلا ودع الله له "

" جس شخص نے (بیماری سے تحفظ یا بلا ٹالنے کے لئے) کوئی تعویذ لٹکایا، اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے، اور جس نے سیپی باندھی اللہ اسے بھی آرام نہ دے۔"

کی جونفی کی گئی ہے اس میں مندرجہ ذیل احتمالوں میں سے ایک مراد ہے:

۱- فلاح ونجات سے مراد مطلق نجات ہے جو کہ جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے آزاد ہونے کا نام ہے اور ایسی نجات کی نفی اس شخص کے بارہ میں ہے جو شرک اکبر کا مرتکب ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ پیتل کا چھلہ یا یہ دھاگہ جو باندھا گیا ہے بذات خود (مستقل طور پر) فائدہ پہنچاتا ہے۔

۲- نجات کی جونفی کی گئی ہے اس سے کامل نجات مراد ہے (نجات تو ملے گی لیکن عذاب ملنے کے بعد) اور یہ نفی اس وقت مراد ہوگی جب (چھلہ یا دھاگہ پہنے والا یہ اعتقاد رکھے کہ) یہ چیزیں (بیماری کو دور کرنے) کا ذریعہ وسبب ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو نہ شرعی اور نہ ہی قدری سبب بنایا ہے اور یہ حکم اس شخص کے بارہ میں ہے جو شرک اصغر کا مرتکب ہے۔

(وله عن عقبة بن عامر مرفوعا : من تعلق تميمة فلا أتم الله له)

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: " جس نے تعویذ لٹکایا، اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے۔"

اس حدیث مبارک میں لفظ " تعلق " لٹکانے اور لٹکائی گئی چیز کے ساتھ دل کے معلق ہونے، دونوں کو شامل ہے۔ یعنی اس نے پہنا بھی ہے اور اس کا دل اس پہنے والی چیز کے ساتھ معلق بھی ہے

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: (من تعلق تميمة فلا أتم الله له)

" جس نے تعویذ لٹکایا، اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے۔"

تميمة : نام ہے موتیوں اور نگینوں کی ایک قسم اور کچھ دوسری اشیاء کا جنہیں نظر بد،

ابن ابی حاتم کی کتاب میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں بخار کے سبب دھاگہ بندھا ہوا دیکھا تو انہوں نے اسے کاٹ ڈالا اور یہ آیت تلاوت فرمائی :

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴾ (يوسف : ١٠٦)

"اوران میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باوجود بھی مشرک ہیں"۔

اس باب کے مسائل

١- (رفع بلاء اور دفع مصائب کی نیت سے) چھلا ، دھاگہ اور ڈورا وغیرہ باندھنا سخت منع ہے۔

••

مصیبت اور حسد وغیرہ سے بچنے کے لئے سینے پر باندھا جاتا ہے۔

یہاں آپ ﷺ نے ایسے شخص (جو تعویذ باندھتا یا لٹکاتا ہے) کے بارہ میں بددعا فرمائی ہے " فلا أتم الله له " کہ اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے۔کیونکہ (تعویذ) کو تمیمہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ تعویذ لٹکانے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ تعویذ اس کی مراد کو پورا کردے گا ، چنانچہ آپ نے بددعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے۔

فرمایا :۔(ومن تعلق ودعة) "اور جس نے سیپی کو باندھا"

ودعة : یہ ایک قسم کی سیپی ہے جسے نظر بد وغیرہ سے بچنے کے لئے لوگوں کے سینے یا بازو پر باندھا جاتا ہے۔

(فلا ودع الله له) یعنی اللہ تعالیٰ بھی اسے سکون ، چین اور راحت نہ دے ، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہے۔

(قال : ولا بن حاتم عن حذيفة رضى الله عنه أنه رأى رجلا فى يده خيط من الحمى)۔

۲- اگر صحابی بھی اسی حالت (چھلا یا دھاگہ پہنے ہوئے) میں مرجائے تو وہ بھی فلاح نہیں پا سکتا. اس میں دلیل ہے صحابہ کرام کی اس بات کے لئے کہ شرک اصغر کبیرہ گناہوں سے بڑا گناہ ہے.

۳- جہالت کے سبب بھی ان چیزوں کے مرتکب کو معذور نہیں سمجھا جائیگا.

۴- یہ چیزیں دنیا میں بھی مفید نہیں بلکہ مضر اور نقصان دہ ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: " لا تزيدك إلا وهنا " " یہ تیری بیماری کو بڑھانے کے سوا کچھ نہ کریگا.

۵- ایسی چیزوں کے استعمال کرنے والے کو سختی سے روکنا چاہیے.

۶- اس بات کی وضاحت معلوم ہوئی کہ جس نے کوئی چیز لٹکائی، اسے اسی چیز کے سپرد کر دیا جاتا ہے.

۷- اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس نے کوئی تعویذ لٹکایا تو اس نے شرک کا ارتکاب کیا.

۸- بخار کی وجہ سے دھاگہ وغیرہ باندھنا بھی شرک ہے.

۹- حذیفہ رضی اللہ عنہ کا آیت ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴾ کی تلاوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرک اکبر والی آیات سے شرک اصغر

ابن ابی حاتم کی کتاب میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں بخار کے سبب دھاگہ بندھا دیکھا.

(من الحمی) میں موجود "من" تعلیلیہ ہے (یعنی علت بتانے کے لئے ہے) کہ اس نے دھاگہ بخار کو رفع یا دفع کرنے کے لئے باندھا ہوا تھا.

(فقطعه) " تو انہوں نے اسے کاٹ دیا " اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک بہت بڑی برائی اور گناہ کا کام ہے کہ اس سے منع کرنا اور اسے کاٹنا واجب ہے.

پر استدلال کیا کرتے تھے ، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول سورۃ بقرۃ کی آیت کی تفسیر میں موجود ہے .

۱۰- نظر بد سے بچاؤ کے لئے سیپی باندھنا بھی شرک ہے .

۱۱- (رفع بلاء اور دفع مصیبت کے لئے) تعویذ لٹکانے والے اور سیپ وغیرہ باندھنے والے پر بددعا کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور اسے آرام نہ دے .

••

سلف رحمہم اللہ ، اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴾ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب توحید ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی پالنے والا ، روزی دینے والا ، زندگی عطا کرنے والا اور وہی موت دینے والا ہے ﴿ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ توحید عبادت میں اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں ، (یاد رکھنا چاہیے !) کہ صرف توحید ربوبیت کا اقرار نجات کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ عبادت میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے .

یہ آیت مبارکہ شرک اکبر کی دلیل ہے ، مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرک اکبر والی آیات سے شرک اصغر پر استدلال کیا کرتے تھے .

باب : ۷

دموں اور تعویذوں کا بیان

یہ باب جھاڑ پھونک (دموں) کے حکم کو بیان کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔

رقی : یہ رقیہ کی جمع ہے ، رقیہ کی حقیقت یہ ہے کہ : یہ چند دعاؤں اور الفاظ کا نام ہے جنہیں پڑھا یا تلاوت کیا جاتا ہے ، پھر ان کے ذریعے پھونکا جاتا ہے۔

ان دموں میں سے بعض بدن میں اعضاء پر اثر انداز ہوتے ہیں اور بعض روحوں پر ، اور ان میں سے بعض شرعی طور پر جائز ہیں اور بعض شرکیہ عمل ہیں۔

شریعت نے ان دموں کے کرنے میں اجازت دی ہے جو شرک سے پاک صاف ہیں ، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

" لا بأس بالرقى مالم تكن شركا " " ایسے دموں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں جو شرکیہ نہ ہوں "

شرکیہ دم وہ ہیں جس میں غیر اللہ سے پناہ طلب کی جائے اور اس سے فریاد رسی کی جائے ، یا اس میں شیطانی ناموں کا دخل ہو ، یا دم کیا جانے والا یہ اعتقاد رکھے کہ یہ دم بذات خود تاثیر رکھتا ہے تو ایسا دم ناجائز ہے ، اور وہ شرکیہ دم ہوگا۔

تمائم : تمیمہ کی جمع ہے ، جس کی تفسیر پیچھے بیان ہو چکی ہے اور اس سے مراد :

ہر وہ چیز جسے گلے میں لٹکایا جاتا ہو خواہ وہ چمڑا ہو ، یا موتی نگینے ہوں یا اذکار (وظائف) یا تعوذات (ایسے کلمے جن کے ذریعے غیر اللہ کی پناہ طلب کی گئی ہو) ہوں ، یا کوئی خاص ہیئت ہو جیسے ریچھ کا سر ہو یا ہرن کا ، یا گھوڑے کی نعل کا نمونہ ہو ، یا سیاہ رنگ کے چیتھڑے ہوں ، یا آنکھ کی شکل میں کسی چیز کو لٹکایا گیا ہو ، یا کسی خاص شکل کی تسبیح ہو ، یہ سب چیزیں تمائم یعنی تعویذ کہلاتی ہیں ،

ابوبشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

" أنه كان مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعض أسفاره ، فأرسل رسولا أن لا يبقين في رقبة بعير قلادة من وتر أو قلادة إلا قطعت "

(بخاری ومسلم)

" وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے ، آپ ﷺ نے ایک قاصد کو (اعلان کرنے کے لئے) بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت وغیرہ سے لٹکائی چیز (نظر بد سے بچانے کے لئے) نہ رہنے دی جائے ، اگر ہو تو کاٹ دی جائے ۔ "

••

ان سب چیزوں کے درمیان قدر مشترک یہ ہے کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے بھلائی کی تکمیل یا مصیبت وتکلیف وغیرہ کو دفع کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جو شرعاً اور قدراً جائز بھی نہیں ۔

لوگوں میں سے بعض کا یہ کہنا ہے کہ : میں یہ چیز لٹکاتا ہوں مگر یہ مقاصد میرے پیش نظر نہیں ہوتے ، (مثلاً) میں یہ چیز گاڑی میں زینت کے لئے لٹکاتا ہوں ، یا گھر میں خوبصورتی اور حسن کے لئے ، وغیرہ ۔ یہ مقولہ کہنے والے لوگ بہت تھوڑے ہیں ۔

تو ہم کہیں گے کہ دفع بلاء اور رفع مصیبت کے لئے تعویذ لٹکانا شرک اصغر ہوگا اگر لٹکانے والا یہ اعتقاد رکھے کہ یہ چیز (فلاں مقصد کے لئے) سبب اور ذریعہ ہے ۔

اور اگر اس نے اسے زیب وزینت کے لئے لٹکایا ہے تو بھی ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ ایسا کرنے سے شرک اصغر کے مرتکبین کی مشابہت لازم آتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے :

" من تشبه بقوم فهو منهم " " جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے " آپ ﷺ نے (اونٹ وغیرہ کے گلے سے) تانت کو کاٹنے کا حکم اس لئے فرمایا تھا کہ عرب یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ تانت اونٹ اور گائے وغیرہ کو نظر بد سے محفوظ رکھتی ہے ، اور یہ اعتقاد شرکیہ اعتقاد ہے ۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "إن الرقیٰ والتمائم والتولة شرك" (مسند احمد وابوداود)

"(نظر بد وغیرہ سے بچنے کے لئے) جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور (محبت کے لئے کیے جانے والے اعمال) جادو سب شرک ہیں"

....

(وعن ابن مسعود رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن الرقیٰ والتمائم والتولة شرك).

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "(نظر بد وغیرہ سے بچنے کے لئے) جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور (محبت کے لئے کیے جانے والے اعمال) جادو سب شرک ہیں".

اس حدیث میں بڑی تاکید بیان کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ہر قسم کے جھاڑ پھونک (دم)، تمام اقسام کے تعویذات اور ہمہ قسم کے جادو شرک ہیں. لیکن اس عموم سے صرف (بعض) دموں کی نص کے ذریعے تخصیص کی گئی ہے اور وہ تخصیص آپ ﷺ کے اس فرمان کے ساتھ ہے "لا بأس بالرقى مالم تكن شركا" "ایسے دموں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں جو شرکیہ نہ ہوں" اور اس وجہ سے بھی کہ نبی اکرم ﷺ نے بذات خود دم کیا بھی ہے اور آپ کو دم کیا بھی گیا ہے لہذا یہ دلیل اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ دموں کی تمام اقسام شرک نہیں ہیں بلکہ بعض انواع شرک ہیں جو شرک (شرکیہ کلمات یا چیزوں) پر مشتمل ہیں، جبکہ تمائم (تعویذات) کی کوئی تخصیص موجود نہیں لھذا تعویذات کی تمام اقسام شرک ہیں، اور "تولۃ" جس کی تفسیر شیخ رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ: وہ ایک ایسی چیز ہے جسے یہ سمجھ کر تیار کرتے تھے کہ یہ چیز عورت کو اس کے خاوند کی جانب اور خاوند کو اس کی بیوی کی جانب محبوب اور پسندیدہ بنا دیتی ہے (ان کے اعتقاد کے مطابق) یہ جادو کی ایک قسم ہے، عوام میں اسے صرف دعطف کے نام سے جانا جاتا ہے، درحقیقت یہ تعویذات کی ہی ایک قسم ہے

عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" من تعلق شيئا وكل إليه " (مسند احمد ، سنن ترمذی)

"جس شخص نے کوئی چیز لٹکائی تو اسے اسی کے سپرد کر دیا جائے گا"۔

التمائم: یہ تمیمہ کی جمع ہے، اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو نظر بد سے تحفظ کیلئے بچوں کے گلے میں لٹکائی یا باندھی جاتی ہے، جبکہ قرآنی تعویذات کو بعض سلف نے جائز اور بعض نے ناجائز قرار دیا ہے، ناجائز قرار دینے والوں میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جسے تیار کیا جاتا ہے اور جادوگر اس میں شرکیہ دم پڑھتا ہے تو پھر ان کے زعم میں یہ عمل خاوند و بیوی کے مابین محبت و الفت کا باعث بنتا ہے، یہ (عمل) جادو کی قسموں میں سے ایک قسم ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک ہے۔

(عن عبد الله بن عكيم مرفوعا : " من تعلق شيئا وكل إليه ") "جس شخص نے کوئی چیز لٹکائی تو اسے اسی کے سپرد کر دیا جائے گا"۔

یہاں لفظ "شیئا" نکرہ سیاق شرط میں مذکور ہے لہذا یہ تمام چیزوں کو شامل ہے چنانچہ جس نے بھی کوئی چیز لٹکائی وہ اسی کے سپرد ہوگا، جو کوئی لٹکانے کے اس عموم سے کسی صورت کو مستثنیٰ کرتا ہے تو اس کے ذمہ دلیل کو ذکر کرنا لازم ہے کیونکہ یہ دلیل عام ہے (جو تمام لٹکائی جانے والی چیزوں کو شامل ہے) اور جب انسان کو غیر اللہ کے سپرد کر دیا جائے تو خسارہ و نقصان اس کو تمام اطراف سے گھیر لیتا ہے، اس کی عزت، فلاح و نجات اور قصد و عمل کی اچھائی تب ہی متحقق اور ثابت ہو سکتی ہے جب وہ اپنے افعال و اقوال، اپنے مستقبل اور اپنے آپ سے نقصان دہ چیزوں کو دور کرنے میں ایک اللہ وحدہ لا شریک لہ کے ساتھ تعلق قائم کریگا، چنانچہ اس کی انسیت و خوشی، اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو اس کے معاملات کی سپردگی اسی کی جانب ہو۔ اس کا بھروسہ و اعتماد اسی ذات پر ہو، اگر کوئی انسان

الرقی : یہ رقیہ کی جمع ہے جس کا معنی جھاڑ پھونک اور دم کرنا ہے اور انہیں ''العزائم'' بھی کہا جاتا ہے (یہ بھی ممنوع اور شرکیہ عمل ہے لیکن) دلائل سے یہ ثابت ہے کہ ایسا دم جو شرکیہ کلمات پر مشتمل نہ ہو اس کی اجازت ہے خود رسول اللہ ﷺ نے نظر بد اور زہریلے جانور کے کاٹنے پر دم کرنے کی اجازت اور رخصت دکی ہے.

التولة : یہ ایک ایسا عمل ہے جسکے ذریعے ان کے خیال میں خاوند اور بیوی کے درمیان محبت والفت پیدا ہوتی ہے.

....

ایسا بن جائے ، اللہ پر توکل کرے اور مخلوق کو اپنے دل سے باہر پھینک دے تو پھر اگر آسمان وزمین بھی اس کی راہ میں حائل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ان کے درمیان سے بھی راہ نکال دے گا کیونکہ اس نے ایسی ذات پر توکل کیا ہے اور اپنے معاملے کو ایسی عظیم ہستی کے سپرد کیا ہے جو بڑی بزرگی والی ہے اور جس کے نام بڑے ہی پاکیزہ ومقدس ہیں.

(التمائم شيء يعلق على الأولاد يتقون به العين)'' تعویذ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بچوں کے گلے میں نظر بد سے بچنے کے لئے لٹکائی جاتی ہے.

(مصنف علیہ الرحمہ نے) لفظ '' شیء'' استعمال کیا ہے تاکہ وہ ہر اس چیز کو بغیر کسی خاص وصف کے شامل ہو جسے نظر بد اور نقصان سے بچنے کے لئے یا خیر حاصل کرنے کے لئے لٹکایا جائے.

(لكن إذا كان المعلق من القرآن فرخص فيه بعض السلف)'' لیکن اگر تعویذ قرآنی ہو تو سلف میں سے بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے''

درحقیقت دلیل تو اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کہ تعویذ کی تمام اقسام ممنوع ہیں ، لیکن جب تعویذ قرآنی ہو تو یہ شرک نہیں کیونکہ لٹکانے والے نے اللہ تعالیٰ کی صفات (کلام) میں سے کچھ حصے کو لٹکایا ہے گویا کہ اس نے مصیبت کو دور کرنے کے لئے مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں بنایا.

رویفع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" یا رویفع لعل الحیاة تطول بک ، فأخبر الناس أن من عقد لحیته أو تقلد وترا ، أو استنجی برجیع دا بة ، أو عظم فإن محمدا بریء منه " (مسند احمد)

" اے رویفع رضی اللہ عنہ شاید تم مدت تک زندہ رہو لھذا لوگوں کو بتا دینا کہ جو شخص داڑھی کو گرہ لگائے ، یا تانت گلے میں ڈالے ، یا چوپائے کے گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرے تو محمد ﷺ اس سے بیزار اور لاتعلق ہیں " .

(روی احمد عن رویفع قال : قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : یا رویفع لعل الحیاة تطول بک ، فأخبر الناس أن من عقد لحیته أو تقلد وترا ، أو استنجی برجیع دا بة ، أو عظم فإن محمدا بریء منه)

امام احمد رحمہ اللہ نے رویفع رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " اے رویفع رضی اللہ عنہ شاید تم مدت تک زندہ رہو لھذا لوگوں کو بتا دینا کہ جو شخص داڑھی کو گرہ لگائے ، یا تانت گلے میں ڈالے یا چوپائے کے گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرے تو محمد ﷺ اس سے بیزار اور لاتعلق ہیں " .

آپ ﷺ کے فرمان : " تقلد وترا " تانت کو گلے میں ڈالنے کی قید کا یہاں ایک مفہوم ہے وہ یہ کہ مطلق طور پر پٹہ وغیرہ ڈالنا ممنوع نہیں ہے بلکہ ایسا پٹہ ڈالنا ممنوع ہے جس کے بارہ میں یہ اعتقاد ہو کہ یہ نظر بد سے بچانے والا ہے جیسا کہ تانت کے بارہ میں (ان کا) خیال تھا .

(فإن محمدا بریء منه) " کہ محمد ﷺ اس (ایسا عمل کرنے والے) سے بیزار ہیں " .

یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ یہ عمل کبیرہ گناہ ہے اور بہت بڑی معصیت ہے اور شرک اصغر بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے جیسے شرک اکبر کبیرہ گناہوں میں سے ہے .

(عن سعید بن جبیر قال : من قطع تمیمة من إنسان کان کعدل رقبة) یعنی :

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ :

" من قطع تميمة من انسان كان كعدل رقبة " (رواه وكيع)

" جو شخص کسی کے گلے سے تعویذ کو کاٹ ڈالے تو اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا "

اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ :

" كانوا يكرهون التمائم كلها من القرآن وغير القرآن " (رواه وكيع)

" وہ سب قرآنی اور غیر قرآنی ہر قسم کے تعویذات کو ناپسند گردانتے تھے "۔

اس باب کے مسائل

۱- رقیہ اور تمیمہ کی تفسیر۔

۲- تولہ کی تفسیر۔

۳- نظر بد اور زہریلے جانور کے کاٹنے پر سچی کلام سے دم کرنا ممنوع اور شرک نہیں ہے

۴- قرآنی تعویذ کے بارے میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے کہ یہ شرک ہے یا نہیں۔

۶- نظر بد سے بچنے کے لئے جانوروں کے گلے میں تانت باندھنا شرک ہے۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ :

" جو شخص کسی کے گلے سے تعویذ کو کاٹ ڈالے تو یہ (عمل) ایک گردن کے برابر ہے " یعنی ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔

اس اثر میں تعویذات کو کاٹنے کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے، اور شرک اصغر وعید کے اعتبار سے اپنے مرتکب کو جہنم میں داخل کرنے کا باعث ہے لھذا جو کوئی

۷- اس باب میں تانت باندھنے والوں کے بارہ میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

....

بھی تعویذ لٹکائے گا تو وہ اپنے اس فعل کی وجہ سے جہنم کی وعید کا مستحق ٹھہرے گا، پس جس کسی نے کسی تعویذ والے کی گردن سے اسے کاٹ ڈالا تو اس کا یہ کاٹنا اس کی گردن کو جہنم سے آزاد کرنے کے برابر ہے کیونکہ اس نے اس سے ایسے فعل کو زائل کردیا ہے جو جہنم میں لے جانے کا باعث تھا تو اللہ تعالیٰ اسے (کاٹنے والے کو) گردن آزاد کرنے والے کے برابر ثواب عطا کردیا کیونکہ جزاء وبدلہ جنس عمل سے ہی ہوتا ہے۔

(ولہ) سے مراد وکیع رحمہ اللہ ہیں (عن ابراهیم) ابراہیم سے مراد ابراہیم نخعی رحمہ اللہ ہیں جو کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، انہوں نے کہا کہ:

(کانوا) وہ یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھی (یكرهون التمائم كلها من القرآن وغير القرآن) وہ سبھی قرآنی وغیر قرآنی تعویذوں کو ناپسند گردانتے تھے۔

باب: ۸

کسی درخت یا پتھر وغیرہ کو متبرک سمجھنے کا بیان

اس باب کا معنی یہ ہے کہ ایسے شخص کا کیا حکم ہے جو کسی درخت یا پتھر وغیرہ سے تبرک حاصل کرتا ہے؟

جواب: ایسا کرنے والا مشرک ہے.

التبرك: تبرک کا معنی برکت کو طلب کرنا ہے یعنی خیر کثیر، اس کے دوام اور لزوم کو طلب کرنا.

قرآن وسنت کی نصوص اس بات پر دلالت کرتو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو برکت دینے والی ہے، مخلوق میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی کو برکت عنایت کرسکے.

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهٖ ﴾ (الفرقان: ۱)

''بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن پاک نازل فرمایا''

یعنی اس کی خیر و بھلائی بہت عظیم، بہت زیادہ، ہمیشہ اور ثابت رہنے والی ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن پاک نازل فرمایا ہے.

نیز فرمایا:

﴿ وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى إِسْحٰقَ ﴾ (الصافات: ۱۱۳)

''اور ہم نے ابرہیم واسحاق (علیہما السلام) پر برکتیں نازل فرمائیں''.

نیز فرمایا:

﴿ وَجَعَلَنِىْ مُبَارَكًا ﴾ (مریم: ۳۱)

''اور اس نے مجھے بابرکت بنایا''

چنانچہ جو ذات برکت نازل کرتی ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بابرکت ذات ہے ،لھذا مخلوق کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایسے کلمات استعمال کرے کہ : '' میں نے چیز پر برکت ڈالی '' یا '' میں نے تمہارے کام کو بابرکت کیا '' یا '' تمہارا آنا بابرکت ہوا '' کیونکہ لفظ برکت اور اس کا معنیٰ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور اس لئے بھی کہ خیر و برکت ، اس کی کثرت ، اس کی ہمیشگی اور اس کا ثابت رہنا یہ صرف اسی ذات کی طرف سے ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا کنٹرول ہے ۔

کتاب وسنت کی نصوص یہ بتلاتی ہیں کہ وہ اشیاء جنہیں اللہ تعالیٰ نے برکت عطا کی ہے وہ چیزیں زمان ومکان ہیں یا بنو آدم ہیں۔

پہلی قسم : مکان وزمان : اللہ تعالیٰ نے بعض جگہوں کو برکت عطا کی ہے جیسا کہ بیت اللہ الحرام اور بیت المقدس کے گردونواح ہیں وغیرہ ، تو مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان جگہوں میں خیر کثیر رکھی ہے جو کہ انہی جگہوں کے ساتھ خاص اور مستقل ہے تا کہ یہاں کے رہنے والے جنہیں ان کی طرف دعوت دی گئی ہے ان کے لئے رغبت اور ابھارنے کا باعث ہو کہ وہ ان جگہوں کو لازم پکڑیں ، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس زمین کو یا اس کی دیواروں کو چھو کر تبرک حاصل کیا جائے بلکہ یہ برکت لازمی ہے جو بذات خود منتقل نہیں ہوتی ، یعنی : اگر آپ اس زمین کو مس کریں یا آپ کو اس میں دفن کردیا جائے یا آپ اس کے ساتھ برکت حاصل کریں تو بذات خود یہ برکت منتقل نہ ہوگی ۔ بلکہ یہ زمین بابرکت ہے معنوی اعتبار سے ، دلوں کے ان کے ساتھ تعلق کے اعتبار سے جیسا کہ بیت اللہ شریف ہے ، کثرت خیر اس شخص کے لئے ہے جو اس بابرکت جگہ کا قصد کرتا ہے یہاں آتا ہے ، اس بابرکت گھر کا طواف کرتا ہے اور اس کے پاس (اللہ تعالیٰ کی) عبادت کرتا ہے ، حتی کہ حجر اسود بھی ایک بابرکت پتھر ہے لیکن اس کی برکت بھی عبادت کی وجہ سے ہے یعنی جو کوئی عبادت کی نیت سے آپ ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اس کا استلام کرتا ہے کہ آپ نے اس کا استلام کیا ہے اور

اسے بوسہ دیتا ہے (کہ آپ نے اسے بوسہ دیا ہے۔) تو اسے ایسا کرنے سے آپ کی اتباع کرنے کی برکت حاصل ہوگی، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقولہ مشہور ہے کہ جب انہوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا تھا تو فرمایا:

" إني لأعلم أنك حجر لا تنفع ولا تضر " "میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے اور نہ کسی کو نقصان۔

" لاتنفع ولا تضر " کا معنی یہ ہے کہ تو کسی کے لئے نفع کا کچھ حصہ بھی منتقل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ کسی سے کچھ نقصان دور کر سکتا ہے۔

اور باقی رہا معاملہ زمانے کا، تو زمانے کے بابرکت ہونے کا معنی یہ ہے (جیسا کہ رمضان المبارک کا مہینہ اور بعض دوسرے فضیلت والے ایام ہیں) کہ جو کوئی ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے جو ان اوقات میں خیر و بھلائی کا قصد کرے تو اسے اس قدر کثرت سے ثواب حاصل ہوگا کہ جس کا حصول دوسرے اوقات میں ناممکن ہے۔

دوسری قسم: برکت کی دوسری قسم وہ ہے جو بنی آدم سے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی برکت جو انبیاء کرام و رسل علیہم السلام کو عطا کی ہے وہ ذاتی برکت ہے، ذاتی برکت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اجسام بابرکت ہیں اگر ان کی قوموں سے کوئی ایک ان کے مبارک جسم پر ہاتھ پھیر کر یا ان کا مبارک پسینہ لے کر، یا ان کے کچھ بال لے کر برکت حاصل کرنا چاہے تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اجسام کو بابرکت بنایا ہے اور ان (انبیاء کرام) میں سے سب سے افضل محمد ﷺ ہیں، آپ کا جسم اطہر بھی بابرکت ہے، اسی لئے حدیث پاک میں یہ موجود ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم آپ کے پسینہ اور بال مبارک سے برکت حاصل کیا کرتے تھے اور اسی طرح دوسری مختلف چیزوں میں، پس ان کی برکت ذاتی برکت ہے لہٰذا ان کی برکت کے آثار، ان

کا فضل اور ان کی خیر و بھلائی کا ان کے جسموں سے دوسروں کی طرف منتقل ہونا ممکن ہے۔ یہ صرف انبیاء ورسل علیہم السلام کے ساتھ ہی خاص ہے جبکہ دوسرے لوگوں کے بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کے ساتھیوں کو ذاتی برکت عطا کی ہو حتی کہ اس امت کے بہترین افراد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو بھی یہ چیز حاصل نہ تھی۔

یہ بات قطعی تواتر سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور مخضرمین (یعنی وہ لوگ جنہوں نے عہد رسالت میں اسلام قبول کیا لیکن ایمان کی حالت میں آپ ﷺ کی زیارت سے سرفراز نہ ہوسکے) رحمہم اللہ ابوبکر وعمر وعثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے تبرک حاصل نہ کرتے تھے جیسا کہ وہ نبی اکرم ﷺ، آپ کے بالوں اور آپ کے وضوء کے پانی سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ ان جیسے (نیک) لوگوں کی برکت تو صرف عمل کی برکت ہوتی ہے ذاتی برکت نہیں کہ وہ دوسروں کی طرف منتقل ہو جائے جیسا کہ آپ ﷺ کی برکت تھی۔

چنانچہ ہم کہیں گے کہ ہر مسلمان صاحب برکت ہے لیکن اس کی برکت ذاتی نہیں بلکہ وہ عملی برکت ہے، اس کے پاس جو اسلام اور ایمان کی دولت ہے یہ اس کی برکت ہے، اس کے دل میں جو تقویٰ، اللہ تعالیٰ کی تعظیم، اس کا اجلال اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے یہ اس کی برکت ہے، لهذا یہ علم یا عمل یا درستگی کی برکت ہے جو منتقل ہونے والی نہیں ہے۔

ہاں اہل صلاح سے تبرک حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی درستگی میں ان کی اقتداء کی جائے اور اہل علم سے تبرک حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے علم حاصل کیا جائے اور ان کے علوم سے استفادہ کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ ان سے اس معنی میں تبرک حاصل کرنا قطعاً جائز نہیں کہ ان کے جسموں پر ہاتھ پھیرا جائے، یا ان کے لعاب دہن سے برکت حاصل کی جائے کیونکہ اس امت کی بہترین جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے نبی رسول اکرم ﷺ کے بعد اس امت کے

بہترین افراد ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایسا نہیں کیا ، اور یہ قطعی ویقینی بات ہے . مشرکوں کے تبرک حاصل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے (باطل) معبودوں کا قصد کر کے مختلف تبرکات کے ذریعے خیر کثیر ، اس کے دوام واستمرار اور اس کے ثابت رہنے کی امید کرتے ہیں اور ان کے تمام تبرکات شرکیہ ہیں .

مصنف رحمہ اللہ کے فرمان : '' ونحوھا '' کا مطلب ہے کہ درخت اور پتھر کی طرح کی دوسری چیزوں سے تبرک حاصل کرنا ، جیسے مختلف جگہیں ہیں (جن سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے) یا کوئی معین غار ہے ، یا قبر ہے ، یا پانی کا چشمہ ہے اور اسی طرح کی دوسری چیزیں جن کے بارے میں جاہل لوگ مختلف اعتقادات رکھتے ہیں .

درخت ، پتھر ، قبر یا مختلف جگہوں سے تبرک حاصل کرنا اس وقت شرک اکبر بن جاتا ہے جب ان چیزوں سے تبرک حاصل کرنے والا یہ اعتقاد رکھے کہ یہ درخت ، پتھر ، یا قبر اگر اسے چھوا جائے یا اس کے اوپر لیٹا جائے ، یا اس کے ساتھ چمٹا جائے تو یہ چیز اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں واسطے اور وسیلے کا کام دے گی ، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسری چیز کو اِلٰہ بنانا ہے جو کہ شرک اکبر ہے .

اہل جاہلیت کا یہی اعتقاد ہوا کرتا تھا ، ان درختوں اور پتھروں کے بارے میں جن کی وہ پوجا کیا کرتے تھے اور ان قبروں کے بارے میں جن سے وہ تبرک حاصل کرتے تھے . وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اگر وہ ان (قبروں) کے پاس چمٹ کر بیٹھیں یا ان پر ہاتھ پھیرا کریں ، یا ان پر مٹی ڈالیں تو یہ جگہ یا صاحب جگہ یا روحانیت (وہ روح جو اس جگہ کی خادم ہے) ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں واسطے کا کام دے گی ، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ (الزمر : ۳)

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ﴾ (النجم : ۱۹ ، ۲۰)

" کیا تم نے (کبھی) لات وعزیٰ اور تیسری دیوی منات کے بارے میں بھی غور کیا ہے "

" اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور وہ کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی **کرادیں** "

اور تبرک حاصل کرنا اس وقت شرک اصغر ہو جاتا ہے جب مثال کے طور پر کوئی قبر کی مٹی کو اپنے **اوپر** اس اعتقاد اور نظریے سے ڈالے کہ یہ مٹی بابرکت ہے جب یہ مٹی اس کے جسم کو لگے گی تو **اس** کا جسم بھی اس مٹی کی **وجہ** سے بابرکت ہو جائیگا ، یہ عمل شرک اصغر ہے ، کیونکہ اس نے یہاں غیراللہ کی عبادت نہیں کی ، بلکہ اس نے ایسی چیز کو سبب جانا ہے جس کو شرع نے سبب بنانے کی اجازت نہیں دی

(و قول اللہ تعالیٰ : ﴿ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ﴾)

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

" کیا تم نے (کبھی) لات وعزیٰ اور تیسری دیوی منات کے بارے میں بھی غور کیا ہے "

اللات : یہ اہل طائف کے ہاں (ایک بت تھا جو) ایک سفید رنگ کی چٹان تھی ، جسے قبیلہ ثقیف کے مسلمان ہونے کے بعد منہدم کر دیا گیا تھا ، رسول اللہ ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا تو انہوں نے اسے گرا دیا تھا ، اس کے اوپر ایک گھر بھی تھا جس کے دربان اور مجاور بھی تھے ۔

العزیٰ : یہ ایک درخت تھا جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع تھا اصل میں یہ ایک درخت ہی تھا پھر وہاں کیکر کے تین درختوں پر ایک عمارت بنائی گئی اور اس عمارت کے دربان و مجاور بھی تھے ، ایک کاہنہ عورت تھی جو (لوگوں سے) اس شرک کے کروانے میں معاون و مددگار تھی ۔

جب نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو آپ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کی جانب روانہ

ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

" خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى حنين ، ونحن حدثاء عهد بكفر ، وللمشركين سدرة يعكفون عندها ، وينوطون بها أسلحتهم يقال لها : ذات أنواط ، فمررنا بسدرة ، فقلنا : يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ! اجعل لنا ذات أنواط كما لهم ذات أنواط ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : الله أكبر ! إنها السنن ، قلتم ـ والذي نفسي بيده ـ كما قالت بنو إسرائيل لموسىٰ : ﴿ اجعل لنا إلٰها كما لهم آلهة قال إنكم قوم تجهلون ﴾ لتركبن سنن من كان قبلكم " (سنن ترمذی)

" غزوہ حنین کے موقعہ پر ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جا رہے تھے اور ہم ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ، مشرکین کی ایک بیری تھی وہ (عظمت و برکت کے خیال سے) اس کے پاس اعتکاف کرتے تھے اور (برکت کے لئے) اپنے ہتھیار بھی اس پر لٹکایا کرتے تھے ،

••

کیا تو انہوں نے تینوں درختوں کو کاٹ پھینکا اور اس عورت کو قتل کر دیا جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے جنوں کو حاضر کرتی تھی ، در اصل لوگ اس درخت اور اس عورت سے جو شرک کرواتی تھی دونوں سے متاثر تھے .

﴿ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ﴾ " الأخریٰ " کا معنی ہے پرلے درجے کی گری پڑی چیز یعنی انتہائی حقیر ، یہ منات بھی ایک چٹان تھی اور اسے منات اسی لئے کہا جاتا تھا کہ لوگ وہاں تعظیماً خون بہایا کرتے تھے (یعنی قربانیاں دیتے تھے) .

اس آیت مبارکہ کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ لات ومنات دو چٹانوں کے نام ہیں اور عزیٰ ایک درخت کا نام ہے مشرکین جو کچھ ان تینوں کے پاس کرتے تھے بعینہ وہی کام متأخر زمانہ کے مشرک درختوں ، پتھروں اور غاروں کے پاس بجالاتے ہیں ، اور یہ عمل اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ

اس کا نام" ذات انواط" تھا ، چلتے چلتے ایک بیری کے پاس سے ہمارا گزر ہوا تو ہم نے کہا یارسول اللہ ﷺ ! جیسے ان مشرکین کا ذات انواط ہے ، آپ بھی ہمارے لئے ایک ذات انواط مقرر فرمادیں.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ اکبر یہی تو (گمراہی کے) راستے ہیں ، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ! تم نے تو وہی بات کی جو بنواسرائیل نے موسی علیہ السلام سے کہی تھی ، کہ اے موسیٰ ! جیسے ان کے معبود ہیں آپ ہمارے لئے بھی ایک ویسا معبود مقرر کردیں ، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : تم تو بڑے ہی نادان ہو ، پھر آپ ﷺ نے فرمایا : تم بھی پہلی امتوں کے طریقوں پر ضرور چلو گے ".

قبروں کو معبود بنا کر ان کو توجہ کا مرکز بنایا جائے اور ان کے پاس عبادت کی جائے .

(عن أبی واقد اللیثی قال : خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلی حنین ، ونحن حد ثاء عهد بكفر، ....) الحدیث

یہ حدیث ایک صحیح اور بڑی عظیم حدیث ہے ، مشرکین کے ہاں ایک بیری تھی یعنی ایک درخت تھا جس کے بارے میں وہ (غلط) اعتقاد رکھتے تھے ، ان کا اعتقاد تین چیزوں پر مشتمل تھا :

۱ - وہ اس درخت کی تعظیم کرتے تھے .

۲ - وہ اس کے پاس اعتکاف کرتے تھے ، عکوف کا معنی ہے کسی جگہ کو تعظیم اور تقرب کے ارادے سے لازم پکڑنا .

۳ - وہ اپنے ہتھیاروں کو اس کے ساتھ لٹکاتے تھے تاکہ اس کی برکت ہتھیاروں میں منتقل ہو جائے کہ وہ زیادہ تیز ہو جائیں ، اور اس کے اٹھانے والے کو زیادہ سے زیادہ بھلائی اور خیر کا حصول ہو ، ان تینوں چیزوں کے جمع ہونے کی وجہ سے ان کا یہ عمل شرک اکبر تھا .

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اس آدمی نے جو ابھی نیا نیا کفر کو چھوڑ کے مسلمان ہوا تھا کہا :

اس باب کے مسائل

۱- سورۃ نجم کی ایک آیت کریمہ کی تفسیر کا بیان ہے.

۲- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذات انواط مقرر کرنے کے مطالبہ کی صحیح توجیہ معلوم ہوتی ہے (کہ وہ ذات انواط صرف تبرک کی خاطر مقرر کرانا چاہتے تھے ، اسے معبود بنانا مقصود نہ تھا).

۳- انہوں نے صرف اپنی خواہش کا اظہار ہی کیا تھا اسے عملی جامہ نہیں پہنایا تھا.

۴- اس سے ان کا مقصد و ارادہ محض تقرب الٰہی کا حصول تھا کیونکہ ان کا گمان تھا کہ اللہ تعالٰی اسے پسند فرماتا ہے.

۵- جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر شرک کی یہ قسم مخفی رہی تو دوسروں کا اس سے نابلد

•••

" اجعل لنا ذات أنواط كما لهم ذات أنواط " " اے اللہ کے رسول ﷺ ! ہمارے لئے بھی ذات انواط مقرر فرمادیں جیسے ان (مشرکین) کے لئے ذات انواط ہے "

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ خیال تھا کہ یہ عمل شرک میں داخل نہیں ، اور کلمہ توحید اس فعل سے منہدم نہیں ہوتا ، اسی لئے علماء سلف کا کہنا ہے کہ شرک کے بعض مسائل بعض فضلاء سے بھی مخفی رہتے ہیں کیونکہ بعض صحابہ کرام (جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے) ان پر توحید عبادت کی بعض انواع مخفی رہیں حالانکہ وہ لغت عرب کو سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے.

" فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : الله أكبر ! إنها السنن ، قلتم . والذي نفسي بيده . كما قالت بنو إسرائيل لموسىٰ : ﴿ اجعل لنا إلها كما لهم آلهة ﴾ "

" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ اکبر یہی تو (گمراہی کے) راستے ہیں ، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ! تم نے تو وہی بات کی جو بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی

رہنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

۶ - صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو نیکیوں اور بخشش کے وعدے کئے گئے ہیں وہ دوسروں کو حاصل نہیں ہیں۔

۷- رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں صحابہ کرام کو معذور اور بے قصور نہیں گردانا بلکہ آپ نے ان کی بایں الفاظ تردید فرمائی: "اللہ اکبر! کہ (گمراہی اور پہلی قوموں کے) راستے ہیں، یقیناً تم بھی پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے" آپ نے ان تین جملوں سے اس معاملے کی مذمت فرمائی۔

۸- سب سے اہم بات جو کہ اصل مقصود ہے وہ نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام کے لئے یہ فرمانا ہے کہ "تمہارا مطالبہ و فرمائش بھی بنی اسرائیل کے مطالبہ و فرمائش جیسا ہے" انہوں نے کہا تھا: کہ اے موسیٰ: "ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا" (سو تم نے بھی ایسا ہی مطالبہ کیا)۔

۹- اس قسم کے مقامات کو متبرک و مقدس نہ سمجھنا بھی کلمہ "لا إله إلا الله" کا معنی و مقصود ہے، یہ ایک انتہائی دقیق اور مخفی امر ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام بھی اس کا ادراک نہ کر سکے۔

تھی، کہ اے موسیٰ! جیسے ان کے معبود ہیں آپ ہمارے لئے بھی ایک ویسا معبود مقرر کر دیں" نبی اکرم ﷺ ان کے قول پر متنبہ ہوئے اور ان کے قول " اجعل لنا ذات انواط "کو قوم موسیٰ کے قول " اجعل لنا إلـها كما لهم الـهة " سے تشبیہ دی، اور انہوں نے جو مطالبہ کیا اسے عملی جامہ نہیں پہنایا، اور جب نبی اکرم ﷺ نے انہیں منع کر دیا تو وہ اس سے باز آگئے، اور اگر وہ اسے کر گزرتے جس کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا تو یہ شرک اکبر ہوتا، لیکن جب انہوں نے مطالبہ کیا اور صرف کہنے پر

۱۰- آپ ﷺ نے فتویٰ پر قسم اٹھائی، جبکہ بلا مصلحت قسم اٹھانا آپ ﷺ کی عادت مبارکہ نہ تھی۔

۱۱- صحابہ کرام کو اس عمل کی وجہ سے مرتد قرار نہیں دیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ شرک کی دو قسمیں ہیں: شرک اکبر اور شرک اصغر۔

۱۲- ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ''ہم ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے صحابہ کرام اس سے باخبر تھے کہ یہ معاملہ درست نہیں۔

۱۳- اظہار تعجب کے موقعہ پر ''اللہ اکبر'' کہنا مشروع عمل ہے، اس میں ان کا رد ہے جو اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔

....

ہی اکتفا کیا عمل نہیں کیا تو ان کا یہ قول شرک اصغر ہوا، کیونکہ اس میں غیر اللہ سے تعلق کی بعض انواع کا اظہار ہوتا ہے اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے انہیں دوبارہ اسلام قبول کرنے کا حکم بھی نہیں دیا، اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مشرکین جس شرک اکبر میں مبتلا تھے وہ صرف ذات انواط سے تبرک حاصل کرنے پر ہی منحصر نہ تھا بلکہ ان کا عمل تعظیم، اعتکاف اور تبرک بالتعلیق پر مشتمل تھا، اور پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ شجر وحجر سے اس اعتقاد کے ساتھ تبرک حاصل کرنا کہ وہ انہیں اللہ کے قریب کر دیں گے، یا ان کی حاجت کو اللہ تعالیٰ تک پہنچائیں گے، یا ان کی حاجات کے پورا ہونے اور ان کے معاملات کے اچھا ہونے کا زیادہ امکان ہے اگر وہ اس جگہ سے تبرک حاصل کریں تو یہ شرک اکبر ہے اور یہی وہ عمل ہے جو اہل جاہلیت روا رکھتے تھے۔

اگر آپ متأخرین زمانہ اور ہمارے اس موجودہ زمانہ کے بے عقل، کج عقیدہ اور قبر کے پجاریوں کے اعمال کا جائزہ لیں تو آپ محسوس کریں گے کہ یہ بالکل اسی طرح کے کام کرتے ہیں جس طرح کے پہلے مشرکین لات وعزیٰ اور ذات انواط کے ہاں بجالاتے تھے۔ یہ لوگ قبر کے بارے میں

۱۴- شرک وبدعت کے تمام ذرائع کا سد باب کرنا ضروری ہے۔

۱۵- اہل جاہلیت کی مشابہت ومماثلت کرنا ممنوع ہے۔

۱۶- دوران تعلیم (کسی مصلحت کے پیش نظر استاد کا شاگرد پر) ناراض ہونا جائز ہے۔

۱۷- آپ ﷺ نے یہ فرما کر ''إنھا السنن'' کہ یہ (گمراہی اور پرانی قوموں کے) رستے ہیں'' ایک عموی اصول بیان کردیا ہے۔

۱۸- آپ ﷺ کی یہ خبر بھی علامات نبوت میں سے ہے کہ آپ کی پیشین گوئی کے مطابق اب بعینہ اسی طرح ہو رہا ہے۔

اعتقاد رکھتے ہیں، بلکہ قبر پر لگائی ہوئی لوہے کی جالی کے بارے میں اعتقاد رکھتے ہیں، آپ دیکھیں گے کہ بعض ایسے علاقے ہیں جہاں شرک عام ہے وہاں مختلف مقابر اور مزاروں پر لوگ اس کے بارے میں جو قبر پر بنی ہوئی ہے، یا لوہے کی جالی کے بارے میں جو قبر کا احاطہ کئے ہوئے ہے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب وہ اس کو چھوتے ہیں تو وہ خیال کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے صاحب قبر کو چھوا ہے اور اس کی روح نے ان سے اتصال کیا ہے اور عنقریب یہ (روح) اللہ کے ہاں ان کے لئے واسطہ بنے گی اس لئے کہ انہوں نے اس کی تعظیم کی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اکبر ہے کیونکہ اس کا دارومدار نفع کے حصول اور مصیبت کو دفع کرنے کے لئے غیر اللہ کے ساتھ دلی تعلق پیدا کرنے اور اسے اللہ تعالیٰ کی جانب وسیلہ بنانے پر ہے جیسا کہ پہلے لوگ کرتے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ﴾ ''ہم ان (اولیاء) کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں''۔

ایک دوسری حالت جس کے بارے میں ہم شروع میں تنبیہ کرچکے ہیں کہ بعض تمسحات (کسی چیز کو چھونا) کو (کسی چیز کے لئے) اسباب مقرر کرنا، جیسا کہ بعض جاہل عوام حرم کے خارجی دروازوں یا

۱۹ - اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو یہود و نصاریٰ کی مذمت بیان فرمائی وہ دراصل ہمارے لئے تنبیہ ہے (کہ ہم ان سے عبرت حاصل کریں).

۲۰ - اہل علم کے ہاں یہ اصول طے ہے کہ عبادات کی بنیاد حکم اور امر پر مبنی ہے ، اس سے قبر کے سوالوں پر تنبیہ ہوتی ہے ، قبر کا پہلا سوال : تیرا رب کون ہے ؟ یہ تو واضح ہے البتہ دو سرا سوال : تیرا نبی کون ہے؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ غیب کی خبریں دینے والے ہیں ، اور تیسرا سوال : تیرا دین کیا ہے ؟ اس پر ان کا یہ کہنا ''اجعل لنا إلها'' دلالت کرتا ہے.

۲۱ - اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے طور طریقے مذموم ہیں (جیسے مشرکین کا مذھب ان کے طور اطوار ہی) جو شخص باطل کو چھوڑ کے حق کی طرف پلٹتا ہے تو اس کے دل میں قدیم تصورات وعقائد کا کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ جانا کوئی بڑی بات نہیں ، جیسا کہ ابو واقد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''نحن حدثاء عهد بكفر'' ''ہم ابھی نئے نئے کفر کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے تھے.

....

بعض دیواروں یا ستونوں کو چھوتی اور ان پر ہاتھ پھیرتی ہے ، اگر چھونے والا یہ خیال کرتا ہے کہ یہاں اس ستون میں کوئی روح ہے یا اس کے قریب کوئی مدفون ہے یا کوئی پاکیزہ روح اس ستون کی خدمت گزار ہے (جیسا کہ وہ کہتے ہیں) اور وہ اس کو چھوتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب رسائی حاصل کر سکے تو یہ شرک اکبر ہے. اگر ہاتھ پھیرنے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے یہ مبارک جگہ ہے اور اس کو چھونا اور مسح کرنا اس کی شفا کا سبب ہے تو یہ شرک اصغر ہے ....خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر وہ اس پر ہاتھ پھیرتا ہے اسے کسی چیز کا سبب سمجھتے ہوئے تو یہ شرک اصغر ہے اور اگر جس چیز پر ہاتھ پھیرا جا رہا ہے یا جس سے تبرک حاصل کیا جا رہا ہے اس کے ساتھ اس کا دلی تعلق ہے اور وہ اس کی تعظیم کرتا ہے ، اس کو لازم پکڑتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہاں کوئی روح ہے یا یہ چیز اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے لئے وسیلے کا کام دے گی تو یہ شرک اکبر ہے .

باب : ۹

غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے کا حکم

قولہ : (باب ماجاء فی الذبح لغیر الله) : یہ باب غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے پر جو وعید بیان کی گئی ہے اس کے بارہ میں ہے اور یہ عمل اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے .

الذبح : ذبح کا معنی خون بہانا ہے ، اس میں دو چیزیں نہایت اہم ہیں اور وہی اس باب کا مقصد اور اصل واساس ہیں .

۱- ذبح کے وقت کسی کے نام کو بلند کرنا .

۲- جس کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے قرب کی نیت سے ذبح کرنا .

یعنی ایک تسمیہ (کسی کا نام لینا) ہے اور دوسرا قصد (نیت) ، معنی کے اعتبار سے ذبیحہ پر تسمیہ کا مطلب مدد طلب کرنا ہے ، کیونکہ جب آپ ''بسم اللہ'' کہتے ہیں تو اس میں حرف (با) استعانت (مدد طلب کرنے) کے لئے ہے لھذا معنی یہ ہوگا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہر نام سے مدد طلب کرتے ہوئے اور تبرک حاصل کرتے ہوئے یہ جانور ذبح کرتا ہوں ، جبکہ قصد (نیت) یہ بندگی اور نیتوں میں داخل ہے ، چنانچہ ہمارے پاس (ذبح کرنے والے کی) چار حالتیں ہوں گی .

۱- (ذبح کے وقت) اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اور اس (ذبح) سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے تقرب کی نیت ہو تو یہی توحید اور یہی عبادت ہے ، لھذا ذبح کے وقت دو چیزوں کا اہتمام واجب ہے :

أ- اللہ تعالیٰ کے تقرب کی نیت سے ذبح کرے (اگر وہ ذبح سے تقرب کی نیت کرنا چاہتا ہے) جیسا کہ قربانی ، ہدی (وہ جانور جو حج پر لے جایا جاتا ہے) اور عقیقہ کا جانور ہے .

ب- ذبح کے وقت ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لے .

اگر وہ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا ، تو یہ ذبح شدہ جانور حلال نہیں ہے . اور اگر اس

نے اس ذبیحہ سے اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ارادہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی دوسرے کے تقرب کا ارادہ کیا ہے بلکہ اسے صرف اپنے مہمانوں کے لئے یا اپنے کھانے کے لئے ذبح کیا ہے تو یہ جائز ہے اور شرع میں اس کی اجازت ہے کیونکہ اس نے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے اور اسے غیر اللہ کے لئے ذبح نہیں کیا، لھذا وہ وعید اور نہی میں شامل نہیں .

۲- ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لیکن اس سے غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت کرے، مثلاً وہ یہ کہے : کہ " بسم اللہ " اور جانور ذبح کردے اور خون بہانے سے مقصود دفن شدہ کسی عظیم ہستی خواہ وہ نبی ہو یا کوئی نیک آدمی ہو اس کا قرب حاصل کرنا ہو ...... اس نے اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا ہے لیکن باوجود اس کے شرک پھر بھی حاصل ہے کیونکہ اس نے مدفون (شخص) کی تعظیم کے لئے خون بہایا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ، اسی طرح اس میں بعض اہل دیہات اور بعض شہر والوں کا وہ عمل بھی شامل ہے جو وہ کسی آنے والے کی تعظیم اور اس کے استقبال پر اونٹوں یا دوسرے جانوروں کو اس کے سامنے ذبح کرتے ہیں ، اس کے آنے پر خون بہایا جاتا ہے ، لھذا اگرچہ اس ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے لیکن اس ذبح سے غیر اللہ کا قصد کیا گیا ہے اسی وجہ سے علماء کرام نے اس کی حرمت کا فتوئی دیا ہے ، کیونکہ اس میں غیر اللہ کے لئے خون کا بہانا ہے ، لھذا اس کا کھانا جائز نہیں ، اور اس سے بھی پہلے زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی اس طرح تعظیم کرنا ہی جائز نہیں ، اس لئے کہ خون بہانے سے صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے کیونکہ وہ پاک صاف ذات ہی ان چیزوں کے ساتھ عبادت و تعظیم کی مستحق ہے ، اور وہی ہے جس نے رگوں میں خون کو جاری کیا ہے .

۳- ذبیحہ پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے اور اس سے مقصود بھی غیر اللہ (کا تقرب) ہو ، مثلاً وہ یہ کہے " باسم المسیح " کہ میں عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیتا ہوں پھر وہ جانور ذبح کردے

اور وہ اس ذبح سے عیسیٰ علیہ السلام کے تقرب کا قصد کرے ، یہ ایسا شرک ہے جس میں شرک فی الاستعانۃ اور شرک فی العبادۃ دونوں کو جمع کیا گیا ہے اور اسی کے مثل یہ بھی ہے کہ کوئی بندہ البدوی ، یا حسین رضی اللہ عنہ ، یا سیدۃ زینب رضی اللہ عنہا ، یا عیدروس ، یا مرغینانی (ایک مشہور فقیہ) یا ان کی طرح اور ایسے لوگوں کا نام لے کر ذبح کرے جن کی پرستش کا بعض مخلوق قصد کرتی ہے اور ان کے نام پر ذبح کرتی ہے اور مخلوق ہی ان کا مقصود ہوتی ہے یعنی ذبح کرنے والا جب ذبح کرتا ہے تو یہ نیت کرتا ہے کہ یہ خون فلاں مخلوق کا تقرب حاصل کرنے کے لئے بہایا جا رہا ہے ایسا کرنا دو جہتوں سے شرک ہے :

أ- استعانت (مدد طلب کرنا) کی جہت سے ۔

ب- عبادت ، تعظیم اور غیر اللہ کے لئے خون بہانے کی جہت سے ۔

۴- ذبح غیر اللہ کے نام پر کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے تقرب کا قصد ہے ، ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اور بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ وہ جس کی تعظیم کر رہا ہے اسی کے لئے ذبح کرتا ہے مثلاً وہ بدوی کے نام پر ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت کرتا ہے تو دراصل یہ ذبح بھی شرک فی الاستعانۃ اور شرک فی العبادۃ کی طرف ہی پلٹتا ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ غیر اللہ کا قصد کرتے ہوئے ذبح کرنے سے جو شرک لازم آتا ہے وہ شرک فی العبادۃ ہے ، اور ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام لینے سے جو شرک واقع ہوتا ہے وہ شرک فی الاستعانہ ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴾

" اور ایسے جانوروں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ کام نافرمانی کا ہے اور

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَ مَحْيَا يَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴾ (الأنعام : ۱۶۲ ، ۱۶۳)

" (اے محمد ﷺ !) آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز ، میری قربانی ، میری زندگی اور میری موت سب رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ، مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے اول فرمان بردار ہوں " .

یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں (وسوسہ) ڈالتے ہیں تاکہ یہ تم سے جدال کریں اور اگر تم ان وگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے " .

یعنی اگر تم شرک میں ان کی اطاعت کرو گے تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے جس طرح کے وہ مشرک ہیں .

(وقول الله تعالىٰ : ﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَ مَحْيَا يَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴾)

" (اے محمد ﷺ !) آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز ، میری قربانی ، میری زندگی اور میری موت سب رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں" .

یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ قربانی اور نماز دو عبادتیں ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے قربانی کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کیا ہے ، اور اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی مخلوق کے اعمال میں سے عبادات ہی تو ہیں ، اسی لئے اللہ تعالیٰ کے قول : "وَنُسُكِي" میں اس بات کی دلالت ہے کہ قربانی بھی اللہ تعالیٰ کی عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے ، اور اس عبادت کے مستحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے .

اللہ تعالیٰ کے فرمان : (لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) میں " لام " لام استحقاق ہے (یعنی کسی کے حق کو بتانے

نیز فرمایا:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ (الکوثر : ۲)

''پس آپ اپنے رب ہی کے لئے نماز پڑھیے اور قربانی دیجئے ''.

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے چار باتیں بیان فرمائیں :

"لعن الله من ذبح لغير الله ، لعن الله من لعن والديه ، لعن الله من آوى محدثا ، لعن الله من غير منار الارض " (صحيح مسلم)

''جو شخص غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ، جو شخص اپنے

....

کے لئے ہے).

(لَا شَرِيكَ لَهُ) یہ تیسری وجہ استدلال ہے کہ نماز اور قربانی میں اس کا کوئی شریک نہیں ، لھذا نماز اور قربانی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا اس کے سوا کسی اور کا قصد نہیں کیا جاسکتا ، وہی عبادت کا مستحق اور وہی سب سے بڑی بادشاہت والا ہے .

وقوله : ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ ، ''پس آپ اپنے رب ہی کے لئے نماز پڑھیے اور قربانی دیجئے ''.

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا آپ کو حکم دیا وہ عبادت کی حد میں شامل ہے کیونکہ :

عبادت : ایک ایسا جامع اسم ہے جو ان تمام ظاہری و باطنی اقوال وافعال کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہوں .

نماز ایک ایسا عمل ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے طبعًا یہ اس کے ہاں ایک پسندیدہ عمل ہے اور قربانی کا بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور وہ بھی اس کے ہاں پسندیدہ و محبوب عمل ہے لھذا یہ (دونوں عمل ہی) اللہ تعالیٰ کی عبادت ہیں .

(وعن علي رضي الله عنه قال : حدثني رسول الله صلى الله عليه وسلم بأربع كلمات،

والدین پر لعنت کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ، جو شخص کسی بدعتی کو پناہ دے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ، جو شخص (حدود) زمین کے نشانات کو بدلے اس پر (بھی) اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے "

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" دخل الجنة رجل في ذباب ، ودخل النار رجل في ذباب ، قالوا : وكيف ذلك يا رسول الله ؟ قال : مر رجلان على قوم لهم صنم ، لايجوزه أحد حتى يقرب له شيئا ، فقالوا لأحدهما : قرب ، قال : ليس عندي شيء أقرب ، قالوا له :

••

:لعن الله من ذبح لغير الله .....)الحدیث .

اس حدیث مبارک میں محل شاہد آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے : " لعن الله من ذبح لغير الله " یعنی جس شخص نے غیر اللہ کے تقرب و تعظیم کے لئے جانور ذبح کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے .

لعنت : دھتکار اور اللہ کی رحمت سے دوری کا نام ہے ، جب اللہ تعالیٰ بذات خود کسی پر لعنت کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت خاص سے دھتکار دیا ہے اور دور کر دیا ہے ، جبکہ عام رحمت مسلمان و کافر اور تمام قسم کی مخلوقات کو شامل ہے . اور یہ بات معروف ہے کہ اگر کسی گناہ کے ذکر کے ساتھ لعنت کا ذکر بھی شامل ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ گناہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور یہی بات جانور ذبح کرنے میں اس اعتبار سے واضح ہے کہ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے جس کا مرتکب لعنت ، دھتکار اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا مستحق ہے .

(وعن طارق بن شهاب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : دخل الجنة رجل في ذباب .....) الحديث .

اس حدیث مبارک سے وجہ دلالت یہ ہے کہ بت کے تقرب کے لئے (جانور) ذبح کرنا

قرب ولو ذبابا ، فقرب ذبابا ، فخلوا سبيله ، فدخل النار ، وقالوا للآخر : قرب ، فقال : ماكنت لأقرب لأحد شيئا دون الله ، فضربوا عنقه ، فدخل الجنة "

(مسند احمد)

"ایک شخص مکھی کی وجہ سے جنت چلا گیا اور ایک شخص مکھی ہی کی وجہ سے جہنم جا پہنچا ، صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ! وہ کیسے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا : دو آدمیوں کا گزر ایک قوم پر ہوا جن کا ایک بت تھا ، کسی کو وہاں سے چڑھاوا چڑھائے بغیر گزرنے کی اجازت نہ تھی ۔ قوم کے لوگوں نے ان میں سے ایک کو کہا کہ چڑھاوا چڑھاؤ ، اس نے کہا : چڑھاوے کے لئے میرے پاس کوئی چیز نہیں ، انہوں نے کہا : چڑھاوا چڑھاؤ خواہ ایک مکھی ہی چڑھاؤ ، اس شخص نے مکھی کا چڑھاوا چڑھا دیا ، چنانچہ انہوں نے اس شخص کا راستہ چھوڑ دیا اور وہ اس مکھی کے سبب جہنم جا پہنچا ۔

ان لوگوں نے دوسرے سے کہا : تم بھی کوئی چڑھاوا چڑھاؤ ، تو اس نے کہا : کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لئے کوئی چڑھاوا نہیں چڑھا سکتا ، انہوں نے اسے قتل کر دیا ، پس وہ جنت میں جا پہنچا " ۔

اس باب کے مسائل

۱- آیت مبارکہ ﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي ﴾ کی تفسیر ۔

۲- آیت مبارکہ ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ کی تفسیر ۔

۳- (رسول اللہ ﷺ نے حدیث پاک میں) سب سے پہلے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے ۔

....

جہنم میں داخلے کا سبب بنا ، اور ظن غالب یہی ہے کہ یہ کام کرنیوالا آدمی مسلمان تھا ، جو کچھ اس

۴- جو اپنے والدین پر لعنت کرے وہ خود لعنتی ہے اور اسی سے یہ بات بھی ماخوذ ہے کہ اگر تم کسی کے والدین کو لعنت کرو گے تو وہ تمہارے والدین پر لعنت کرے گا ، اس طرح تم خود اپنے والدین پر لعنت کا سبب بنو گے .

۵- جو شخص کسی بدعتی کو پناہ دے وہ ملعون ہے ، اس سے وہ شخص مراد ہے جو کسی ایسے جرم کا مرتکب ہو جس پر اللہ کی طرف سے سزا واجب ہے اور وہ اس سے بچنے کے لئے کسی کی پناہ ڈھونڈھ رہا ہو .

۶- جو شخص حدود زمین کی علامات بدل ڈالے وہ لعنتی ہے، اس سے مراد وہ نشانات ہیں جو آپ اور آپکے پڑوسی کی زمینی حدود ملکیت کو متعین کرتے ہیں لھذا آپ ان نشانات کو آگے یا پیچھے کردیں .۷- کسی شخص کو متعین کرکے اور اہل معاصی پر عموما لعنت کرنے میں فرق ہے .

۸- ایک مکھی (کی وجہ سے جنت یا جہنم جانے) کا قصہ بڑا عظیم ہے .

۹- مکھی کا چڑھاوا چڑھانے والا جہنم رسید ہوا ، حالانکہ اس کا ایسے کرنے کا ارادہ نہ تھا بلکہ اسنے تو ان (لوگوں) کی شر سے بچنے کے لئے ایسا کیا تھا.

نے کیا اس کے سبب جہنم میں داخل ہوا ، اور یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا شرک اکبر ہے کیونکہ آپ کے فرمان " دخل النار " کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ اس نے بھی اپنے لئے جہنم کو لازم کرلیا ہے ان لوگوں کے ساتھ جو جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں .

اس حدیث مبارک سے ایک اور وجہ دلالت کچھ اس طرح ہے کہ ایک ایسی چیز کے ساتھ چڑھاوا چڑھانا جس کی کوئی قیمت ہی نہیں جیسا کہ مکھی ہے (وہ جہنم مین جانے کا باعث ہے) تو ایک ایسی چیز سے چڑھاوا چڑھانا جو زیادہ منفعت والی اور قیمتی ہے وہ جہنم میں داخلے کا اس سے بھی بڑا سبب اور ذریعہ ہے .

۱۰- اہل ایمان کے ہاں شرک کس قدر سنگین (جرم) ہے کہ اس (مؤمن) نے قتل ہونا گوارا کرلیا، لیکن اہل صنم کا مطالبہ پورا نہ کیا، حالانکہ انہوں نے اس سے ظاہری عمل کرنے کا مطالبہ کیا تھا.

۱۱- وہ شخص جو (مکھی کی وجہ سے) جہنم میں داخل ہوا وہ مسلمان تھا، کیونکہ اگر وہ کافر ہوتا تو آپ کبھی بھی یوں نہ فرماتے: کہ وہ ایک مکھی کی وجہ سے جہنم رسید ہوا

۱۲- اس حدیث مبارک میں ایک دوسری صحیح حدیث کی تائید ہے کہ "الجنة أقرب إلى أحدكم من شراك نعله والنار مثل ذلک" جنت اور جہنم تمہارے کسی ایک کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے.

۱۳- بشمول بت پرست، ہر ایک کے نزدیک قلبی عمل ہی سب سے بڑا مقصود اور مہم ہوتا ہے.

....

وقوله: (قرب)، کہ چڑھاوا چڑھاؤ، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بت کے تقرب کے لئے جانور ذبح کرو. ملاحظہ فرمایئے، انہوں (اہل صنم) نے ان دونوں کو (چڑھاوا چڑھانے پر) بالفعل مجبور نہیں کیا تھا، کیونکہ آپ کا یہ فرمان: "لا يجوزه أحد" کہ بغیر چڑھاوے کے وہاں سے گزرنے کی اجازت نہ تھی، اس لفظ کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کسی کو بھی بغیر چڑھاوا چڑھانے کے اس (خاص) راستے سے گزرنے کی اجازت نہ دیتے تھے. اور یہ اکراہ یعنی زبردستی نہیں ہے کیونکہ ممکن تھا کہ وہ یہ کہتا کہ میں جہاں سے آیا ہوں واپس پلٹ جاتا ہوں.

اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے اسے قتل کی دھمکی دے کر مجبور کیا تھا (تو ہم یہ کہیں گے) کہ یہ حدیث سابقہ امتوں کے بارہ میں ہے (ان کی شریعت ہم پر لاگو نہیں ہوتی) بلکہ زبردستی کروائے گئے کام پر مؤاخذے کا نہ ہونا، یا اگر ایمان پر دل مطمئن ہو تو کفریہ کلمے کے کہنے یا عمل کرنے کا جائز ہونا صرف اس (آخری) امت کا خاصہ ہے.

باب : ۱۰

جہاں غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جائیں وہاں اللہ تعالیٰ کے نام پر بھی ذبح کرنا جائز نہیں

قولہ : (بمکان) :اس کلمہ میں حرف ''ب'' کلمہ ''فی'' سے بڑھ کر ایک زائد معنی کی نشاندہی کررہا ہے ، اور یہ زائد معنی یہ ہے کہ حرف ''ب'' کی وجہ سے ظرفیت اور مجاورت (یعنی قرب و جوار) دونوں ہی معنی سمجھ میں آتے ہیں اور وہ دونوں ہی مقصود ہیں اور وہ یہ ہیں :

کہ جہاں غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کیے جاتے ہوں وہاں اسی نفس جگہ میں یا اس جگہ کے قرب و جوار میں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح جائز نہیں ، کیونکہ دونوں حالتوں میں غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے والوں کے ساتھ مشارکت موجود ہے ۔

صورت مسئلہ : کوئی بھی جگہ جہاں غیر اللہ کے لئے (جانور) ذبح کیا جاتا ہو مثلاً خواہ وہاں کوئی قبر ہو یا مزار ہو یا مشرکین اور خرافیوں (وہ لوگ جن کے ذبح کا مقصد صاحب قبر کی خوشنودی ہوتی ہے وغیرہ) کے ہاں تعظیم والی جگہ ہو ۔ایسی جگہ پر توحید پرست مسلمان کے لئے جانور ذبح کرنا جائز نہیں ، اگرچہ وہ قربانی خالصۃً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو ، کیونکہ ایسا کرنے سے مشرکین کے ساتھ مشابہت ہوجائے گی ان جگہوں کی تعظیم کرنے میں جن جگہوں میں وہ مختلف قسم کی عبادات غیر اللہ کے لئے کرتے ہیں ۔

ذبح کرنا ایک ایسا عمل ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لئے نہیں ہے اور یہ عمل ایسی جگہ میں جہاں غیر اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہو جائز و درست نہیں بلکہ یہ شرک کے وسائل و اسباب میں سے ہے اور ایسی (شرکیہ) جگہوں کی تعظیم پر ابھارنے والا عمل ہے ،اس کا حکم یہی ہے کہ یہ حرام ہے اور شرک کے وسائل و اسباب میں سے ایک وسیلہ و سبب ہے ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا﴾ الآية (التوبة : ۱۰۸)

"آپ کبھی بھی اس (مسجد ضرار) میں کھڑے نہ ہونا"

(وقول الله تعالىٰ : ﴿ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ﴾)

"آپ کبھی بھی اس (مسجد ضرار) میں کھڑے نہ ہونا" یہاں آپ ﷺ کو مسجد ضرار جو منافقوں نے تعمیر کی تھی اس میں کھڑے ہونے (عبادت کے لئے) سے منع کیا گیا ہے۔

﴿ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ ﴾

"البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد شروع دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے"

مسجد ضرار اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی اور کمین گاہ کے طور پر قائم کی گئی .... جب اسے قائم کرنے والوں کی یہی غرض و غایت ہے تو پھر وہاں نماز میں ان کی مشارکت جائز نہیں، کیونکہ یہ ان کے لئے ایک قسم کا اقرار ہے، ان کی جماعت کی بڑھوتری کا سبب ہے اور لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے پر ترغیب دلانے کا باعث ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور مؤمنوں کو مسجد ضرار میں نماز پڑھنے سے منع فرما دیا، اور یہ بات (سبھی کو) معلوم ہے کہ آپ ﷺ کی نماز اور آپ کیساتھ مؤمنوں کی نماز خالصۃً صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تھی کسی غیر کے لئے نہ تھی، وہ مخلص بھی تھے، نیت میں کوئی فتور بھی نہ تھا، نہ تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے نہ کمین گاہ بنوانا چاہتے تھے اس کے باوجود انہیں (وہاں نماز پڑھنے سے) منع کر دیا گیا، جس کی اصل وجہ ان (منافقین) کے ساتھ مشارکت و مشابہت تھی جو دوسروں کو بھی وہاں آنے پر ابھارنے والی تھی۔ بعینہ یہی صورت اس شخص میں بھی موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے ذبح کرتا ہے لیکن ایسی جگہ پر ذبح کرتا ہے جہاں غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کئے جاتے ہیں، اگرچہ وہ خود مخلص ہے لیکن وہ اپنے فعل کے ذریعے اس جگہ کی تعظیم کی طرف دوسروں کو دعوت دے رہا ہے۔

ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ : ایک شخص نے بوانہ نامی جگہ پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی ، پھر اس نے نبی اکرم ﷺ سے (اس کے متعلق پوچھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا:

" هل كان فيها وثن من أوثان الجاهلية يعبد ؟ قالوا : لا ، قال : فهل كان فيها عيد من أعيادهم ؟ قالوا : لا ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : أوف بنذرك ، فإنه لا وفاء لنذر في معصية الله ولا فيما لا يملك ابن آدم "

(سنن أبي داود)

" کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی ایسا بت تھا جس کی پوجا کی جاتی رہی ہو ؟ صحابہ کرام نے عرض کی نہیں ، آپ ﷺ نے مزید پوچھا ، کیا وہاں کوئی مشرکین کا میلہ لگتا تھا ؟ تو انہوں نے عرض کی نہیں ، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : تم اپنی نذر پوری کرو ، یاد رکھو ! جو نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہوا سے پورا کرنا درست نہیں اور اسی طرح وہ نذر جسے پورا کرنا انسان کی وسعت میں نہ ہو اسے پورا کرنا بھی جائز نہیں "

••

قال : (وعن ثابت بن الضحاك رضي الله عنه قال : نذر رجل أن يذبح إبلا ببوانة فسأل النبي صلى الله عليه وسلم فقال : هل كان فيها وثن من أوثان الجاهلية يعبد؟ قالوا : لا) .

ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ : ایک شخص نے بوانہ نامی جگہ پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی ، پھر اس نے نبی اکرم ﷺ سے (اس کے متعلق پوچھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: " کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی ایسا بت تھا جس کی پوجا کی جاتی رہی ہو ؟ صحابہ کرام نے عرض کی نہیں .

نبی اکرم ﷺ نے یہاں وضاحت طلب کی ، کیونکہ یہ موقعہ محل ہی ایسا تھا جو وضاحت طلب کرنے کا متقاضی تھا اور آپ کا یہ پوچھنا دلالت کرتا ہے کہ اگر یہی وصف وہاں پایا جائے (کہ اگر وہاں

اس باب کے مسائل

۱- اس میں آیت مبارکہ ﴿ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ﴾ کی تفسیر ہے .

۲- اللہ تعالیٰ کی اطاعت و معصیت بسا اوقات زمین پر بھی اثر انداز ہوتی ہے .

۳- کسی مشکل مسئلہ کو سمجھانے کے لئے واضح مسئلہ پیش کرنا چاہیے .

۴- بوقت ضرورت ، مفتی سائل سے تفصیلات اور وضاحتیں طلب کر سکتا ہے .

۵- کسی خاص مقام کو منت یا نذر ماننے کے لئے مخصوص کرنے میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو .

۶- جس مقام پر دور جاہلیت میں کوئی بت رہا ہو ، وہاں نذر پوری کرنا منع ہے خواہ وہ بت وہاں سے ختم کیا جا چکا ہو .

۷- جس مقام پر دور جاہلیت میں کوئی تہوار منایا جاتا رہا ہو ، وہاں نذر پوری کرنا منع ہے خواہ اس جگہ تہوار منانا بند ہو چکا ہو .

••

جاہلیت کے بتوں میں سے کسی بت کی پوجا کی جاتی رہی ہو) تو ایسی جگہ پر جانور ذبح کرنا جائز نہیں ، اور اس حدیث کو اس باب میں ذکر کرنے کا مقصود بھی یہی ہے .

" فهل كان فيها عيد من أعيادهم ؟ قالوا : لا " " کیا وہاں کوئی مشرکین کا میلہ لگتا تھا ؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں "

عید : اس مکان یا زمان کو کہتے ہیں جو بار بار لوٹتا ہو ، یا اس کی طرف بار بار جایا جاتا ہو .

لھذا عید کبھی مکانی ہوتی ہے کیونکہ یہ ایسی جگہ کا نام ہے جس کی طرف جانا عادت بن چکا ہو اور ایک وقت معروف میں اسکی طرف جایا جاتا ہو ، اسی طرح بعض زمانی عیدیں بھی ہوتی ہیں کیونکہ ایسی عیدیں ایک وقت معین میں لوٹتی ہے ، تو آپ ﷺ کا یہ فرمانا :

۸- اگر کسی نے مشرکین کے بت یا تہوار والی جگہ کی نذر مانی ہو تو اسے پورا کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ نافرمانی کی نذر ہے جو ناجائز ہے۔

۹- مشرکین کے میلوں یا تہواروں میں ان سے ظاہری مشابہت اختیار کرنے سے بھی مسلمانوں کو بچنا چاہیے اگرچہ اس سے ان کی مشابہت مقصود نہ بھی ہو۔

۱۰- اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں۔

۱۱- جو امر انسانی طاقت سے باہر ہو اس کی نذر ماننا بھی جائز نہیں اور اسے پورا کرنا بھی درست نہیں۔

" فهل كان فيها عيد من أعيادهم ؟

" کیا وہاں کوئی مشرکین کا میلہ لگتا تھا؟" یعنی مکانی عید، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد عید زمانی ہو (کیونکہ میلہ ایک خاص وقت میں لگتا ہے) اور یہ بات معلوم ہے کہ مشرکین کے مکانی یا زمانی میلے یا عیدیں ان کے شرکیہ دین کی طرف ہی لوٹتے ہیں۔

لھذا معنی یہ ہوگا کہ وہ ان میلوں میں اپنی شرکیہ عبادات بجالاتے ہیں، مشرکین کے ان میلوں میں جو کچھ کیا جاتا ہے ان میں سے ایک (بلکہ یہ فعل سب فعلوں سے بڑا ہے جو وہاں سرانجام دیے جاتے ہیں) یہ ہے کہ جانور ذبح کر کے اور خون بہا کر غیر اللہ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے، لھذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی جگہ پر جہاں مشرکین غیر اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہیں ان کی مشارکت کرنا ایسی شکل میں جو بظاہر ان کے فعل سے مشابہ ہو، ناجائز ہے کیونکہ یہ ظاہری فعل میں ان کی مشارکت ہے، خواہ انسان کی نیت خالص ہو وہ اللہ کے سوا کسی اور کے لئے ذبح نہ کرتا ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے نماز نہ پڑھتا ہو (تب بھی ایسا کرنا جائز نہیں)۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: " أوف بنذرك فإنه لا وفاء لنذر في معصية الله "

''اپنی نذر کو پورا کرو، بے شک اللہ کی نافرمانی والی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں۔''

علماء کرام فرماتے ہیں کہ حرف ''فاء'' کے بعد والے جملے کو فاء کے ذریعے فاء سے پہلے جملہ پر مرتب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپکا نذر کو پورا کرنے کی اجازت دینے کا سبب یہ ہے کہ اس (فاء) کا ماقبل معصیت نہیں، اور آپ کا وضاحت طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی جگہ پر اللہ تعالیٰ کے لئے جانور ذبح کرنا جہاں مشرکین کے کسی بت کی پوجا کی جاتی رہی ہو یا وہاں ان کا کوئی میلہ لگتا رہا ہو، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا عمل ہے۔

باب : ۱۱

غیر اللہ کی نذر و نیاز ماننا شرک ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ ﴾ (الدھر : ۷) "وہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں".

نیز فرمایا :

﴿ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ﴾ (البقرۃ : ۲۷۰)

"اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو (یعنی صدقہ خیرات) یا جو کچھ بھی نذر مانو تو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے"

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"من نذر أن يطيع الله فليطعه ، ومن نذر أن يعصى الله فلا يعصه"

(صحیح بخاری)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت

(وقول الله تعالىٰ : ﴿ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ ﴾ (الدھر : ۷)

"وہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں".

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے والوں کی مدح بیان فرمائی ہے ، اللہ تعالیٰ کا ان کی مدح بیان کرنا اس بات کا متقاضی ہے کہ یہ عبادت (نذر پوری کرنا) مشروع بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کو محبوب بھی ہے ، اور جو (عمل) ایسا ہو وہ عبادات کی انواع میں سے ایک نوع ہے لھذا اسے غیر اللہ کے لئے صرف کرنا شرک اکبر ہے .اور یہی مفہوم آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے،فرمایا:

﴿ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ﴾

کرے ، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی و معصیت کی نذر مانے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی نافرمانی نہ کرے "

اس باب کے مسائل

۱- نذر کو پورا کرنا واجب ہے .

۲- جب یہ ثابت ہو چکا کہ نذر ماننا اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے تو پھر اسے غیر اللہ کے لئے ماننا اسے سرانجام دینا شرک ہے .

۳- اللہ تعالیٰ کی معصیت والی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں .

" اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو (یعنی صدقہ خیرات) یا جو کچھ بھی نذر مانو تو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے "

(وفی الصحیح عن عائشة رضی اللہ عنہا أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال : من نذر أن يطيع الله فليطعه).

" جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی اطاعت کرے "

یہ حدیث مبارکہ بتلا رہی ہے کہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے ، اور نذر کا واجب ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ محبوب اور پسندیدہ عبادت ہے کیونکہ کسی بھی چیز کا واجب ہونا ، عبادات کی اقسام میں سے ایک قسم ہے .اور جو چیز بھی اس عبادت تک پہنچنے کے لئے وسیلہ و ذریعہ ہو وہ بھی عبادت ہے کیونکہ نذر کو پورا کرنے کے لئے نذر کا ہونا ضروری ہے ، اگر نذر موجود ہی نہ ہو تو پھر پورا کیسے کرنا ہے ، تو پورا کرنا اس لئے واجب کیا گیا ہے کہ مکلف نے اپنے اوپر خود اس عبادت کو لازم کیا ہے .

(ومن نذر أن يعصى الله فلا يعصه) " اور جو شخص یہ نذر مانے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے " اس لئے کہ مکلف کا اپنے نفس پر اللہ تعالیٰ

کی نافرمانی کو واجب کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانی سے منع کرنے کے معارض اور مقابلہ میں ہے ، لیکن ایسی صورت میں اسے چاہیے کہ وہ نذر کا کفارہ ادا کرے اور وہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے اور اس کا تفصیلی بیان کتب فقہ کے "باب النذر "میں موجود ہے .

اللہ تعالیٰ کے لئے نذر ماننا ایک بہت بڑی عبادت ہے اور اسی طرح غیر اللہ کے لئے نذر ماننا بھی ایک عبادت ہے ، جب نذر ماننے والا غیر اللہ کے لئے نذر مانے تو گویا کہ اس نے اس کی عبادت کی ہے ، اور اگر نذر ماننے والا اللہ تعالیٰ کے لئے نذر مانے تو گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے .

باب : ۱۲

غیر اللہ سے پناہ طلب کرنا شرک ہے

(من) : یہاں تبعیضیہ ہے اور شرک سے مراد شرک اکبر ہے کیونکہ لفظ ''الشرک'' پر جو لام داخل ہے وہ معہود ذہنی کی طرف لوٹتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ سے پناہ طلب کرنا اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک اکبر ہے.

استعاذۃ : کا معنی ہے پناہ طلب کرنا ، کیونکہ ''سین اور تاء'' غالبا طلب کا معنی دیتے ہیں ، اور عیاذ کا معنی ایسی چیز کو طلب کرنا جو شر سے بے خوف کر دے ، اور طلب ، کسن کی طرف متوجہ ہونے اور دعا کی اقسام میں سے ایک قسم ہے ، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں ایک ایسی ہستی ہے جس سے پناہ طلب کی جاتی ہے ، اگر وہ ہستی جس سے پناہ طلب کی جا رہی ہے پناہ طلب کرنے والے سے بڑے درجے کی ہے تو اس ہستی کی طرف متوجہ ہونے والے کا یہ فعل دعا کہلائے گا.

چنانچہ استعاذۃ کی حقیقت یہ ہے '' طلب العیاذ '' پناہ طلب کرنا ، جو کہ ایک دعا ہے جو پناہ طلب کرنے کے معنی پر مشتمل ہے ، جب یہ ثابت ہوا کہ استعاذۃ دعا ہے تو دعا عبادت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے کرنی جائز نہیں جیسا کہ نصوص اور اجماع اس بات پر دلالت کرتے ہیں ، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے :

﴿ وَأَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا ﴾ '' کہ مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو ''

نیز فرمایا :

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ ﴾ '' اور تیرے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو ''

(صرف یہی دلیلیں نہیں) بلکہ ہر وہ دلیل جو دعا کے لئے ایک اللہ کو پکارنے پر، یا عبادت ایک اللہ کے لئے کرنے پر راہنمائی کرتی ہے وہ اس مخصوص مسئلہ کی بھی دلیل ہے۔

یہ استعاذۃ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے کرنا جائز نہیں، اس کی حقیقت یہ ہے کہ:

اس میں ظاہری و باطنی عمل دونوں موجود ہیں :

ظاہری عمل یہ ہے کہ کسی شر سے کسی کی پناہ طلب کرنا کہ اسے اس مصیبت و شر سے بچایا جائے اور اسے اس سے نجات دی جائے۔

اور باطنی عمل یہ ہے کہ دل کا اس پناہ طلب کئے جانے والے کی طرف متوجہ ہونا، اس سے اس کا مطمئن ہونا، اس کی طرف مجبور ہونا اور اس کی ضرورت محسوس کرنا، اپنے تعلق کو اس کے ساتھ مضبوط کرنا، اپنی نجات کو اسی کے سپرد کرنا، اجماعا ثابت ہے کہ یہ استعاذۃ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے جائز نہیں۔

سوال : اگر یہ کہا جائے کہ مخلوق سے ایسی پناہ طلب کرنا جائز ہے جس پر وہ قدرت و طاقت رکھتی ہے کیونکہ بعض دلائل میں اس بات کی راہنمائی ملتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت اس استعاذۃ سے مراد زبانی استعاذۃ ہے وہ یہ کہ زبان سے (کسی مخلوق کی) پناہ طلب کرے لیکن دل اللہ تعالیٰ کی ذات پر مطمئن ہو اور اس کی توجہ اللہ تعالیٰ کی جانب مبذول ہو، اور اسی کے ساتھ حسن ظن بھی ہو، اور (وہ یہ خیال کرے کہ) یہ بندہ جس سے پناہ طلب کی جارہی ہے وہ تو صرف سبب اور ذریعہ ہے، اور اس قسم کا استعاذۃ صرف ظاہری ہے، یہاں دل میں حقیقت استعاذہ موجود نہیں۔

اگر معاملہ ایسے ہے تو پھر یہ استعاذۃ جائز ہے لھذا اہل خرافات کا یہ کہنا اس سے باطل ہوجائے گا کہ مردوں، جنوں اور اولیاء سے پناہ طلب کرنا یہ وہی استعاذۃ ہے جس پر مخلوق قدرت رکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ طاقت دے رکھی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ﴾

(الجن : ٦)

''اور یہ کہ بعض انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس سے وہ (جنات) اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے''

خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا :

'' من نزل منزلا ، فقال : أعوذ بكلمات الله التامات من شر ما خلق ، لم يضره شيء حتى يرحل من منزله ذلك '' (صحيح مسلم)

....

(قوله تعالیٰ : ﴿ وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ﴾

(اس آیت مبارکہ کے مختلف ترجمے کئے گئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے :)

'' اور یہ کہ بعض انسان بعض جنوں کی پناہ طلب کرتے تھے پس انہوں نے ان کی گھبراہٹ اور خوف میں مزید اضافہ کردیا''

(رهقا) : کا معنی یہاں خوف اور گھبراہٹ ہے ، کہ (ان کے اس عمل نے) ان کے خوف اور گھبراہٹ کو اور زیادہ کردیا. گھبراہٹ کبھی بدن میں ہوتی ہے اور کبھی روح میں ، اور جب بات یوں ہی تھی تو ان کے ساتھ یہ معاملہ (یعنی خوف میں اضافہ) ان کے غیر اللہ کی پناہ پکڑنے کی وجہ سے سزا کے طور پر تھا. اور سزا صرف گناہ پر ہوتی ہے لھذا یہاں آیت مبارکہ ان لوگوں کی مذمت پر دلالت کررہی ہے اور ان کی مذمت صرف اس لئے کی گئی کہ انہوں نے اس عبادت (پناہ پکڑنے) کو غیر اللہ کی طرف موڑ دیا ، جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی پناہ طلب نہ کی جائے .

”جو شخص کسی جگہ پر پڑاؤ کرے اور یہ دعا پڑھے :

” أعوذ بكلما ت الله التامات من شر ماخلق “ ”کہ میں اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کے ساتھ اس کی مخلوق کی شرارتوں سے پناہ مانگتا ہوں “ تو اس کے وہاں سے روانہ ہونے تک کوئی چیز اسے ضرر نہ پہنچا سکے گی .

اس باب کے مسائل

۱- سورۃ جن کی آیت کی تفسیر ہے (جس میں ہے کہ بعض لوگ جنوں کی پناہ پکڑتے ہیں) .

۲- جنوں وغیرہ کی پناہ پکڑنا شرک ہے .

۳- اس مسئلہ پر مذکورہ بالا حدیث سے استدلال کیا گیا ہے اس لئے کہ علماء کرام یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات غیر مخلوق ہیں . کیونکہ مخلوق کی پناہ مانگنا شرک ہے .

۴- اس حدیث سے اس دعا کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے اگر چہ یہ بہت مختصر اور چھوٹی سی دعا ہے ، اور وہ یہ ہے :

....

یہاں پر ایک اور قول ہے جو قتادۃ اور بعض سلف رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ : (رهقا) کا معنی گناہ کا ہے .

اور یہ بات واضح ہے کہ (غیر اللہ کی) پناہ طلب کرنا ، گناہ میں اضافے کا موجب ہے .

(وعن خولة بنت حكيم رضى الله عنها قالت : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :

من نزل منزلا ....) الحديث .

اس حدیث مبارک سے وجہ دلالت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے کلمات کے

" أعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ماخلق " .

۵- کسی عمل سے کسی دنیاوی فائدہ کا حصول ، یعنی کسی شر سے تحفظ یا کسی فائدے کا حصول ، اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عمل شرک نہیں (بلکہ عین ممکن ہے جس عمل سے وہ فائدہ حاصل ہوا ہے وہ شرک ہو) .

ساتھ پناہ طلب کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے ، اور جن چیزوں سے پناہ طلب کی گئی ہے وہ شریر قسم کی مخلوقات ہیں ، اور جس کی پناہ طلب کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں .

ارشاد ربانی ہے :

﴿ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴾ " (میں پناہ مانگتا ہوں) ہر اس چیز کی برائی سے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے " .

اس عموم سے وہ شریر مخلوقات مقصود ہیں جن میں شر موجود ہے ، کیونکہ بعض ایسی بھی مخلوقات ہیں جن میں شر موجود نہیں ہے ، جیسا کہ جنت ، ملائکہ ، انبیاء و رسل علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ ہیں ....

باب : ۱۳

غیر اللہ سے فریاد کرنا ، یا انہیں پکارنا شرک ہے

اس شرک سے مراد شرک اکبر ہے ، (أن يستغيث بغير الله) کے بعد (أويدعو غيره) کا ذکر آیا ہے ، یہاں عبارت میں عام کو خاص پر عطف پر کیا گیا ہے ، چنانچہ فریاد کرنا (جو کہ خاص ہے) دعا ہی کی ایک قسم ہے (اور دعا عام ہے) کیونکہ فریاد کرنا ایک طلب ہے یعنی مانگنا ، اور مانگنا دعا ہے .

الاستغاثة : اس کا معنی ہے مدد طلب کرنا ، اور مدد وہ طلب کرتا ہے جو ایسی سختی اور مصیبت میں مبتلا ہو جس میں اسے شدید نقصان یا ہلاک ہونے کا خدشہ ہو ، کہا جاتا ہے :
" أغاثه " کہ اس نے اس کی فریاد رسی کی ، اس کو جو مصیبت لاحق تھی اس میں اس کی اعانت کی اور اسے اس سے نجات دلوائی ، لھذا استغاثہ ، یعنی مدد طلب کرنا اس وقت شرک اکبر کہلائے گا جب کوئی مخلوق سے ایسے سلسلہ میں مدد طلب کرے جس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی قدرت رکھنے والا نہ ہو .

اور اگر ایسے مسئلہ پر استغاثہ کیا گیا ہے کہ مخلوق بھی اس پر قدرت و طاقت رکھتی ہے تو پھر (مخلوق سے مدد طلب کرنا بھی) جائز ہے ، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمان باری تعالیٰ ہے :

﴿ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ ﴾ " پس اس شخص نے جو اس (موسیٰ علیہ السلام) کے ساتھیوں میں سے تھا اس سے مدد طلب کی اس شخص کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا "

(أو يدعو غيره) . دعا عبادت ہی سے ہے .

۱ - دعاء المسألة : اس سے مراد وہ دعا ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا جاتا ہے ، چناچہ مانگنے والا اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلند کرتا ہے اور دعا کرتا ہے ، اسے دعاء مسئلہ کہا جاتا ہے ، اور غالبا مسلمانوں کے ہاں جب بھی دعا کا نام لیا جائے تو یہی مراد ہوتی ہے .

۲ - دعاء العبادة : اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ وَأَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا ﴾

''اور مسجد یں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں پس تم اس کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو ''.

یعنی اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو اور اس کے ساتھ کسی اور سوال مت کرو .

اور اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا بھی فرمان ہے :

" الدعاء هو العبادة " ''دعا عبادت ہی ہے ''

ان دونوں قسموں میں فرق ہے ، دعاء عبادت کی مثال یہ ہے کہ :

کوئی شخص نماز پڑھے یا زکاۃ ادا کرے تو ان میں سے ہر صنف عبادت کی اصناف میں سے ہے لھذا اس کے لئے لفظ دعا استعمال کرتے ہیں اور اس سے مراد عبادت ہی ہوتی ہے .

جب یہ بات طے ہے تو یاد رکھنا چاہیے کہ اہل علم کے بیان کردہ دلائل کو سمجھنے کے لئے اس تقسیم اور تفصیل کا ہونا بہت ضروری ہے ، کیونکہ بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ بعض اہل خرافات اور شرک کے داعی بعض ایسی آیات جو دعاء مسئلہ کے بارہ میں ہیں ان کی تاویل دعاء عبادت سے کرتے ہیں ، حالانکہ درحقیقت دعاء مسألہ اور دعاء عبادت میں کوئی فرق نہیں ، کیونکہ یہ (دعاء مسئلہ) وہی (دعاء عبادت) ہے یا تضمنا یا التزاما .

چنا چہ دعاء مسئلہ عبادت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اور دعاء عبادت اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے قبولیت کا سوال کرے .

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلَاتَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِيْنَ وَ إِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ (یونس : ۱۰۶، ۱۰۷)

'' اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ کچھ تمھارا بھلا کر سکے اور نہ نقصان ، اگر تم ایسا کرو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے اور اگر اللہ تمہیں کوئی مصیبت پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں ہے ، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وہ بخشنے والا ، رحم فرمانے والا ہے ''

(وقول الله تعالى : ﴿ وَلَاتَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ﴾

'' اور تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ کچھ تمھارا بھلا کر سکے اور نہ نقصان''

﴿ وَلَاتَدْعُ ﴾ یہ نہی کا صیغہ ہے اور نہی فعل '' تدعو'' کی جانب متوجہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دعا کی تمام اقسام کو مشتمل ہے : دعاء مسئلہ اور دعاء عبادت ، اور یہی شیخ رحمہ اللہ کا آیت ہذا سے استدلال کرنے کا ایک مقصد بھی ہے ، چنانچہ آیت مبارکہ کا مدلول یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف دعاء مسئلہ اور دعاء عبادت کے ساتھ متوجہ ہونا ممنوع ہے اور یہ نہی اس لحاظ سے اور بھی عظیم تصور کی جائیگی کہ اس میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو کیا گیا ہے جو کہ متقین اور توحید پرستوں کے امام و پیشوا ہیں .

قولہ : (﴿من دون الله﴾) یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو پکارنا یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا مستقل طور پر پکارنا دونوں کو شامل ہے .

﴿ ما لا ينفعك ولا يضرك ﴾ یعنی ایسی چیز جو تجھے نہ نفع دے سکتی ہے اور نہ نقصان

پہنچا سکتی ہے.

لفظ (ما) عاقل ، جیسا کہ فرشتے ، انبیاء اور رسل علیہم السلام ہیں ، اور غیر عاقل ، جیسا کہ بت ، درخت اور پتھر وغیرہ دونوں کو شامل ہے .

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا : " فَإِنْ فَعَلْتَ " یعنی اگر آپ نے کسی چیز کو پکارا جو نہ نفع دے سکتی ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتی ہے تو پھر "فَإِنَّکَ إِذًا " اس پکار اور دعا کی وجہ سے "مِّنَ الظَّالِمِیْنَ" ظالموں میں سے ہونگے ، یہاں ظلم سے مراد شرک ہے ، جب نبی اکرم ﷺ کے حق میں یہ بات ہے جن کی توحید کو اللہ تعالیٰ نے کامل درجہ کی بنایا ہے کہ اگر ان سے بھی شرک صادر ہو جائے تو وہ بھی ظالم اور مشرک بن جائیں گے (نعوذ باللہ من ذلک) آپ ﷺ اس سے پاک ہیں .

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ سے کم درجے کا ہے اور وہ معصوم بھی نہیں ہے ، اسے عصمت بھی عطا نہیں کی گئی تو ایسے شخص کو اور بھی شرک سے خوف کرنا اور اس سے ڈرنا چاہیے .

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک عمومی قاعدہ بیان فرمایا ہے جو دل سے شرک کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکنے والا ہے ، فرمایا : ﴿ وَإِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗ إِلَّا هُوَ ﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ آپ کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دے تو کون ہے جو اس مصیبت کو رفع کرے ؟ اسے تو صرف وہی رفع کر سکتا ہے جس نے اسے آپ پر مسلط کیا ہو ، (اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے) یہ (عقیدہ و نظریہ) غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے راستے کو بند کر دیتا ہے .

اللہ تعالیٰ نے زندہ و موجود شخص سے ایسے مسئلہ پر فریاد کرنے کی رخصت دی ہے جس میں وہ نفع پہنچانے یا مصیبت دور کرنے کی طاقت رکھتا ہو ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے سبب بنایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس مصیبت کو دور کر سکتا ہے وگرنہ درحقیقت مصائب کو دور کرنیوالی تو اللہ تعالیٰ ہی کی

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴾ (العنکبوت : ۱۷)

''تم اللہ کے سوا جن کی پرستش کرتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے ، پس اللہ ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی بندگی کرو اور اسی کا شکر کرو ، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''.

•••

ذات ہے.

﴿ بِضُرٍّ ﴾ یہاں '' ضر'' کا لفظ نکرہ ہے اور سیاق شرط میں مستعمل ہے ، لھذا یہ مصیبت کی تمام اقسام کو شامل ہے خواہ وہ دین و دنیا میں ہو ، خواہ بدن و مال میں ہو ، یا اولاد وغیرہ میں ہو .

قولہ تعالیٰ : ﴿ فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ﴾ ''پس اللہ ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو ، اسی کی بندگی کرو اور اسی کا شکر ادا کرو''

مذکورہ آیت کی اصل ترکیب کچھ یوں ہے ﴿ فَابْتَغُوا الرِّزْقَ عِندَ اللَّهِ ﴾ لیکن آیت میں ''عند اللہ'' کو پہلے ذکر کیا گیا ہے ، علماء معانی کا کہنا ہے کہ : مؤخر چیز کو مقدم کرنا اختصاص کا فائدہ دیتا ہے ، یعنی معنی یہ ہوگا : کہ رزق اللہ تعالیٰ کے ہاں سے طلب کرو ، اور یہ طلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص کرو ، رزق کی طلب میں غیر اللہ سے فریاد مت کرو .

لفظ رزق ایک عام لفظ ہے جو ہر اس چیز کو شامل ہے جو کسی کو دی جاسکتی ہو یا کسی سے اس کو روکا جا سکتا ہو لھذا اس لفظ میں صحت ، عافیت ، مال ......وغیرہ سب چیزیں داخل ہیں ، پھر فرمایا :

﴿وَاعْبُدُوهُ ﴾ ''اسی کی عبادت کرو'' یہ لفظ ذکر کر کے سوال کی تمام اصناف کو جمع کردیا گیا ہے تا کہ دعاء مسئلہ اور دعاء عبادت دونوں کو شامل ہو جائے .

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ﴾ (الأحقاف : ۵)

''اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی پکار سے غافل و بے خبر ہیں''۔

نیز فرمایا :

﴿ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ ﴾ (النمل : ۶۲)

••

(وقوله : ﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ﴾)

''اور اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی پکار سے غافل و بے خبر ہیں''۔

اس آیت مبارکہ میں وجہ دلالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ ''یدعو'' ''وہ پکارتے ہیں'' کو استعمال کیا ہے ، لھذا ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا بے جان مردوں کو پکارتے ہیں ان کے لئے بدترین گمراہی کا وصف لایا گیا ، اور اس آیت میں جن کو پکارا گیا ہے اس سے مراد مردے نہ کہ بت ، پتھر اور درخت وغیرہ ، کیونکہ ان کا قیامت کے دن تک جواب نہ دے سکنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد مردے ہیں ، اس لئے کہ جب میت کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو وہ اس وقت دوسروں کی بات کو سن سکے گا۔

اور اسی طرح کلمہ ''من'' استعمال کیا ہے اور یہ اسی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو صاحب علم وعقل ہو ، اور یہ وہی انسان تھے جو ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے تھے اور وہ علم والے تھے اور ان سے علم حاصل کیا جاتا تھا۔

" جب کوئی بے قرار فریاد کرے تو کون ہے جو اس کی پکار و فریاد کو قبول کرتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کر دیتا ہے "۔

اور امام طبرانی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ :

" أنه كان في زمن النبي صلى الله عليه وسلم منافق يؤذي المؤمنين ، فقال بعضهم : قوموا بنا نستغيث برسول الله صلى الله عليه وسلم من هذا المنافق ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم : إنه لايستغاث بي ، وإنما يستغاث بالله "

" نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں ایک منافق مومنوں کو تکالیف دیا کرتا تھا تو بعض صحابہ

....

(وقوله ﴿ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ ﴾ " جب کوئی بے قرار فریاد کرے تو کون ہے جو اس کی فریاد کو قبول کرتا ہے"

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ بے قرار کی پکار کا جواب (یعنی دعاء مسئلہ میں) صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں .

﴿ وَيَكْشِفُ السُّوءَ ﴾ "اور اس کی تکلیف کو دور کر دیتا ہے" برائی و مصیبت کے دور کرنے کو طلب کرنا کبھی استغاثہ کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی بغیر استغاثہ کے .

﴿ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ﴾ " کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ؟" یہ استفہام انکاری ہے، یعنی یہ ان پر نکیر کی جارہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنائیں ، یہ کیسے ؟

غیر اللہ کو پکارنے کے ذریعے ، برائی و مصیبت کو رفع کرنے کے لئے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور طاقت وقدرت نہیں رکھتا اس میں غیر اللہ کا قصد کرنے کے ذریعے .

﴿ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ﴾ " تم بہت کم نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہو"

قال : (وروى الطبراني بإسناده : أنه كان في زمن النبي صلى الله عليه وسلم

نے کہا کہ چلو اس منافق سے گلوخلاصی کے لئے رسول اللہ ﷺ سے فریاد کرتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ مجھ سے فریاد نہیں کی جاسکتی، فریاد صرف اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے''۔

اس باب کے مسائل

۱- اس سے ثابت ہوا کہ دعا عام ہے اور استغاثہ خاص ہے، پس استغاثہ کے بعد دعا کا ذکر کرنا ''عطف العام علی الخاص'' کی قبیل سے ہے۔

۲- آیت مبارکہ: ﴿ وَلَاتَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّكَ ﴾ کی تفسیر۔

۳- غیر اللہ کو پکارنا اور اس سے فریاد کرنا یہی شرک اکبر ہے۔

۴- کوئی انتہائی نیک و برگزیدہ شخص بھی اگر غیر اللہ کو اس کی رضا و خوشنودی کی خاطر پکارے تو بھی ظالموں (مشرکوں) میں سے ہوگا۔

۵- ﴿ وَلَاتَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ آیت کی بھی تفسیر معلوم ہوئی۔

۶- غیر اللہ کو پکارنا کفر ہے، اور یہ عمل دنیا میں بھی لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

••

منافق یؤذی المؤمنین، فقال بعضهم) اور امام طبرانی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ:
'' نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں ایک منافق مومنوں کو تکالیف دیا کرتا تھا تو بعض صحابہ نے کہا'' یہ کہنے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ بعض روایات میں اس کی صراحت موجود ہے (قوموا بنا نستغیث برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من هذاالمنافق) ''کہ چلو ہم اس منافق سے گلوخلاصی کے لئے رسول اللہ ﷺ سے فریاد کرتے ہیں''
نبی اکرم ﷺ سے صحابہ کرام کا یہ مطالبہ ایک جائز مطالبہ تھا (یعنی یہ ایک جائز فریاد تھی) کیونکہ صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے اس چیز کے لئے فریاد کی تھی جس پر آپ اپنی زندگی میں قدرت

۷- تیسری آیت ﴿ فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ ﴾ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی۔

۸- اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے رزق طلب نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ اس کے سوا کسی اور سے طالب جنت نہیں ہونا چاہیے۔

۹- چوتھی آیت مبارکہ ﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ کی بھی تفسیر معلوم ہوئی۔

۱۰- جو شخص غیر اللہ کو پکارے یا اس سے فریاد کرے، اس سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں۔

۱۱- اللہ تعالیٰ کے سوا جنہیں پکارا جاتا ہے وہ پکارنے والے کی پکار سے بے خبر ہیں، وہ نہیں جانتے کہ انہیں کوئی پکار رہا ہے۔

۱۲- اللہ تعالیٰ کے سوا جس کو پکارا جاتا ہے وہ اس پکار کے سبب قیامت کے دن پکارنے والے کا دشمن ہوگا۔

۱۳- غیر اللہ کو پکارنا دراصل اس کی عبادت ہی ہے۔

۱۴- جن کو پکارا جاتا ہے وہ قیامت کے دن اس پرستش کا انکار کریں گے۔

۱۵- یہی غیر اللہ کو پکارنا ہی سب سے بڑا گمراہ ہونے کا سبب ہے۔

۱۶- پانچویں آیت مبارکہ ﴿ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ ﴾ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی۔

۱۷- حیران کن بات تو یہ ہے کہ بتوں کے پجاری بھی اس بات کے اقراری ہیں کہ

....

رکھتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ اس مقام پر یہ حیثیت رکھتے تھے کہ منافق کے قتل کا حکم صادر فرما کر یا اس کی قید، یا اس کے لئے سزا وغیرہ کا حکم دے کر ان کی فریادرسی کر دیتے، کیونکہ وہ مومنوں کو ایذا دیتا تھا، لیکن نبی اکرم ﷺ نے یہاں صحابہ کرام کو اس مسئلہ میں ادب سکھلایا، آپ نے فرمایا:

پریشان و بے قرار آدمی کی پکار کو صرف اللہ ہی سنتا ہے اور وہی نجات دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ مشکلات میں وہ بھی خالص اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔

۱۸- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے چمن توحید کی مکمل حفاظت فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہائی ادب واحترام کی تعلیم دی ہے۔

....

"إنه لا يستغاث بي ، و إنما يستغاث بالله " "کہ مجھ سے بھی فریاد نہیں کی جاسکتی ،فریاد تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی کی جاسکتی ہے۔"

یہاں پر صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسے مسئلہ پر معمولی سی توجہ کا اظہار کیا ہے جس پر آپ قدرت رکھتے تھے ،لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے ان کے لئے وضاحت فرمائی کہ ان پر واجب یہی ہے کہ وہ أولا اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد کریں۔

اس حدیث مبارک میں جو کچھ بیان ہوا ،سابقہ آیات بھی اسی پر دلالت کررہی ہیں۔

باب : ۱۴

باب قول الله تعالىٰ : ﴿ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا ....﴾ الآية

''کیا وہ ایسوں کو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، اور وہ نہ ان کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ وہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں''

سابقہ ابواب کے ذکر کے بعد اس باب کا ذکر کرنا بہترین مناسبت کا حامل ہے اور شیخ رحمہ اللہ کے فقیہ اور راسخ فی العلم ہونے کی عظیم دلیل ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے واجب ہونے اور اس کے معبود ہونے میں عبادت کے مستحق ہونے کی دلیل وہی ہے جو فطرت میں رکھ دی گئی ہے یعنی وہ اپنی ربوبیت میں اکیلا واحد ہے، چنانچہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کا مستحق عبادت ہونا اس کی دلیل فطری، واقعی اور عقلی ہے۔

پس اس باب میں یہ بیان ہے کہ وہ ذات جو پیدا کرتی ہے، رزق عطا کرتی ہے اور وہی مالک ہے وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ذات ہے، اور غیر اللہ کا تخلیق، رزق اور حکم دینے میں کچھ بھی حصہ نہیں اور حقیقت میں وہ کسی بھی چیز کا مالک نہیں حتیٰ کہ مرتبہ و مقام کے اعتبار سے کائنات کی سب سے اعلیٰ ہستی نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا:

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾ ''(اے پیارے نبی ﷺ!) آپ کے اختیار میں کچھ نہیں'' یعنی کسی بھی معاملے کا آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں، تو پھر کون مالک ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ سے اس چیز کی نفی کر دی گئی ہے تو آپ کے علاوہ جو لوگ ہیں وہ بدرجہ ء بھی اختیار کے کچھ مالک نہیں ہیں، وہ لوگ جو اصحاب قبور، یا برگزیدہ لوگوں، اولیاء اور

انبیاء کرام کا رخ کرتے ہیں ، ان کے ذہن میں یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی بہت سی چیزوں کے مالک ہیں ، یا تو ان کے پاس رزق کی کچھ ملکیت ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کی اجازت و مشیئت کے بغیر سفارش کر سکتے ہیں ، یا وسیلہ و واسطہ بن سکتے ہیں ، حالانکہ دراصل یہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں ، جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں ، اور جو ان سے مدد کا سوال کرے یہ ان کی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ کسی چیز کے مالک ہیں ، قرآن مجید میں بے شمار دلائل موجود ہیں کہ عبادت کا مستحق صرف ایک اللہ ہی ہے ، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں .

انہی دلائل و براہین میں سے وہ سب دلائل ہیں جن میں مشرکین کی جانب سے توحید ربوبیت کا اقرار و اعتراف منقول ہے ، اس طرح کے جتنے بھی دلائل ہیں ان سب میں یہ دلالت موجود ہے کہ عبادت کا بھی وہی مستحق ہے جس کے لئے تم نے رب ہونے کا اقرار کیا ہے .

اور انہی دلائل میں سے قرآن مجید کی یہ وضاحت بھی ہے کہ : اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسولوں اور اولیاء کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی .

اور انہی دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ : مخلوق کمزور اور ناتواں ہے ، ان کا اس دنیاوی زندگی میں ورود اپنے اختیار اور مرضی سے نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو ان کو اس دنیا میں لانے والی ہے ، اور اسی طرح اس زندگی سے رخصت بھی اپنی مرضی سے نہ ہو سکیں گے ، لھذا معلوم ہوا کہ یہ مخلوق مقہور و مغلوب ہے اور قطعی طور پر یہ معلوم ہے کہ جس نے اس مخلوق کو مغلوب بنایا ، اسے مطیع و پست کیا اور اسے اس حالت میں بنایا ہے ، وہ یہ باطل معبود نہیں بلکہ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ، وہ اکیلا ہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے ، یہ (ربوبیت کا) اقرار عام ہے سبھی اسے فطری طور پر جانتے ہیں .

اور انہی دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ : اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں اور اسی

فرمان الٰہی ہے :

﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴾ (فاطر : ۱۳)

''اور وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی مالک نہیں ہیں''

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

'' شج النبی صلی اللہ علیه وسلم یوم أحد ، وکسرت رباعیته ، فقال : کیف یفلح قوم شجوا نبیهم ؟ فنزلت :﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾(صحیح بخاری)

....

کے لئے بلند صفات ہیں اور وہ کامل اور بڑی بڑی صفات کا مالک ہے ، وہ پاک ذات ہے اسی کیلئے مطلق کمال ہے جس میں کسی بھی جہت سے نقص اور کمی واقع نہیں ہوتی ، اس کے تمام ناموں میں اور نہ اس کی صفات میں سے کسی صفت میں .

(وقوله : ﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴾)

''اور وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی مالک نہیں ہیں''

اس آیت مبارکہ میں محل شاہد یہ ہے : '' القطمیر '' کہ وہ گٹھلی کا چھلکا یا وہ دھاگہ جو گٹھلی کے اوپر کی جانب ہوتا ہے یہ اس کے بھی مالک نہیں ہیں تو جو چیزیں اس سے اعلیٰ درجے کی ہیں وہ من باب اولیٰ ان کے مالک نہیں ہو سکتے .

﴿ الذین ﴾ یہ اسم موصول ہے جو کہ ہر اس مخلوق کو شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا پکارا جاتا ہے خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء ورسل علیہم السلام ہوں ، نیک مردے ہوں یا برے ، یا جن وغیرہ ، یہ سب جنہیں پکارا گیا ہے خواہ وہ عاقل ہوں یا غیر عاقل ایک کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی مالک نہیں ہیں ، تو پھر ان سے سوال کیوں کیا جاتا ہے ؟ لهذا واجب اور ضروری ہے کہ سوال صرف

نبی اکرم ﷺ غزوہ اُحد میں زخمی ہو گئے اور آپ کے سامنے کے دو دانت شہید کر دیئے گئے تو آپ نے فرمایا: ایسی قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا ہے تو اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿ لَيۡسَ لَكَ مِنَ ٱلۡأَمۡرِ شَيۡءٌ ﴾ "اے پیغمبر! آپ کے اختیار میں کچھ بھی نہیں"۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اور "سمع الله لمن حمده ، ربنا ولك الحمد" کہنے کے بعد یہ فرماتے ہوئے سنا:

"اللهم العن فلانا وفلانا" "کہ یا اللہ فلاں اور فلاں پر لعنت فرما" اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ لَيۡسَ لَكَ مِنَ ٱلۡأَمۡرِ شَيۡءٌ ﴾ . (صحیح بخاری)

••

اس سے کیا جائے جو مالک ہے۔

(وفي الصحيح عن انس قال : " شج النبي صلى الله عليه وسلم يوم أحد ، وكسرت رباعيته ، فقال : كيف يفلح قوم شجوا نبيهم ؟ فنزلت : ﴿ لَيۡسَ لَكَ مِنَ ٱلۡأَمۡرِ شَيۡءٌ ﴾

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ غزوہ اُحد میں زخمی ہو گئے اور آپ کے سامنے کے دو دانت شہید کر دیئے گئے تو آپ نے فرمایا: ایسی قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا ہے تو اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: ﴿ لیس لک من الأمر شیء ﴾ "اے پیغمبر! آپ کے اختیار میں کچھ بھی نہیں"۔

(وفيه عن ابن عمر رضي الله عنه : أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : إذا رفع رأسه من الركوع في الركعة الأخيرة من الفجر : اللهم العن فلانا وفلانا بعدما يقول : سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد ، فأنزل الله ﴿ لَيۡسَ لَكَ مِنَ ٱلۡأَمۡرِ شَيۡءٌ ﴾).

ایک اور روایت میں ہے کہ :

" یدعو علی صفوان بن أمیة ، وسهیل بن عمرو ، والحارث بن هشام ، فنزلت : ﴿ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْأَمْرِ شَیْءٌ ﴾

آپ ﷺ صفوان بن اُمیہ ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام پر بد دعا فرمارہے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی : کہ " اے پیغمبر ! (اس معاملے میں) آپ کو کچھ اختیار نہیں "

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت ﴿ وَأَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْأَقْرَبِیْنَ ﴾ نازل ہوئی تو آپ کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے : " یا معشر قریش ، أو کلمة نحوها ، اشتروا أنفسکم لا أغنی عنکم من الله شیئا ، یا عباس بن عبد المطلب ، لا أغنی عنک من الله شیئا ، یا صفیة عمة رسول الله صلی الله علیه وسلم لا أغنی عنک من الله شیئا ، یا فاطمة بنت محمد سلینی من ما لی ما شئت لا أغنی عنک من الله شیئا " (متفق علیه)

....

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اور " سمع الله لمن حمده ، ربنا ولک الحمد " کہنے کے بعد یہ فرماتے ہوئے سنا : " اللهم العن فلانا وفلانا " " کہ یا اللہ فلاں اور فلاں پر لعنت فرما " اس پر یہ آیت نازل ہوئی : ﴿ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْأَمْرِ شَیْءٌ ﴾ . (صحیح بخاری)

(وفی روایة : " یدعو علی صفوان بن أمیة ، وسهیل بن عمرو ، والحارث بن هشام ، فنزلت : ﴿ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْأَمْرِ شَیْءٌ ﴾

ایک اور روایت میں ہے کہ : آپ ﷺ صفوان بن اُمیہ ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام پر بد دعا فرمارہے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی : کہ " اے پیغمبر ! (اس معاملے میں) آپ کو کچھ اختیار نہیں "

ان تمام احادیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں

"اے قریش کی جماعت ! یا اسی طرح کا کوئی اور کلمہ آپ نے ارشاد فرمایا ، اپنی جانیں چھڑا لو (یعنی اپنے آپ کو بچا لو) ، اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا ، اے عباس بن عبدالمطلب ! اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا ، اے میری پھوپھی صفیہ ! اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا ، اے میری لخت جگر فاطمہ ! میرے مال سے جو چاہو مانگ لو ، لیکن اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا" .

اس باب کے مسائل

۱- دونوں آیتوں کی تفسیر معلوم ہوئی (جن میں مخلوق کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے) .

۲- جنگ احد کا (مختصر سا) تذکرہ ہے .

۳- سید المرسلین ﷺ کا نماز میں قنوت پڑھنا اور صحابہ کرام کا پیچھے آمین کہنا ثابت

••

سے کسی چیز کے بھی مالک نہیں ہیں ، اور جب معاملہ ایسے ہی ہے اور آپ ﷺ نے اس بات کو پہنچا بھی دیا ہے اور اسے واضح بھی کر دیا ہے تو پھر دوسرا جو آپ سے کم درجے کا ہے وہ من باب اولی (کسی بھی چیز کا مالک نہیں) پس ملائکہ زیادہ لائق ہیں کہ ان سے اس چیز کی نفی کی جائے اور اسی طرح انبیاء کرام اور نیک لوگ جو کہ رسولوں کے پیروکار ہیں .

جب یہ بات طے ہے تو پھر غیر اللہ کی طرف تمام توجہات باطل ہو جاتی ہیں لھذا یہ واجب ہے کہ عبادت اور عبادت کی تمام اقسام دعا ، استغاثہ ، استعاذۃ ، ذبح اور نذر وغیرہ کے ذریعے صرف اور صرف اللہ وحدہ کا قصد کیا جائے .

(وفيه عن ابى هريرة رضى الله عنه قال : قام رسول الله صلى الله عليه وسلم حين أنزل عليه : ﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ ، فقال : يا معشر قريش ......) الحديث .

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایسا کوئی کام کرنے کی

ہے۔

۴- جن پر بددعا کی گئی تھی وہ کافر تھے۔

۵- ان لوگوں نے (آپ ﷺ کے ساتھ بدسلوکی کے) ایسے ایسے کام سرانجام دیئے، جن کے کرنے سے دیگر کفار بھی قاصر رہے، مثلاً ان کا اپنے نبی کو زخمی کرنا، اوران کے قتل کے درپے ہونا اور مسلمان شہداء کا مثلہ کرنا، حالانکہ وہ (شہداء) ان کفار کے عم زاد بھی تھے۔

۶- جب آپ نے کفار کے لئے بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ﴾۔

۷- اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: ﴿أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ﴾ "کہ اللہ تعالیٰ ان کفار کو معافی دے دے گا یا انہیں عذاب دے گا"۔ (اللہ تعالیٰ نے انہیں معافی دے دی تو وہ ایمان لے آئے)۔

۸- اس سے نزول حوادث کے موقعہ پر قنوت نازلہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔

۹- جن لوگوں پر بددعا کی جائے نماز میں ان کے اوران کے آباؤ اجداد کے نام لینا جائز ہیں۔

۱۰- قنوت نازلہ میں کسی متعین شخص کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔

۱۱- آیت ﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ کے نزول پر آپ ﷺ کا اپنے قریبی رشتہ داروں کو بلا کر اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا واقعہ بھی معلوم ہوا۔

۱۲- آپ ﷺ کا اس (توحید کے پہنچانے کے) معاملے میں انتھک محنت کرنا، جب

استطاعت نہیں رکھتے تھے جو رشتہ داروں کو فائدہ پہنچا سکے سوائے اس کے کہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اجازت دے رکھی تھی رسالت کے پہنچانے اور امانت کے ادا کرنے کی۔

آپ نے دعوت توحید دی تو آپ کو مجنون کہا گیا ، اسی طرح اگر آج بھی کوئی دعوت توحید دے تو اسے بھی ایسے ہی القاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔

۱۳ - آپ ﷺ کا قریبی اور دور کے رشتہ داروں سے یہ فرمانا کہ : میں اللہ کے ہاں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا ، حتی کہ یہی بات آپ نے اپنی لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمائی ۔

جب سید المرسلین ﷺ صراحتاً اپنی لخت جگر سیدۃ نساء العالمین سے یہ فرما رہے ہیں کہ اے بیٹی میں اللہ کے ہاں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا ، اور انسان کا ایمان بھی ہے کہ آپ کے منہ مبارک سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا تو :

پھر مندرجہ بالا صراحت کی روشنی میں آج کل کے حالات پر غور کیجئے کہ عوام ہی نہیں بلکہ خواص کے دلوں میں بھی یہ (شرک کی) بیماری گھر کر چکی ہے ، اگر آپ غور کریں گے تو آپ پر عقیدہ توحید اور دین کی اجنبیت واضح ہو جائیگی ۔

....

اور یہ معاملہ کہ آپ اللہ کے ہاں ان کے کچھ کام آئیں گے مثلاً عذاب اور سزا وغیرہ کو ان سے دور کروا دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ چیز آپ کو عطا نہیں کی اور نہ ہی اپنی مخلوق میں سے کسی اور کو اپنی بادشاہت سے کچھ عطا کیا ہے ۔ بلکہ وہ پاک ذات اکیلی ہی بادشاہت اور عظمت و طاقت کی سزاوار ہے اور وہ اکیلا ہی کمال ، جمال اور بزرگی سے متصف ہے ۔

باب : ۱۵

باب قول الله تعالیٰ : ﴿ حَتّٰی إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ......﴾ الآية

"جب ان فرشتوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے ؟ تو (اللہ کے مقرب فرشتے) کہتے ہیں کہ اس نے حق فرمایا ہے اور وہ عالی مقام (اور) بزرگ و برتر ہے۔"

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"إذا قضى الله الأمر في السماء ضربت الملائكة بأجنحتها خضعانا لقوله كأنه سلسلة على صفوان ينفذهم ذلك ﴿ حَتّٰى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴾ فيسمعها مسترق السمع ، ومسترق السمع هكذا بعضه فوق بعض - ووصفه سفيان بكفه ، فحرفها وبدد بين أصابعه - فيسمع الكلمة فيلقيها إلى من تحته ، ثم يلقيها الآخر إلى من تحته ، حتى يلقيها على لسان الساحر أو الكاهن ، فربما أدركه الشهاب قبل أن يلقيها ، وربما ألقاها قبل أن يدركه ، فيكذب معها مائة كذبة ، فيقال : أليس قد قال لنا يوم كذا وكذا ، كذا وكذا ؟ فيصدق بتلك الكلمة التي سمعت من السماء" (صحیح بخاری)

جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کوئی فیصلہ صادر فرماتے ہیں تو فرشتے اس کی حکم برداری میں یوں اپنے پر مارتے ہیں کہ گویا صاف پتھر پر زنجیر لگنے کی جھنکار ہے اور یہ فرمان ان فرشتوں تک پہنچ

....

وقوله : (فُزِّعَ) : اس کا معنی یہ ہے کہ جب فرشتوں کے دلوں سے گھبراہٹ زائل کی جاتی ہے .پس ملائکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا بہت گہرا علم رکھتے ہیں ، اور جو وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق جانتے ہیں

جاتا ہے ، حتی کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا ؟ تو (اللہ کے مقرب فرشتے) کہتے ہیں کہ اس نے جو کہا وہ برحق ہے اور وہ عالی مقام اور بزرگ و برتر ہے ، اللہ تعالیٰ کی اس بات کو شیاطین چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے ہیں ، یہ شیاطین ایک دوسرے کے اوپر یوں ہوتے ہیں یہ کہتے ہوئے حدیث کے راوی سفیان نے اپنے ہاتھ کو ٹیڑھا کیا اور انگلیوں کو ایک دوسری سے (ذرا) جدا کیا کہ شیاطین اس طرح ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں (سب سے اوپر والا) شیطان جب کوئی بات سن لیتا ہے تو وہ اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے کو ، یہاں تک کہ آخری شیطان وہ بات جادوگر یا کاہن (نجومی) کو بتا دیتا ہے ، کبھی تو کاہن تک وہ بات پہنچنے سے پہلے شہاب اسے جلا دیتا ہے اور کبھی شہاب کے آنے سے پہلے پہلے شیطان اسے بات بتا چکا ہوتا ہے ، تو کاہن شیطان کی بتائی ہوئی بات کے ساتھ سو جھوٹ ملاتا ہے ، اگر کبھی کوئی بات کاہن کے بتانے کے مطابق واقع ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ کیا فلاں روز کاہن نے ایسے ایسے نہیں کہا تھا ؟ چنانچہ صرف اسی بات کی وجہ سے جو آسمان سے سنی گئی ہوتی ہے کاہن کو سچا مان لیا جاتا ہے " .

نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" إذا أراد الله تعالىٰ أن يوحى بالأمر تكلم بالوحى ، أخذت السماوات منه رجفة أوقال : رعدة شديدة خوفا من الله ، فإذا سمع ذلك أهل السماوات

....

اس میں سے یہ ہے کہ وہ باری تعالیٰ زبردست ، بڑی عظمت والا اور وہی صاحب بادشاہت ہے ، اسی وجہ سے ان پر شدید گھبراہٹ طاری ہوتی ہے (جب وہ اس پاک ذات کا کلام سنتے ہیں) اور اس لئے بھی کہ اس ذات بابرکت سے ایک لمحہ کے لئے بھی بے پرواہ ہونا ممکن نہیں .

صعقوا ، وخروا لله سجدا ، فيكون أول من يرفع رأسه جبريل ، فيكلمه الله من وحيه بما أراد ، ثم يمر جبريل على الملا ئكة ، كلما مر بسما ء سأله ملا ئكتها ، ما ذا قال ربنا يا جبريل ؟ فيقول : قال : الحق ، وهو العلي الكبير ، فيقولون كلهم مثل ما قال جبريل ، فينتهي جبريل با لوحي إلى حيث أمره الله "

"اللہ تعالیٰ جب کسی بات کی وحی کا ارادہ فرماتے ہیں تو وہ وحی کے ذریعے کلام فرماتے ہیں ، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے تمام آسمانوں پر دہشت اور کپکپی طاری ہوجاتی ہے ، جب آسمان والے اس آواز کو سنتے ہیں تو بے ہوش کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں ، سب سے پہلے جبریل علیہ السلام اپنا سر اٹھاتے ہیں ، اللہ تعالیٰ اپنی وحی میں سے جو چاہتا ہے ان سے گفتگو فرماتا ہے ، پھر جبریل علیہ السلام ملائکہ کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں ؟ اے جبریل ! ہمارے رب نے کیا ارشاد فرمایا ؟ تو جبریل علیہ السلام کہتے ہیں : اس نے حق فرمایا ہے اور وہ عالی مقام اور بزرگ و برتر ہے ، پھر تمام فرشتے بھی یہی الفاظ دہراتے ہیں ، پھر جبریل علیہ السلام اس وحی کو جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہاں پہنچا دیتے ہیں"۔

اس باب کے مسائل

۱- سورہ سبا کی آیت کی تفسیر (جس میں وحی کے وقت فرشتوں کی کیفیت کا بیان ہے)

۲ - اس آیت مبارکہ میں ابطال شرک کی دلیل ہے ، بالخصوص ایسے شرک کی جس کا تعلق صالحین امت سے ہے اور اسی آیت کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ آیت دل سے شجرہ شرک کی جڑوں کو کاٹ پھینکتی ہے ۔

••

وہ صفات جن میں یہ (توحید عبادت کی) دلیل موجود ہے ، وہ اللہ تعالیٰ کی صفات جلال (عظمت والی صفات) ہیں کیونکہ مختلف اعتبارات سے صفات کی مختلف اقسام ہیں ، صفات کی تقسیمات میں سے

۳- اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی ہے۔ ۴- فرشتوں کے سوال کی وجہ اور سبب بھی آیت مبارکہ میں موجود ہے۔

۵- فرشتوں کے سوال پر جبریل علیہ السلام انہیں جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔ ۶- جب سب فرشتے بے ہوش ہو جاتے ہیں تو سب سے پہلے جبریل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں۔

۷- چونکہ ہر آسمان کے فرشتے جبریل سے سوال کرتے ہیں لھذا وہ سب کو جواب دیتے ہیں۔ ۸- بے ہوشی اور غشی آسمانوں کے تمام فرشتوں پر طاری ہوتی ہے۔

۹- اللہ تعالیٰ کے کلام سے آسمان لرز جاتے ہیں۔

۱۰- اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام وحی کو منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں

۱۱- شیاطین چوری چھپے اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۲- اس مقصد کے لئے وہ ایک دوسرے کے اوپر سوار ہوتے ہیں۔

۱۳- ان شیاطین کو مارنے کے لئے شہاب چھوڑے جاتے ہیں۔

۱۴- بسا اوقات کاہن تک بات پہنچنے سے قبل ہی شہاب اس شیطان کو خاکستر کر دیتا ہے اور کبھی شہاب کے آنے سے پہلے وہ شیطان اپنے انسانی دوست کو بات بتا چکا ہوتا ہے۔

۱۵- بعض اوقات کاہن کی بات سچی ہو جاتی ہے۔

۱۶- کاہن ایک سچی بات کے ساتھ سو جھوٹ بولتا ہے۔

۱۷- آسمان سے سنی گئی ایک سچی بات کی وجہ سے لوگ کاہن کے جھوٹوں کو بھی سچا مان

ایک تقسیم یہ ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں صفات جلال اور صفات جمال، وہ صفات جو دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف پیدا کرتی ہیں انہیں صفات جلال کہا جاتا ہے، اور درحقیقت صفات جلال سے جو

لیتے ہیں .۱۸- انسانی نفوس جھوٹ کو جلد قبول کر لیتے ہیں ، دیکھئے لوگ کاہن کی ایک بات کو پکڑ لیتے ہیں اور اس کے ساتھ سو غلط باتوں کو نہیں دیکھتے .

۱۹- لوگ اس ایک بات کو ایک دوسرے سے حاصل کر کے یاد کر لیتے ہیں اور پھر اس سے (دوسرے جھوٹوں کے صحیح ہونے پر) استدلال کرتے ہیں .

۲۰- اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہے جس میں اشاعرہ و معطلہ کا رد ہے کیونکہ وہ ان صفات کے منکر ہیں .

۲۱- آسمانوں کے رہنے والوں پر کپکپی اور غشی صرف اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے طاری ہوتی ہے .

۲۲- تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہوئے اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں .

••

ذات متصف ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ، کیونکہ وہ پاک ذات اپنی صفات میں کامل واکمل ہے ، جب اللہ تعالیٰ ہی کامل صفات سے متصف ہے تو پھر عبادت کا مستحق بھی وہی ہے جو اپنی صفات میں کامل واکمل ہے ، جبکہ بشر (انسان) ، انسانی مخلوق یہ اپنی صفات میں ناقص ہیں اور یہ جانتے بھی ہیں کہ ان کی زندگی ایک کامل زندگی نہیں ہے بلکہ یہ تو ایسی زندگی ہے جیسے ہی اسے موت کا عارضہ لاحق ہوا یہ ختم ہو جائیگی اور یہ مخلوق مردہ ہو جاتی ہے اور اگر کوئی اور عارضہ لاحق ہو تو یہ بیمار ہو جاتی ہے تو گویا یہ ایک کمزور ، ناتواں اور حاجت مند مخلوق ہے ان کے پاس صفات کمال نہیں ہیں اور یہی دلیل ہے جو ان کے نقص اور ان کی عاجزی پر دلالت کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ تو مقہور اور کسی کے غلام ہیں ، لھذا یہ واجب ہے کہ بندے اسی ذات کی طرف منہ کریں جو صاحب صفات کمال اور صفات جلال و جمال سے متصف ہے اور وہ صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ، اس باب کا مقصود بھی یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے یہ بات واضح اور ظاہر ہے .

باب :۱۶

شفاعت کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ أَنْ يُّحْشَرُوْا إِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ﴾ (الأنعام : ۵۱)

” (اے محمد ﷺ !) آپ اس قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو نصیحت کیجئے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے اس حال میں پیش کئے جائیں کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار یا سفارشی نہ ہو “۔

سابقہ دو بابوں کے بعد اس (شفاعت کے) باب کا ذکر نہایت ہی مناسب ہے وہ اس وجہ سے کہ جو لوگ نبی اکرم ﷺ یا آپ کے علاوہ اولیاء یا انبیاء کرام سے مانگتے اور فریاد کرتے ہیں، جب آپ ان لوگوں پر توحید ربوبیت کی فطری دلیل قائم کریں تو وہ جواب دیں گے کہ ہم بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں لیکن یہ (انبیاء واولیاء وصلحاء) اللہ کے مقرب اور اس کے ہاں عظمت والے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا ایک مقام و مرتبہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں گے ، جو بھی ان کا رخ کرے یہ اسے سفارش کے ذریعے راضی کر دیتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی ایک جاہ (عزت ومقام) ہے اور یہ وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ عطا کیا ہے اسی وجہ سے ان کی سفارش قبول ہوگی۔

شیخ رحمہ اللہ نے مشرکین کی حالت اور ان کے دلائل کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا: اگر آپ ان سے بحث ومناظرہ کریں تو (سابقہ دونوں بابوں کے بیان کے بعد) ان کے پاس اب سوائے شفاعت کے راستہ کے اور کوئی راستہ نہیں لھذا یہ شفاعت کا باب ہے (اسے بھی غور سے سمجھ لو)۔

شفاعت کا معنی دعا ہے جب کوئی کہنے والا یہ کہے " أستشفع برسول الله صلى الله عليه وسلم" گویا کہ اس نے یہ کہا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا کا طلبگار ہوں ، یعنی اس میں دعا اور طلب دونوں معنی موجود ہیں لھذا کتاب وسنت سے جتنے بھی دلائل پیچھے گزر چکے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارنے کا رد ہے وہ سب مردوں سے اور وہ لوگ جو دار فانی سے کوچ کر چکے ہیں ان سے شفاعت کو طلب کرنے کے رد اور بطلان پر کافی وشافی ہیں .

پس شفاعت کو طلب کرنے کے لئے غیر اللہ کا رخ کرنا ، اور غیر اللہ بھی وہ جو مردہ ہے تو پھر یہ شرک اکبر ہے لیکن اگر وہ زندہ ہے تو اس سے شفاعت طلب کرنا جائز ہے اس لئے کہ وہ دار تکلیف میں ہے اور وہ جواب دینے پر قدرت رکھتا ہے ، اللہ تعالیٰ نے اس سے شفاعت طلب کرنے کی اجازت دی ہے کہ وہ ان کے لئے دعا کریں ، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام عہد رسالت میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آتے اور آپ سے شفاعت طلب کرتے ، یعنی یہ کہ آپ اس کے لئے دعا کریں .

(یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ) ہر شفاعت قبول نہیں ہوتی ، بلکہ بعض شفاعتیں مقبول ہوتی ہیں اور بعض کو رد کر دیا جاتا ہے ، قبول کی بھی کچھ شرائط ہیں اور رد کے بھی کچھ اوصاف ہیں .

اس تمہید سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن مجید اور سنت نبویہ میں شفاعت کی دو قسمیں ہیں :

۱- شفاعت منفیہ ۲- شفاعت مثبتہ

۱- **شفاعت منفیہ** : اس سے مراد وہ سفارش ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے نفی کی ہے ، اور یہ وہی شفاعت ہے جس پر شیخ رحمہ اللہ نے اس باب میں سب سے پہلی دلیل ذکر کی ہے .

اور وہ یہ ہے :

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ﴾ (الزمر : ۴۴) ''آپ کہہ دیجئے کہ ہر قسم کی شفاعت اللہ ہی کے لئے ہے'' اور فرمایا :

﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ إِلَّا بِإِذْنِهٖ ﴾ (البقرة : ۲۵۵)

''کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے''

(وقول الله عزوجل : ﴿ وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ أَنْ يُّحْشَرُوْا إِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ﴾

''(اے محمد ﷺ !) آپ اس قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو نصیحت کیجئے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے اس حال میں پیش کئے جائیں کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار یا سفارشی نہ ہو''.

یہ شفاعت اہل توحید کے سوا ہر ایک سے منفی ہے اور ان کی شفاعت قبول ہوگی لیکن شروط کے ساتھ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں : سفارش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سفارش کی اجازت ہو، اس پر اور جس کے حق میں سفارش کی جارہی ہے دونوں پر اللہ تعالیٰ راضی ہوں .

درحقیقت شفاعت (کا حق) اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کے سوا اس کا کوئی مالک نہیں ، اسی وجہ سے شیخ رحمہ اللہ نے پہلی آیت کے بعد یہ آیت ذکر کی ہے : ﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ﴾ ''آپ کہہ دیجئے کہ ہر قسم کی شفاعت اللہ ہی کے لئے ہے''

تو ثابت ہوا کہ شفاعت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے ، اہل ایمان اور غیر اہل ایمان سبھی کا حقیقت میں اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی سفارشی ، بلکہ لازمی امر ہے کہ شفاعت اللہ ہی کے ساتھ ہوگی ، یعنی اس کی اجازت اور رضامندی کے ساتھ .

شفاعت فائدہ دیتی ہے لیکن کچھ شروط کے ساتھ ، اسی لئے مصنف رحمہ اللہ نے اس کے بعد

اور فرمایا :

﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَّأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَرْضٰى ﴾ (النجم : ۲۶)

''اور آسمانوں کے کتنے ہی فرشتے ہیں کہ جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ جس کے لئے شفاعت کی اجازت دے اور پسند کرے ''

....

دو اور آیتیں ذکر کی ہیں ، فرمایا :

﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ إِلَّا بِإِذْنِهٖ ﴾

'' کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے '' اور فرمایا :

﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَّأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَرْضٰى ﴾

''اور آسمانوں کے کتنے ہی فرشتے ہیں کہ جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ جس کے لئے شفاعت کی اجازت دے اور پسند کرے ''

پہلی آیت مبارکہ سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں ''اذن'' کی قید ذکر کی ہے ، کہ کسی کو بھی شفاعت کی اجازت نہیں مگر ایک شرط کے ساتھ ، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اجازت دے دے ، خواہ وہ کوئی فرشتہ ہو یا نبی ، یا کوئی مقرب بندہ ہو ، کیونکہ شفاعت اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہے ، اور وہی جسے چاہتا ہے توفیق دیتا ہے ، کوئی بھی اس کی مرضی کے بغیر کسی کی سفارش میں ابتدا نہیں کرسکتا .

اسی طرح دوسری آیت میں بھی فرمایا : ﴿ إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَّأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاءُ ﴾ یعنی اس وقت تک جب تک وہ کسی سفارش کرنے والے کو سفارش کی اجازت نہ دے دے .

﴿ وَيَرْضٰى ﴾ اور وہ شفاعت کرنے والے اور جس کے حق میں شفاعت کی جارہی ہے دونوں سے راضی ہو (تب شفاعت فائدہ دے سکتی ہے ورنہ نہیں) .

اور فرمایا:

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ﴾ (سبا: ۲۲، ۲۳)

" (اے محمد ﷺ! ان مشرکین سے) کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جن کو تم معبود سمجھتے ہو انہیں پکار کر دیکھو، وہ آسمانوں اور زمین میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں ہیں اور ان دونوں

....

ان شروط کا فائدہ (وہی اس باب کا فائدہ ہیں)، یہ کہ کوئی بھی ان مخلوقات کے ساتھ جن سے شفاعت طلب کی جاتی ہے (دلی) تعلق قائم نہ کرے، اور یہ خیال نہ کرے کہ اللہ کے ہاں ان کا مقام و مرتبہ ہے جس کی وجہ سے شفاعت کرنا ان کی ملکیت میں ہے جیسا کہ مشرکین اپنے معبودوں کے بارے میں بالجزم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ان کی سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی سفارش کو رد نہیں فرمائیں گے۔

ان آیات میں مشرکین کے دعویٰ کا ابطال ہے کہ کوئی بھی اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ ہی مشفوع کے حق میں اللہ کی رضا کے بغیر کوئی شفاعت کر سکتا ہے، اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ کوئی بھی اس کا مالک و مختار نہیں، اور جو کوئی بھی شفاعت کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے اس شخص کا اکرام کرنے کی وجہ سے اور اس کی اجازت سے شفاعت کرے گا، پتہ نہیں لوگ کیسے مخلوق سے دل لگا بیٹھتے ہیں؟ لھذا ضروری ہے کہ تعلق اسی کے ساتھ قائم کیا جائے جو شفاعت کا مالک و مختار ہے، قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ شفاعت فرمائیں گے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، لیکن ہم یہ شفاعت کس سے طلب کریں؟ ہمیں صرف ایک اللہ سے اسے طلب کرنا ہوگا. ہمیں ایسے کہنا چاہیے اور دعا مانگنی چاہیے " اللھم شفع فینا نبیک " "اے اللہ اپنے نبی ﷺ کو ہمارے لئے شفاعت کرنے والا بنا دے. کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نبی ﷺ کو الہام فرمائیں گے اور بتائیں گے کہ

(زمین وآسمان کی ملکیت یا تخلیق) میں ان کا کوئی حصہ نہیں ، اور نہ کوئی ان میں سے اللہ کا مددگار ہے .اللہ کے حضور کوئی سفارش بھی مفید نہ ہوگی مگر اس کے لئے جس کے بارے میں وہ سفارش کی اجازت بخش دے''.

••

فلاں اور فلاں کے لئے شفاعت کرو جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ اے اللہ ! نبی اکرم ﷺ کو ہمارا سفارشی بنادے ، اسی وجہ سے شیخ رحمہ اللہ نے اس کے بعد آیت سبا کو ذکر فرمایا ہے .

(وقوله : ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُم مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴾

" (اے محمد ﷺ ! ان مشرکین سے) کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جن کو تم معبود سمجھتے ہو انہیں پکار کر دیکھو ، وہ آسمانوں اور زمین میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں ہیں اور ان دونوں (زمین وآسمان کی ملکیت یا تخلیق) میں ان کا کوئی حصہ نہیں ، اور نہ کوئی ان میں سے اللہ کا مددگار ہے "

اس آیت مبارکہ میں چار حالتوں کو بیان کیا گیا ہے :

۱ - جن کو وہ اللہ کے سوا معبود مانتے ہیں انہیں پکاریں اور دیکھیں کہ کیا وہ آسمانوں یا زمین میں ایک ذرہ کے بھی مالک ہیں ، فرمایا : ﴿ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾ "وہ آسمانوں اور زمین میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں ہیں " یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی استقلالی ملکیت کی نفی فرمادی ہے .

۲ - فرمایا : ﴿ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ﴾ "اور ان کے لئے ان دونوں میں کسی کی شراکت بھی نہیں " یہاں ان کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بادشاہت ، تدبیر کرنے یا آسمان وزمین کی ملکیت میں شراکت کی نفی کی گئی ہے .

۳ - اور فرمایا : ﴿وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴾ "اور اس کے لئے ان میں سے کوئی مددگار بھی نہیں ہے .اللہ تعالیٰ نے اپنی بلند ذات کو جو ہر چیز سے مستغنی ہے اس بات سے منزہ فرمایا ہے کہ

شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ تمام مخلوق سے ان باتوں کی نفی کردی جن سے مشرکین استدلال کرتے تھے چناچہ اس بات کی نفی کی کہ کسی غیر کے لئے کلی ملکیت ہو یا جزوی ، یا کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار و معاون ہو ، باقی صرف شفاعت رہ جاتی ہے اس میں بھی وضاحت فرمادی کہ یہ بھی اس کے لئے فائدہ مند ہوگی جس کے حق میں اللہ تعالیٰ بذات خود سفارش کی اجازت دیں گے ، جیسا کہ فرمایا : ﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ ﴾ ''اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرسکتے سوائے اس کے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو '' پس وہ سفارش جس کے مشرکین قائل ہیں ، قیامت کے روز وہ معدوم ہوگی (یعنی انہیں حاصل نہ ہوگی) جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی نفی کی

....

ان باطل معبودوں میں سے خواہ وہ بت ہوں یا مردے ، کوئی اس کا وزیر یا معاون ہو یا بندوں کے معاملات کا کچھ حصہ کسی کے سپرد کیا گیا ہو (وہ ان سب چیزوں سے منزہ و بری ہے)

۴- آخر میں آخری اعتقاد کی بھی نفی کردی ، وہ یہ کہ یہ باطل معبود شفاعت کے مالک ہیں ، فرمایا : ﴿ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ﴾ '' اللہ کے حضور کوئی سفارش بھی فائدہ نہ دے گی مگر اسکے لئے جس کے بارے میں وہ سفارش کی اجازت دے دے ''

تو سب سے آخر میں جس چیز کی نفی کی گئی وہ شفاعت ہے لیکن اسے اجازت کی شرط کے ساتھ ثابت بھی کیا ہے فرمایا : ﴿ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ﴾ '' اللہ کے حضور کوئی سفارش بھی فائدہ نہ دے گی مگر اسکے لئے جس کے بارے میں وہ سفارش کی اجازت دے دے ''

پس کون ہے وہ جسے شفاعت کی اجازت دی جائیگی ؟ اور کس سے اللہ تعالیٰ راضی ہونگے کہ وہ سفارش کرے ؟ اور کس سے راضی ہونگے کہ اس کے حق میں سفارش کی جائے ؟ ان تینوں

ہے ، اور نبی اکرم ﷺ نے بھی خبر دی ہے کہ

” أنه يأتي فيسجد لربه ، ويحمده ، لا يبدأ بالشفاعة أولا ، ثم يقال له : ارفع رأسک ، وقل يسمع ، وسل تعط ، واشفع تشفع “

” آپ ﷺ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوکر فوراً سفارش کی بجائے ، اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونگے اور اس کی حمد وثنا بیان کریں گے ، پھر آپ سے کہا جائیگا ، اپنا سر اٹھائیں اور بات کریں ، آپ کی بات سنی جائیگی ، آپ سوال کریں ، آپ جو مانگیں گے دیا جائیگا ، آپ سفارش کریں آپ کی سفارش قبول ہوگی “

••

الوں کا جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کلام میں موجود ہے ۔

(قال ابوالعباس : نفى الله عما سواه كل مايتعلق به المشركون ، فنفى أن يكون لغيره ملك ، أو قسط منه ، أو يكون عونا لله ، ولم يبق إلا الشفاعة ، فبين أنها لاتنفع إلا لمن أذن له الرب ، كما قال : ﴿ وَلَا يَشْفَعُوْنَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ﴾ فهذه الشفاعة منتفية يوم القيامة ، كما نفاها القرآن ......)

شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

” اللہ تعالیٰ نے اپنے علاوہ تمام مخلوق سے ان باتوں کی نفی کردی جن سے مشرکین استدلال کرتے تھے چنانچہ اس بات کی نفی کی کہ کسی غیر کے لئے کلی ملکیت ہو یا جزوی ، یا کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار و معاون ہو ، باقی صرف شفاعت رہ جاتی ہے اس میں بھی وضاحت فرمادی کہ یہ بھی اس کے لئے فائدہ مند ہوگی جس کے حق میں اللہ تعالیٰ بذات خود سفارش کی اجازت دیں گے ، جیسا کہ فرمایا : ﴿ وَلَا يَشْفَعُوْنَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ﴾ ” اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرسکتے سوائے اس کے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو “ پس وہ سفارش جس کے مشرکین قائل ہیں ، قیامت کے روز وہ معدوم ہوگی (یعنی انہیں حاصل نہ ہوگی) جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی نفی کی ہے .... “

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ! سب سے زیادہ خوش نصیب کون ہے جو آپ کی سفارش کا حق دار ہوگا ؟ آپ ﷺ نے فرمایا :

” من قال لا إله إلا الله خالصا من قلبه “ ”جس نے خلوص دل سے کلمہ ”لا إله إلا الله“ کا اقرار کیا“

پس اس سے ثابت ہوا کہ وہ سفارش جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوگی وہ صرف خلوص

....

قیامت کے دن معدوم ہوگی اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی شروط کے بغیر معدوم ہوگی ، کیونکہ مشرکین کا یہ اعتقاد ہے کہ شفاعت اللہ تعالیٰ کی رضا اور اجازت کے بغیر حاصل ہوگی ، اس لئے کہ ان کے ہاں سفارش کرنے والا بذات خود شفاعت کا مالک ہے ، لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) شفاعت حاصل ضرور ہوگی لیکن شرط کے ساتھ جیسا کہ کتاب وسنت میں اس کا ثبوت موجود ہے .

قال : (........يأتي فيسجد لربه ويحمده)” کہ آپ ﷺ (قیامت کے روز) تشریف لائیں گے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونگے اور اس کی حمد وثنا بیان کریں گے “یعنی آپ فوراً شفاعت نہیں فرمائیں گے بلکہ پہلے یہ عمل کریں گے .

(ثم يقال له : ارفع رأسك ، وقل يسمع ، وسل تعط ، واشفع تشفع “ ”پھر آپ سے کہا جائیگا کہ اپنا سر اٹھائیں اور بات کریں ، آپ کی بات سنی جائے گی ، آپ سوال کریں ، آپ جو مانگیں گے دیا جائے گا ، اور آپ سفارش کریں ، آپ کی سفارش قبول ہوگی “

اس حدیث میں دلیل ہے کہ شفاعت کے لئے اذن ہوگا ، یعنی آپ ﷺ کو اجازت دی جائے گی اور اسی طرح دوسروں کو بھی اجازت ہوگی ، تو کوئی بھی فوراً شفاعت سے ابتداء نہیں کرے گا بلکہ وہ شفاعت کی اجازت طلب کریں گے تو ان کو اجازت دی جائے گی کیونکہ وہ اس کے مالک نہیں ہیں بلکہ شفاعت کا حقیقی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے .

(وقال أبو هريرة) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا یعنی نبی اکرم ﷺ سے (من أسعد الناس

دل سے کلمہ کا اقرار کرنے والوں کے لئے ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں کو حاصل نہ ہوگی.

اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلص اہل توحید پر اپنا خصوصی فضل فرمائے گا اور جن کو سفارش کی اجازت دے گا ان کی دعا کے سبب اہل توحید کی مغفرت کرے گا، تاکہ اس طرح سفارش کرنے والے (رسول اللہ ﷺ) کا اکرام ہو جائے اور وہ مقام محمود کو حاصل کر لیں.

بشفاعتک ؟ قال : من قال : لا إله إلا الله خالصا من قلبه) سب سے زیادہ خوش نصیب کون ہے جو آپ کی سفارش کا حق دار ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا : ''جس نے خلوص دل سے کلمہ" لا إله إلا الله " کا اقرار کیا ''یعنی وہ شخص جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہونگے اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفارش کریں گے وہ صاحب توحید اور صاحب اخلاص ہے، لھذا اہل شرک سے یہ سفارش معدوم ہوگی، اسی لئے شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا :

(فتلك الشفاعة لأهل الاخلاص بإذن الله ، ولا تكون لمن أشرك بالله) '' کہ یہ شفاعت اللہ کی اجازت سے صرف اہل اخلاص کے لئے ہوگی اور مشرکوں کو حاصل نہ ہوگی'' جب یہ بات طے ہے تو پھر وہ شخص جو مردوں، رسولوں، انبیاء کرام، نیک لوگوں یا برے لوگوں کا رخ کرتا ہے اور ان سے شفاعت طلب کرتا ہے وہ مشرک ہے، کیونکہ اس نے غیر اللہ کو پکارا ہے اور یہ شفاعت کے مالک نہیں ہیں، بلکہ یہ تو اللہ کی اجازت اور اس کی رضا مندی کے بعد شفاعت کریں گے، اور رضا مندی صرف اہل توحید سے ہوگی، اور اہل توحید وہ ہیں جو مردوں سے کبھی شفاعت طلب نہیں کرتے، لھذا ہر وہ شخص جس نے کسی مردے سے شفاعت طلب کی تو اس نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے محروم کر دیا، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کیا ہے.

پس جس شفاعت کا قرآن نے انکار کیا ہے اس سے مراد وہ شفاعت ہے جس میں شرک کی آمیزش ہو، اسی وجہ سے متعدد مقامات پر اس (اللہ تعالیٰ) کی اجازت سے شفاعت کا اثبات کیا ہے، اور نبی اکرم ﷺ نے وضاحت فرمادی ہے کہ شفاعت صرف اہل توحید اور اہل اخلاص کے لئے ہوگی'' انتھی!

....

(وحقيقته) : ''اور اس کی حقیقت یہ ہے'' اس کا معنی یہ ہے کہ شفاعت کے حصول کی کیا حقیقت ہے؟ وہ کیسے حاصل ہوگی؟ اس کا جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے کلام میں موجود ہے فرمایا :(أن الله سبحانه هو الذى يتفضل على أهل الاخلاص ، فيغفر لهم بواسطة دعاء من أذن له أن يشفع ليكرمه ، وينال المقام المحمود)

'' اللہ تعالیٰ مخلص اہل توحید پر اپنا خصوصی فضل فرمائے گا اور جن کو شفاعت کی اجازت دے گا، ان کے سبب اہل توحید کی مغفرت کرے گا، تا کہ وہ اس طرح سفارش کرنے والے (رسول اللہ ﷺ) کا اکرام کرے اور وہ مقام محمود کو حاصل کرلیں''

یہاں اللہ تعالیٰ نے بالواسطہ مغفرت فرمائی ہے تا کہ شفاعت کرنے والے کی فضیلت کا اظہار ہو اور اللہ کی جانب سے اس کا اکرام بھی ہو اور اس کے ساتھ اس کی رحمت کا ظہور بھی ہو، یہ ہے شفاعت کی حقیقت، کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائیں گے اور اپنی اجازت سے کی جانے والی شفاعت کو قبول فرمائیں گے، چنانچہ سفارش کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا اور اس کا اکرام ہوگا کہ وہ سفارش کرے، اور جس کے حق میں سفارش کی گئی ہے اس پر فضل اور رحم فرمائے گا کہ اس کے حق میں شفاعت قبول کی جائے گی لھذا یہ ثابت ہوا کہ یہ تمام کی تمام شفاعت اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے بادشاہت کے ساتھ متفرد ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ بشرطیکہ اس میں غور کرنے والا صاحب دل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمام شفاعت کا مالک ہے اور اسی کے پاس ہر امر کی ملکیت ہے، جب یہ بات ثابت ہوگئی تو پھر واجب ہے کہ دل شفاعت کے حصول کی امید اسی اللہ عزوجل سے لگائیں جو اس کا

اس باب کے مسائل

۱- ان آیات قرآنیہ کی تفسیر (جن میں اللہ کے سامنے شفاعت کا بیان ہے)

۲- وہ شفاعت جس کی نفی کی گئی ہے اس کی وضاحت معلوم ہوئی.

۳- وہ شفاعت جو ثابت ہے اور قبول ہوگی اس کی وضاحت بھی معلوم ہوئی.

مالک ہے.

(فالشفاعة التى نفاها القرآن ما كان فيها شرك) ''قرآن مجید نے جس شفاعت کا انکار کیا ہے اس سے مراد وہ شفاعت ہے جس میں شرک موجود ہے'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہے:

﴿ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ﴾ ''نہیں ہے ان کے لئے اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا کوئی دوست اور نہ ہی کوئی سفارش کرنے والا''

یہ ہے وہ شفاعت جس کی نفی کی گئی ہے اور یہ وہی شفاعت ہے جس میں شرک کی آمیزش ہے ،اسی طرح اہل شرک کو بھی شفاعت حاصل نہ ہوگی کیونکہ وہ (اللہ تعالیٰ) ان سے راضی نہیں ہے.

اس تفصیل سے جب یہ ثابت ہوگیا کہ شفاعت کا حق دار وہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام کیا ہے اسے اپنی تعظیم کی توفیق سے نوازا ہے اور اس کا دل اس کے سوا کسی اور سے معلق بھی نہیں ہے تو پھر یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ہر وہ مشرک جو شرک اکبر کا مرتکب ہے اس سے یہ شفاعت معدوم ہوگی (یعنی اسے حاصل نہ ہوگی) کیونکہ شفاعت تو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جو صرف اہل اخلاص اور اہل توحید کے لئے ہے.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا:

''ولهذا أثبت الشفاعة بإذنه في مواضع'' ''یہی وجہ کہ متعدد مقامات پر (اللہ تعالیٰ

۴- شفاعت کبریٰ کا ذکر ہے جسے مقام محمود کہتے ہیں.

۵- آپ ﷺ کی شفاعت کے انداز کا بیان ہے کہ آپ ﷺ جاتے ہی شفاعت نہیں کریں گے بلکہ پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہونگے ، پھر اجازت ملنے پر شفاعت فرمائیں گے.

نے) اپنے اذن سے شفاعت کا اثبات فرمایا ہے " یہ ہے وہ شفاعت جو ثابت ہے، یعنی اذن کی شرط کے ساتھ اس کو ثابت کیا ہے اور اذن کونی و شرعی دوطرح کا ہوتا ہے ، ایسا ممکن نہیں کہ جس کو سفارش کرنے کی اجازت دی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے کونی اذن کے بغیر سفارش کرے.

اگر اللہ تعالیٰ اسے کوناً منع کر دے تو اس سے قطعاً شفاعت حاصل نہ ہوگی بلکہ سرے سے اس کے لئے اس کی زبان گویا ہی نہیں ہوگی ، اسی طرح شفاعت میں اذن شرعی یہ ہے کہ شفاعت میں شرک کی آمیزش نہ ہو اور جس کے حق میں شفاعت کی جارہی ہے وہ اہل شرک سے نہ ہو لیکن اس سے ابوطالب مستثنیٰ ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ ان کے لئے تخفیف عذاب کی شفاعت فرمائیں گے ، لیکن یہ شفاعت جہنم سے اخراج کا فائدہ نہ دے گی بلکہ صرف تخفیف عذاب کے متعلق ہوگی ، اور یہ بھی صرف آپ کے ساتھ خاص ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو اس کی اجازت دی ہے.

فرمایا : " وقد بين النبي صلى الله عليه وسلم أنها لا تكون إلا لأهل التوحيد والاخلاص " " اور نبی اکرم ﷺ نے یہ وضاحت فرمادی کہ یہ شفاعت صرف اہل توحید اور اہل اخلاص ہی کو حاصل ہوگی "

اس باب سے یہ ثابت ہوگیا کہ وہ شفاعت جس کے ساتھ اہل خرافات کے دل معلق ہیں یا جو اس کی غیراللہ سے امید لگائے بیٹھے ہیں وہ شفاعت باطل ہے اور ان کا یہ کہنا ﴿ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ " کہ یہ (بزرگ و باطل معبود) ہمارے اللہ کے ہاں سفارشی ہیں " یہ ایک جھوٹا قول ہے کیونکہ سفارش صرف اہل اخلاص کو فائدہ دے گی ، اور جب انہوں نے شفاعت غیراللہ سے طلب کی تو گویا کہ ان کا

۶ - شفاعت لینے والا سب سے زیادہ خوش نصیب کون ہوگا ؟ اس کا بیان ہے .

۷- اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں کو شفاعت حاصل نہ ہوگی .

۸- حقیقت شفاعت کا بیان ہے .

غیر اللہ سے شفاعت کا سوال کرنا ان کے شفاعت سے محروم ہونے کا اعلان ہے کیونکہ یہی بات (غیر اللہ سے سوال کرنا) اخلاص کے منافی ہے اور شفاعت صرف اہل اخلاص کے لئے ہے .

خلاصہ باب : اس باب کا خلاصہ یہی ہے کہ اہل خرافات کا غیر اللہ سے شفاعت کی امید لگانا ، ان کے لئے فائدہ کی بجائے الٹا ان کے لئے وبال ہوگا ، کیونکہ جیسے ہی انہوں نے اس کی غیر اللہ سے امید لگائی وہ اس سے محروم کر دیئے گئے کیونکہ انہوں نے ایسی چیز سے امید وابستہ کی جس کی اللہ تعالیٰ نے شرعاً اجازت نہیں دی ، یعنی انہوں شرکیہ شفاعات کا استعمال کیا ، غیر اللہ کا قصد کیا اور غیر اللہ ہی سے دلی امیدیں وابستہ کیں .

باب : ۱۷

ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں

ارشاد الٰہی ہے :

﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ﴾ (القصص : ۵۶)

" (اے محمد ﷺ !) آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے ، لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دے دیتا ہے " .

﴿ لا ﴾ یہ نافیہ ہے ، اور کلمہ ﴿ تهدی ﴾ میں جس ہدایت کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد ہدایت توفیق والہام اور خاص اعانت ہے اور اسی کو علماء کرام ہدایت توفیق والہام کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی خاص اعانت فرماتے ہیں کہ اس کے دل میں ہدایت کو قبول کرنے کا مادہ پیدا کر دیتے ہیں جو کہ کسی غیر کو حاصل نہیں ہوتا ، اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دینے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے ہدایت قبول کرنے کی توفیق فرما دیتے ہیں جس سے وہ بندہ ہدایت قبول کر لیتا ہے اور پھر اس کے لئے کوشش کرتا ہے ، تو اس چیز کا دلوں میں پیدا کرنا نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں ، کیونکہ دل تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ جیسے چاہتا ہے ان کو پلٹ دیتا ہے ، حتی کہ نبی اکرم ﷺ جس سے محبت کرتے ہیں اسے بھی ہدایت توفیق دینے کی استطاعت نہیں رکھتے (یہ ہدایت کی پہلی قسم ہے).

ہدایت کی دوسری قسم جو مکلّف (عاقل وبالغ انسان) سے متعلق ہے وہ ہدایت دلالت وارشاد ہے (یعنی راہنمائی کرنا) اور یہ قسم بالخصوص نبی اکرم ﷺ کے لئے اور بالعموم ہر نبی ورسول اور ہر داعی إلی اللہ کے لئے ثابت ہے ، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾

" آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ایک راہنما ہوتا ہے " .

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں عبداللہ بن أبی أمیہ اورابوجہل بھی بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا :

”یا عم قل لا إله إلا الله ، كلمة أحاج لك بها عند الله ، فقالا له : أترغب عن ملة عبدالمطلب ؟ فأعاد عليه النبى صلى الله عليه وسلم فأعادا : فكان آخر ماقال : هو على ملة عبد المطلب ، وأبىٰ أن يقول : لا إله إلا الله ، فقال النبى صلى الله عليه وسلم لأستغفرن لك مالم أنه عنك ، فأنزل الله عزوجل :

....

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کے بارے میں فرمایا :

﴿ وَإِنَّكَ لَتَهْدِیٓ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ صِرَاطِ اللّٰهِ ﴾

”اور بے شک آپ تو سیدھے راستے کی جانب راہنمائی کرنے والے ہیں جو کہ اللہ کا راستہ ہے“

﴿ لتهدى ﴾ کا معنی یہ ہے کہ آپ دلالت اور راہنمائی کے بہترین طریقہ کے ساتھ دلالت کرنے والے اور سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں ، اور اس [illegible] ادی کی (یعنی آپ کی) سچائی پر دلالت کرنے کے لئے معجزات اور دلائل سے تائید کی گئی ہے .

رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا عظیم مرتبہ ومقام ہے اس کے باوجود جب آپ سے ہدات توفیق کی نفی کردی گئی تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو لوگ ، اہم مطالب ، ہدایت ، بخشش ، خوشنودی ورضامندی ، بھلائیوں کے حصول اور برائیوں ومصائب سے نجات حاصل کرنے کے لئے غیراللہ سے تعلق قائم کرتے ہیں وہ سب باطل ہے .

(وفى الصحيح عن ابن المسيب عن أبيه قال : لماحضرت أبا طالب الوفاة جاء ه رسول الله صلى الله عليه وسلم وعنده عبد الله بن أبى أمية ، وأبو جهل ، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم : ”يا عم قل لا إله إلا الله ، كلمة أحاج لك بها

﴿ مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى ﴾ وأنزل الله في أبي طالب : ﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴾ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

"اے چچا جان کلمہ "لا إله إلا الله" کا اقرار کرلو، میں تمہارے لئے یہی کلمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور دلیل پیش کروں گا، وہ دونوں (عبداللہ بن أبي أمیہ اور ابوجہل) بولے: کیا تم عبدالمطلب کے مذہب کو چھوڑ دو گے؟ آپ ﷺ اور وہ دونوں اپنی اپنی بات دہراتے رہے، چناچہ ابو طالب آخر میں یہی کہا کہ وہ عبدالمطلب کے مذہب پر قائم ہے اور "لا إله إلا الله" کا اقرار کرنے سے انکار کردیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تک مجھے روکا نہ گیا میں تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

عند الله، فقالا له: أترغب عن ملة عبدالمطلب؟ فأعاد عليه النبي صلى الله عليه وسلم فأعادا: فكان آخر ماقال: هو على ملة عبد المطلب، وأبى أن يقول: لا إله إلا الله، فقال النبي صلى الله عليه وسلم لأستغفرن لك مالم أنه عنك"

صحیح بخاری و مسلم میں سعید بن میتب سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں عبداللہ بن أبي أمیہ اور ابوجہل بھی بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا:

"اے چچا جان کلمہ "لا إله إلا الله" کا اقرار کرلو، میں تمہارے لئے یہی کلمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور دلیل پیش کروں گا، وہ دونوں (عبداللہ بن أبي أمیہ اور ابوجہل) بولے: کیا تم عبدالمطلب کے مذہب کو چھوڑ دو گے؟ آپ ﷺ اور وہ دونوں اپنی اپنی بات دہراتے رہے، چناچہ ابو طالب نے آخر میں یہی کہا کہ وہ عبدالمطلب کے مذہب پر قائم ہے اور "لا إله إلا الله" کا اقرار کرنے سے انکار کردیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تک مجھے روکا نہ گیا میں تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہوں

﴿ مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُوْلِيْ قُرْبٰى ﴾ ” نبی اور اہل ایمان کو زیبا نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا کریں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں“

اور ابو طالب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی :

﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴾ ” (اے محمد ﷺ !) آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور وہ ہدایت قبول کرنے والوں کو خوب جانتا ہے “

گا .

” لأستغفرن “ : میں لام وہی لام ہے جو جواب قسم پر واقع ہوتا ہے، لھذا تقدیری عبارت یہ ہوگی : ” والله لأستغفرن لک “ ” اللہ کی قسم ! میں تمہارے لئے بخشش کی دعا کرتا رہوں گا “

نبی اکرم ﷺ حقیقتاً اپنے چچا کے لئے استغفار کرتے رہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ کی استغفار نے آپ کے چچا کو کچھ فائدہ دیا ؟ تو جواب یہ ہے کہ کچھ فائدہ نہ دیا، کیونکہ جس کے لئے استغفار کی گئی وہ مشرک تھا . اور مشرک کے لئے استغفار اور شفاعت کچھ فائدہ نہیں دیتی، اور نبی اکرم ﷺ بھی اس بات کے مالک نہیں ہیں کہ وہ مشرک کے گناہوں کی بخشش طلب کر کے اسے فائدہ پہنچا سکیں یا جو شخص آپ کی جانب شرک کی نیت سے رخ کرے آپ اس کے مصائب کے ازالہ یا اس کے لئے بھلائیوں کے حصول میں کچھ فائدہ پہنچا سکیں، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا :

” لأستغفرن لک مالم أنه عنک “ ” جب تک مجھے روکا نہ گیا میں تمہارے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا “ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

﴿ مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُوْلِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾ ” نبی اور اہل ایمان کو زیبا نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے

اس باب کے مسائل

۱- آیت مبارکہ ﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ ﴾ کی تفسیر کا بیان ہے۔

۲- آیت مبارکہ (مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ کی تفسیر کا بیان ہے۔

۳- آپ ﷺ کے فرمان: " قل لا إله إلا الله " کی تفسیر ایک اہم مسئلہ ہے (وہ یہ کہ محض زبان سے " لا إله إلا الله " کہہ دینا کافی نہیں، بلکہ دلی تصدیق بھی ضروری ہے) اس میں علم کے ان دعویداروں کی تردید ہے جو محض زبان سے اقرار کو کافی سمجھتے ہیں۔

۴- ابوجہل اور اس کے ساتھی جانتے تھے کہ جب آدمی " لا إله إلا الله " کا اقرار کرلیتا ہے تو اس سے کیا مراد ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو تباہ کرے جن سے بڑھ کر ابوجہل اصل دین (کلمہ " لا إله إلا الله ") کے مفہوم کو بہتر جانتا تھا۔

۵- آپ ﷺ نے اپنے چچا کو مسلمان کرنے میں انتہائی کوشش کا مظاہرہ کیا۔

۶- جو لوگ عبدالمطلب اور اس کے اسلاف کو مسلمان سمجھتے ہیں اس میں ان کی تردید کا بیان ہے۔

۷- آپ ﷺ نے ابوطالب کے لئے مغفرت کی دعا کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ اس کی مغفرت کی بلکہ آپ کو دعا کرنے سے بھی روک دیا۔

....

مغفرت کی دعا کریں جن کے بارے میں واضح ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی ہیں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں"

اس مقام پر یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا کرنے سے منع کردیا، جب یہ بات طے ہے تو اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ

۸- انسان کو برے دوستوں کی صحبت کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

۹- اپنے اکابر واسلاف کی تعظیم (میں غلو کرنا) نقصان دہ ہے۔

۱۰- باطل پرستوں کو ابوجہل کے استدلال سے مغالطہ ہوا۔

۱۱- نجات کا دارومدار زندگی کے آخری اعمال پر ہے کیونکہ اگر ابوطالب بوقت وفات کلمہ " لا إله إلا الله " کا اقرار کر لیتا تو یہ اقرار اسے ضرور فائدہ دیتا۔

۱۲- گمراہ لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ (اسلاف کی تعظیم) کتنا بڑا ہے اس کے بارے میں غور وفکر کرنا چاہیے، کیونکہ ابوطالب کے قصہ میں مذکور ہے کہ سرداران مکہ اسی مغالطے کی بناء پر آپ سے جھگڑتے رہے باوجود اس کے کہ آپ نے بڑے مبالغے اور تکرار سے کلمہ پیش کیا، چونکہ ان کے نزدیک یہ حجت بڑی واضح تھی اس لئے انہوں نے اسی پر اکتفا کیا۔

برزخی زندگی میں کسی کے لئے بخشش کی دعا کر سکتے ہیں تو آپ قطعاً ایسے مشرک کے لئے دعا نہیں فرمائیں گے جو آپ سے شفاعت طلب کرنے کے لئے، آپ سے فریاد کرنے، یا آپ کے نام پر ذبح کرنے، یا نذر ماننے، یا آپ کو الٰہ بنانے، یا آپ پر بھروسہ کرنے، یا اپنی حاجات وضروریات کو اللہ کے سوا حل کروانے کے لئے آپ کا رخ کرتا ہے۔

قال : (وأنزل الله في أبي طالب : ﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ﴾).

فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

" آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے"۔

باب : ۱۸

بنی آدم کے کفر اور ترک دین کا بنیادی سبب بزرگوں کے بارے میں غلو کرنا ہے

موجودہ اور اس کے بعد آنے والے ابواب کے ذریعے شیخ رحمہ اللہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شرک اکبر کا سبب (نیک) لوگوں کے بارے میں غلو کرنا ہے ، جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے خواہ اس امت میں ہو یا سابقہ امتوں میں ،تو اب یہاں عقائد اور اصول کے بیان کے بعد اسباب کو ذکر کیا جارہا ہے .

(والغلو) : عربی کے کلمہ " غلا فی الشیء " سے ماخوذ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کی حد کو تجاوز کر جانا . چناچہ باب کا معنی یہ ہوا کہ بنی آدم کے کفر کرنے اور وہ دین جس کے اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کو چھوڑنے کا سبب نیک لوگوں کے بارے میں جو حد مقرر کی گئی ہے اس کو تجاوز کرنا ہے ، اور نیک لوگوں میں انبیاء ورسل ، اولیاء کرام اور ہر وہ شخص جس میں صلاح (درستگی) اور اللہ کے لئے اخلاص موجود ہو شامل ہیں ، یہ نیک لوگ بعض سابقین بالخیرات (بھلائیوں میں جلدی کرنے والے) اور بعض مقتصدین (میانہ روی کرنے والے) کے القاب سے متصف تھے ، اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کے ہاں نیک لوگوں کے مختلف درجات ہیں .

نیک لوگوں کے حق میں یہ اجازت دی گئی ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کی جائے ، ان کی توقیر کی جائے ، ان کی درستگی اور ان کے علم میں ان کی اقتداء کی جائے ، اور اگر وہ نیک لوگ انبیاء ورسل ہیں تو ان کی شریعتوں اور جس کا وہ حکم دیں اس پر عمل پیرا ہونا اور ان کے آثار کی اقتداء کرنا ہے ، یہ وہ حد ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے : (یعنی) احترام ، محبت ، دوستی ، ان کا دفاع کرنا اور (مشکل اوقات میں) ان کی مدد کرنا اور اسی طرح کے امور شامل ہیں .

مگر ان کے بارے میں جو غلو حاصل ہوا وہ یہ ہے کہ بعض صالحین کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا گیا کہ ان میں اللہ کی خصوصیات موجود ہیں ، اور بعض کے بارے میں یہ کہا گیا کہ وہ لوح وقلم کے اسرار کے رازداں ہیں ،اور یہ دنیا وآخرت انہی کی سخاوت کا نتیجہ ہے ، جیسا کہ بوصیری نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا ہے :

لو ناسبت قدره آياته عظما　　　　أحيا اسمه حين يدعى دارس الرمم

اگر آپ ﷺ کو عظمت کی کوئی نشانی مناسب ہوتی تو یہ ہوتی کہ جب بھی آپ کا نام بوسیدہ ہڈیوں اور مٹی میں مل جانے والے پر لیا جاتا تو وہ زندہ ہو جاتا .

شاعر یہ کہہ رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو آپ کی عظمت اور قدر کے مطابق کوئی نشانی نہیں دی گئی ، اس شعر کی شرح کرنے والوں نے لکھا ہے کہ حتی کہ قرآن مجید بھی آپ کی عظمت کے مناسب نہیں (والعیاذ باللہ) ہاں اگر آپ کی عظمت کے مناسب کوئی چیز ہے تو وہ یہ کہ جب آپ کا نام کسی ایسے مردہ پر لیا جائے جس کی ہڈیاں گل سڑ چکی اور مٹی میں مل گئی ہیں تو وہ فورا زندہ ہو جائے .

یہ ہے غلو کی وہ قسم جس کا ارتکاب غیر اللہ کے پجاری کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انبیاء ورسل کا رخ کرتے ہیں ،اور ان میں اللہ تعالیٰ کی خصوصیات مانتے ہیں ،جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی ، بلکہ یہ عمل اللہ کے ساتھ شرک اکبر ہے ، مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینا ہے اور یہ کفر ہے ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں .تو گویا صالحین کے بارے میں دو حالتیں ہیں ،ایک تو وہ حد جس کی اجازت دی گئی ہے اور دوسری حالت غلو ہے .

ایک تیسری حالت ہے جسے جفا کہتے ہیں ،صالحین کے حق میں جفا یہ کہ ان کے ساتھ دوستی نہ رکھی جائے ، ان کا احترام نہ کیا جائے ،ان کا حق انہیں نہ دیا جائے ،اور ان کی محبت کو ترک کر دیا جائے ،یعنی (ان کے) معاملے میں اگر تقصیر کی جائے تو اسے جفا کہا جاتا ہے اور اگر زیادتی کی

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ ﴾ (النساء : ۱۷۱)

'' اے اہل کتاب ! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو ''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ، اللہ تعالیٰ کے فرمان :

﴿ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَ نَسْرًا ﴾ کے بارے میں مروی ہے کہ :

'' هذه أسماء بعض رجال صالحين من قوم نوح ، فلما هلكوا أوحى الشيطان إلى قومهم : أن انصبوا إلى مجالسهم التي كانوا يجلسون فيها أنصابا ، وسموا بأسمائهم ففعلوا ولم تعبد ، حتى إذا هلك أولئك ونسي العلم عبدت '' (صحيح بخاري)

....

جائے تو اسے غلو ۔

﴿ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ ﴾ '' اے اہل کتاب ! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو '' یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو غلو کرنے سے منع کیا ہے ، ﴿ تغلو ﴾ یہ فعل ہے جو نہی کے سیاق میں مستعمل ہے لھذا یہ دین میں غلو کی تمام اقسام کو شامل ہے ۔

اہل کتاب کے حالات پر غور و فکر کرنے والا ، اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کے واقعات (قرآن مجید میں) بیان فرمائے ہیں ان میں تدبر کرنے والا دیکھے گا کہ انہوں نے حقیقتاً اپنے صالحین میں غلو کیا ، عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام ، ان کی والدہ اور ان کے حواریوں کے بارے میں غلو کیا ، اور یہودیوں نے عزیر علیہ السلام ، موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں ، اپنے درویشوں اور مولویوں میں غلو کیا ، انہوں نے یہ اعتقاد اختیار کیا کہ ان میں بھی اللہ تعالیٰ والی خصوصیات موجود ہیں یہ بھی شفاعت کے مالک ہیں ، کائنات کی بادشاہت میں ان کا بھی کچھ حصہ ہے ، یا معاملات کی تدبیر میں ان کا بھی

"یہ سب (ود ، سواع ، یغوث ، یعوق اورنسر) قوم نوح کے نیک لوگ تھے ، جب وہ فوت ہوگئے تو شیطان نے ان کی قوم کو سمجھایا کہ یہ نیک لوگ جہاں بیٹھا کرتے تھے وہاں بطور یادگار پتھر نصب کردو ، اوران کوانکے ناموں سے موسوم کردو ، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا ، لیکن اس دور میں ان پتھروں کو پوجا نہ گیا ، جب یہ لوگ مرگئے اور علم جاتا رہا ، بعد والوں پر جہالت چھا گئی تو انہوں نے ان پتھروں کو پوجنا شروع کردیا".

ہاتھ ہے ، یا بادشاہت میں یہ بھی کچھ تصرف کرنے والے ہیں.

(وفی الصحیح عن ابن عباس رضی الله عنه فی قول الله تعالیٰ : ﴿ وَقَالُوْا لَاتَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَ نَسْرًا ﴾ قال :"هذه أسماء بعض رجال صالحين من قوم نوح ، فلما هلكوا أوحى الشيطان إلى قومهم"

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالی کے قول : ﴿ وَقَالُوْا لَاتَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا........ ﴾ کے بارے میں مروی ہے کہ "یہ سب قوم نوح کے نیک لوگ تھے جب وہ فوت ہوگئے تو شیطان نے ان کی قوم کو سمجھایا"

نوح علیہ السلام کی قوم میں شرک نیک لوگوں کی روح اور اس روح کی تاثیر کے ناچیے سے شروع ہوا ، شیطان نے ورغلایا کہ جوکوئی بھی ان سے تعلق قائم کرے گا یہ (نیک بندہ) اس کے لئے سفارش کرے گا ، پھر اس نے اسی تعظیم سے درجہ بدرجہ ان کو تصویروں ، پتھروں ، اور بتوں کی عبادت پر لگادیا ، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان میں ان کے اس شرک میں واقع ہونے کے اصل سبب کا ذکر موجود ہے

" فلما هلكوا أوحى الشيطان إلى قومهم : أن انصبوا إلى مجالسهم التى كانوا يجلسون فيها أنصابا ، وسموها بأسمائهم ففعلوا ولم تعبد ، حتى إذا هلك أولئك ونسى العلم عبدت " "جب وہ فوت ہوگئے تو شیطان نے ان کی قوم کو سمجھایا کہ یہ نیک لوگ

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کہ متعدد اسلاف اہل علم کا بیان ہے :

''جب وہ نیک لوگ فوت ہوگئے تو وہاں کے لوگ ان کی قبروں کے مجاور بن گئے، پھر ان کے مجسمے اور مورتیاں بنائی گئیں، پھر ایک مدت گزرنے کے بعد ان کی پوجا شروع کردی گئی''

عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" لاتطروني كما أطرت النصارى عيسى ابن مريم إنما أنا عبد ، فقولوا : عبد الله ورسوله " (بخاری ومسلم) '' تم میری تعریف کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرو ، جیسا کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی تعریف میں نصاری حد سے تجاوز کر گئے ، میں تو ایک بندہ ہوں ، تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو ''

....

جہاں بیٹھا کرتے تھے وہاں بطور یادگار پتھر نصب کردو ، اور ان کو ان کے ناموں سے موسوم کردو ، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا ، لیکن اس دور میں ان پتھروں کو پوجا نہ گیا ، جب یہ لوگ مرگئے اور علم جاتا رہا ، بعد والوں پر جہالت چھا گئی تو انہوں نے ان پتھروں کو پوجنا شروع کردیا''۔

(وقال ابن القيم : قال غير واحد من السلف : لما ماتوا عكفوا على قبورهم ، ثم صوروا تماثيلهم ، ثم طال عليهم الأمد ، فعبدوهم)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متعدد اسلاف اہل علم کا بیان ہے :

''جب وہ نیک لوگ فوت ہوگئے تو وہاں کے لوگ ان کی قبروں کے مجاور بن گئے، پھر ان کے مجسمے اور مورتیاں بنائی گئیں، پھر ایک مدت گزرنے کے بعد ان کی پوجا شروع کردی گئی''

اس واقعہ میں شاہد یہ ہے کہ ان لوگوں نے پہلے پہل نیک لوگوں کی تصویروں کا رخ کیا ، وہ سبھی اہل علم تھے جانتے تھے کہ اگر وہ ان کی تصویریں بنا بھی لیں تو وہ ان کی پوجا نہیں کریں گے ، لیکن جب علم ختم ہوگیا اور جہالت چھا گئی تو انہی نیک اور تعظیم کئے جانے والوں کی تصویریں مستقبل میں ان کی عبادت کا وسیلہ اور سبب بن گئیں ، بسا اوقات شیطان تصویر کے قریب آتا ہے اور اسے دیکھنے

والے یا اس سے مخاطب ہونے والے کے دل میں یہ خیال اور وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ یہ تو کلام بھی کرتی ہے (دیکھو) اس تصویر کا تو منہ گفتگو کر رہا ہے، اس سے تو آواز آرہی ہے، ایسی باتیں کر کے وہ لوگوں کے دلوں کو روحوں سے تعلق قائم کرنے پر ابھارتا اور رغبت دلاتا ہے، ایسا ہی کچھ اس قوم کے ہاں بھی ہوا جب وہ قبروں کے مجاور بنے، اور پھر انہوں نے ان قبر والوں کی اللہ کے ساتھ پوجا شروع کر دی تو یہی چیز اللہ کے ساتھ شرک کا سبب بن گئی.

(وعن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : "لاتطروني كماأطرت النصارى عيسى ابن مريم")

عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم میری تعریف کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرو، جیسا کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی تعریف میں نصاری حد سے تجاوز کر گئے"

الاطراء : اطراء کا معنی ہے کسی کی مدح و تعریف میں حد سے تجاوز کر جانا، یعنی مبالغہ کرنا.

(کما أطرت) : یہاں "کاف" کاف قیاس ہے کہ تم اسی طرح میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرو جس طرح وہ نصاری ابن مریم علیہما السلام کی تعریف میں حد سے تجاوز کر گئے، یہ ایک واقعہ کی دوسرے واقعہ سے مثال بیان کی گئی ہے.

یہاں اطراء کی کسی ایک نوع سے منع نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس کی ایک نوع کی مثال کا بیان ہے، بلکہ آپ ﷺ نے اپنے بارے میں مبالغہ کرنے سے مطلقا منع فرمادیا ہے، کیونکہ جب عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی مدح سرائی میں مبالغہ کیا تو اسی بات نے انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کی راہ پر ڈال دیا، اور انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں (والعیاذ باللہ)

اس لئے آپ نے فرمایا: " إنما أنا عبد ، فقولوا : عبد الله ورسوله " "میں تو صرف ایک بندہ

عمر رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" إياكم والغلو ، فإنما أهلك من كان قبلكم الغلو " (مسند احمد)

" اپنے آپ کو غلو سے بچا کر رکھو، تم سے پہلے لوگوں کو غلو ہی نے تو ہلاک کر ڈالا تھا "

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" هلك المتنطعون . قالها ثلاثا . " (صحیح مسلم)

" غلو کرنے والے اور حد سے بڑھ جانے والے تباہ و برباد ہو گئے ، یہ کلمہ آپ نے تین مرتبہ دہرایا ".

اس باب کے مسائل

۱ - جو شخص زیر بحث اور اسکے بعد والے دو بابوں کو اچھی طرح سمجھ لے ، اس پر اسلام کی جداگانہ حیثیت واضح ہو جائے گی ، اور دلوں کے پھیرنے میں اسے اللہ کی قدرت کے عجیب و غریب کرشمے نظر آئیں گے .

۲ - روئے زمین پر رونما ہونے والا اولین شرک صالحین کے بارے میں غلو کرنے کی وجہ سے ہوا .

۳ - سب سے پہلے جس چیز میں تغیر و تبدل ہوا ، وہ انبیاء کرام کا دین تھا ، اس (باب میں غور و فکر کرنے سے دین میں تغیر) کے اسباب بھی معلوم ہوتے ہیں ، حالانکہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ ہی نے مبعوث فرمایا تھا (پھر بھی لوگوں نے ان کی پرواہ نہ کی) .

ہوں تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو ".

(وقال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إياكم والغلو ، فإنما أهلك من كان قبلكم الغلو)

۴- لوگ بدعات ومحدثات کو جلد کیوں قبول کر لیتے ہیں جبکہ شریعت اسلامیہ اور فطرت سلیمہ دونوں اس کا رد کرتی ہیں ،اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے .

۵- شرک و بدعت کے پھیلنے کا بنیادی سبب یہ تھا کہ حق اور باطل کو خلط ملط کر دیا گیا ، جس کے دو اسباب تھے ، ۱- صالحین کی محبت میں غلو کرنا ۲- بعض اہل علم ودین کے کچھ ایسے اعمال جن سے ان کا ارادہ خیر کا تھا ، لیکن بعد والوں نے ان کا مطلب کچھ اور ہی سمجھ لیا.

۶- سورۃ نوح کی آیت (جس میں بتوں کا ذکر ہے) کی تفسیر معلوم ہوئی .

۷- فطری طور پر انسان کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ اس کے دل میں حق (آہستہ آہستہ) کم ہو جاتا ہے اور باطل بڑھتا رہتا ہے .

۸- اس باب سے سلف صالحین کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ بدعات ، کفر کا سبب بنتی ہیں.

۹- شیطان ، بدعت کے انجام کار سے خوب آگاہ ہے ،اگرچہ بدعت کرنے والے کی نیت اچھی ہی کیوں نہ ہو .

۱۰- اس باب سے ایک اور قاعدہ معلوم ہوا کہ غلو سے مطلقاً اجتناب کرنا چاہیے ،اور غلو کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے اس کی معرفت بھی حاصل ہوئی ہے .

۱۱- نیک عمل کرنے کے لئے قبر پر بیٹھنا انتہائی نقصان دہ ہے .

۱۲- مجسموں اور مورتیوں کی ممانعت اور انہیں مٹا ڈالنے کی حکمت کا پتہ چلتا ہے .

••

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ’’اپنے آپ کو غلو سے بچا کر رکھو ، تم سے پہلے لوگوں کو غلو ہی نے تو ہلاک کر ڈالا تھا ‘‘ اس حدیث مبارک میں غلو کی تمام اقسام سے منع فرمایا ہے ، کیونکہ غلو ہر برائی کی جڑ ہے اور میانہ روی واعتدال ہر بھلائی و کامیابی کا زینہ ہے .

۱۳- یہ (وقوع شرک کا) کتنا عظیم واقعہ ہے، اس کا جاننا ضروری ہے لیکن اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔

۱۴- کتنی عجیب وغریب بات ہے کہ اہل بدعت اس واقعہ کو کتب تفسیر و حدیث میں پڑھتے ہیں اوراس کے معانی کو بھی سمجھتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ان کے اور ان کے دلوں کے درمیان حائل ہو گیا، لیکن پھر بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ قوم نوح کا عمل (قبر پرستی) افضل ترین عبادت ہے حالانکہ وہ یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ جس چیز سے اللہ اور اس کے رسول منع فرما دیں وہ ایسا کفر ہے جو کسی کے مال و جان کو مباح کر دیتا ہے۔

۱۵- اس واقعہ میں یہ بھی وضاحت ہے کہ ان (بتوں کے پجاریوں) نے (بزرگ اور نیک لوگوں سے) سفارش سے بڑھ کر اور کچھ نہیں چاہا تھا۔

۱۶- بعد والے مشرکین نے یہ گمان کیا کہ سابقہ اہل علم نے ان بزرگوں کی تصویریں عبادت کے لئے ہی بنائی تھیں۔

۱۷- آپ ﷺ کے فرمان" لاتطرونی کما أطرت النصاری عیسی ابن مریم"

••

(ولمسلم : عن ابن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : هلك المتنطعون . قالها ثلاثا .)

صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''غلو کرنے والے اور حد سے بڑھ جانے والے ہلاک ہو گئے '' یہ کلمہ آپ نے تین بار ارشاد فرمایا۔

یعنی وہ لوگ جو اپنے اقوال وافعال سر انجام دینے میں حد سے بڑھ جاتے ہیں، وہ کسی ایسی چیز کو جاننا چاہتے ہیں یا کسی ایسی چیز میں تکلف کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔

"تم میری تعریف کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرو، جیسا کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی تعریف میں نصاری حد سے تجاوز کر گئے "میں کتنا کھلا اور واضح بیان ہے، اس ذات پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں جس نے دین کو واضح کر کے لوگوں تک پہنچا دیا۔

۱۸- آپ ﷺ نے ہمیں نصیحت فرمائی کہ حد سے تجاوز کرنے والوں کا انجام ہلاکت وتباہی ہے۔

۱۹- قوم نوح میں بتوں کی پوجا علم جانے کے بعد شروع ہوئی، اس سے علم کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ اس کا ہونا کس قدر ضروری ہے اور اس کا نہ ہونا کس قدر نقصان دہ ہے۔

۲۰- علماء کرام کا دنیا سے رخصت ہونا فقدان علم کا سبب ہے۔

تنطع، اطراء اور غلوان کے معانی قریب قریب ہیں، ان سب پر غلو کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔

شیخ رحمہ اللہ نے اس باب میں بنی آدم کے کفر کرنے اور اپنے دین کو ترک کرنے کا سبب بیان فرمایا ہے کہ وہ نیک لوگوں میں غلو کرنا ہے، قوم نوح نے نیک لوگوں کی تعظیم ومحبت کی حد کو تجاوز کیا، اور ان کی قبروں پر مجاور بن بیٹھے اور پھر انہیں معبود بنالیا تو وہ ان کے معبود بن گئے، عیسائیوں نے اپنے رسول عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں اور بطریقوں کے بارے میں غلو کیا حتی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبود بنا ڈالا۔

اسی طرح اس امت میں بھی یہ اعتقاد موجود ہے کہ نبی ﷺ میں بھی بعض اللہ تعالیٰ والی خصوصیات موجود ہیں اور یہ بعینہ وہی چیز ہے جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

باب : ۱۹

کسی بزرگ کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ایک سنگین جرم ہے چہ جائیکہ اس صاحب قبر کی عبادت کی جائے

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک کلیسا اور اس میں موجود تصویروں اور مجسموں کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ کی سرزمین پر دیکھا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أولٰئک إذا مات فیهم الرجل الصالح ، أو العبد الصالح ، بنوا علی قبره مسجدا ، وصوروا فیه تلک الصور ، أولٰئک شرار الخلق عند الله "

(بخاری ومسلم)

••

اس باب اور اس کے بعد میں آنیوالے ابواب میں نبی اکرم ﷺ کے اس امت کی خیر خواہی پر حریص ہونے کا بیان ہے، اور یہ چیز آپ کے اتمام حرص سے ہے کہ آپ نے شرک کی طرف پہنچانے والے ہر راستے کا سد باب کیا ہے، اور امت کو تمام اسباب و ذرائع سے ڈرایا ہے.

اس باب میں قبر کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے پر جو سختی وارد ہوئی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ انسان ایسے نیک آدمی کی قبر پر جائے جس کی نیکی معروف ہے، تاکہ وہاں پر ایک اللہ کی عبادت کرے اور اس جگہ کی اسے برکت حاصل ہو اور یہ بات اکثر لوگوں کے ہاں معروف ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ نیک لوگوں کی قبروں کے اردگرد جگہ بابرکت جگہ ہے، وہاں کی جانے والی عبادت دوسری جگہوں کی نسبت بہتر ہے.

(فکیف إذا عبده) یعنی اگر وہ قبر کی عبادت کرے یا صاحب قبر کی عبادت کرے، کیونکہ قبروں کے پجاری بسا اوقات قبر کا قصد کرتے ہیں اور بسا اوقات صاحب قبر کا، بلکہ بسا اوقات وہ قبر کے گرد

''ان لوگوں میں جب کوئی بزرگ فوت ہوجاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنالیتے اور اس میں یہ تصاویر (مجسمے) بنادیتے ، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں''.

....

نواح میں موجود چیزوں کا قصد کرتے ہیں. (اب تو) قبروں کو گھیرنے والی جالیاں اور عمارتیں مزار بن چکی ہیں کہ لوگ لوہے کی جالیوں اور عمارتوں کو اپنا معبود مانتے ہیں ، جب وہ ان چیزوں کو چھوتے ہیں تو ان سے برکت کی امید کرتے ہیں ، اور ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب پہنچنے کا وسیلہ بناتے ہیں ، وہ ان کے پاس اعتکاف کرتے ہیں ، ان کی عبادت کرتے ہیں ، ان سے امیدیں لگاتے ہیں ، اور ان کا (دلوں میں) خوف رکھتے ہیں.

(فی الصحیح عن عائشة رضی الله عنها أن أم سلمة ذكرت لرسول الله صلى الله عليه وسلم كنيسة رأتها بأرض الحبشة وما فيها من الصور ، فقال : أولئك إذا مات فيهم الرجل الصالح أو العبد الصالح ، بنوا على قبره مسجدا ، وصوروا فيه تلك الصور)

صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک کلیسا اور اس میں موجود تصویروں اور مجسموں کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ کی سرزمین پر دیکھا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''ان لوگوں میں جب کوئی بزرگ فوت ہوجاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنالیتے اور اس میں یہ تصاویر (مجسمے) بنادیتے ، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں''.

ہر وہ جگہ جو عبادت کے لئے مخصوص کی جائے اسے مسجد کہا جاتا ہے، تو حدیث مبارک میں یہ فائدہ بیان ہوا ہے کہ (سرزمین حبشہ میں) کلیسے صالحین کی قبروں پر بنائے گئے تھے ، اور یہ کہ انہوں نے اس نیک بندے کی تصویر کو قبر یا قبر کی دیوار پر آویزاں کر رکھا تھا تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ اس نیک بندے کی اور اس کی قبر کی تعظیم کرنے سے اللہ کی عبادت ہوتی ہے.

ان لوگوں نے دوفتنوں کو جمع کر رکھا تھا ، ایک قبروں (کو عبادت گاہیں بنانے) کا اور دوسرا وہاں مورتیاں لگانے کا.

عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور حدیث میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر موت کے آثار رونما ہونے لگے تو آپ (شدت تکلیف کی وجہ سے) اپنے چہرے مبارک پر چادر اوڑھ لیتے ،اور جب دم گھٹتا تو چادر ہٹا لیتے ، آپ نے اسی حالت میں ارشاد فرمایا :

"لعنة الله على اليهود و النصارىٰ اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد يحذرما صنعوا ، ولولا ذلك أبرز قبره ، غير أنه خشي أن يتخذ مسجدا"
(بخاری ومسلم)

....

(أولئك) اس میں خطاب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لئے ہے.

(شرار الخلق عند الله) "یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں" یعنی وہ لوگ جنہوں نے نیک لوگوں کی تعظیم میں غلو کیا ،اوران کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا ، حدیث مبارک میں یہ ذکر موجود نہیں کہ ان لوگوں نے صالحین کی عبادت کا قصد کیا تھا بلکہ انہوں نے صرف قبروں کی تعظیم کی اور صاحب قبر کی تصویریں بنا کر وہاں آویزاں کیں.

(فجمعوا بين فتنتين ، فتنة القبور ، وفتنة التماثيل) "ان لوگوں نے دوفتنوں کو جمع کیا ،قبروں کی تعظیم کا ،اور مورتیاں بنا کر لگانے کا" یہ دونوں ہی شرک اکبر کے ذرائع میں سے ذریعہ وسبب ہیں ،اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اپنی امت کو کسی بھی قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے ڈرایا اور منع کیا ہے.

(ولهما عنها ـ يعني عائشة ـ قالت : لما نزل برسول الله صلى الله عليه وسلم ـ يعني نزل به الموت ـ طفق يطرح خميصة له على وجهه ......)

"بخاری ومسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب آپ پر موت کے آثار رونما

ہونے لگے تو آپ (شدت تکلیف کی وجہ سے) اپنے چہرہ مبارک پر چادر اوڑھ لیتے، ...."

یہ حدیث مبارک شرک کے وسائل و ذرائع، قبروں پر مسجدیں بنانے، انبیاء و صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع کرنے والی حدیثوں میں سب سے عظیم حدیث ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ: آپ کتنی شدت اور سختی کے عالم میں تھے آپ پر موت کی غشیاں طاری ہورہی تھیں اس حال میں بھی آپ نے اس مسئلہ سے غفلت نہیں کی، بلکہ بڑے اہتمام سے شرک کے وسائل میں سے اس (خطرناک) وسیلہ سے ڈرایا، اور یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ بد دعا فرمائی، کیونکہ انہوں نے انبیاء کرام کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا تھا، آپ ایسی حالت میں تھے خدشہ تھا کہ کہیں آپ کی قبر کو بھی سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے جیسا کہ آپ سے پہلے انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا گیا تھا، آپ ﷺ کا قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر لعنت فرمانا، اس میں صحابہ کرام کے لئے تحذیر تھی کہ وہ اس عمل سے باز رہیں، اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے۔

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی تین صورتیں ہیں:

۱- قبر پر سجدہ کیا جائے، یہ بدترین قسم ہے۔

۲- قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے، وہ اس طرح کہ انسان قبر کے سامنے کھڑا ہو اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو گویا کہ اس نے قبر کو (قبر کے اردگرد جگہ کا حکم بھی قبر والا ہے) عاجزی و انکساری اور عبادت کی جگہ بنایا ہے اور مسجد بھی عاجزی و انکساری کرنے اور عبادت کرنے کی جگہ کا نام ہے، اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے قبر کی طرف نماز پڑھنے سے منع فرمایا، کیونکہ ان کی جانب منہ کر کے نماز پڑھنا بھی ان کی تعظیم کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے، اور یہی معنی شیخ رحمہ اللہ کے اس باب سے موافقت رکھتا ہے۔

۳- قبر کو مسجد کی داخلی حدود میں بنایا جائے، چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ کو دفن کیا گیا

"یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ، انہوں نے انبیاء کرام کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا"

اس سے آپ نے اپنی امت کو ڈرایا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں ، اگر آپ کی قبر کو سجدہ گاہ بنانے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر بھی (عام قبروں کی طرح) ظاہر ہوتی .

....

تو صحابہ کرام نے وہاں عمارت بنادی ، اور قبر کے گردونواح کی جگہ کو مسجد بنالیا ، اور اس جگہ کو عبادت اور نماز کے لئے مقرر کیا ، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

(ولولا ذلک أبرز قبره) "کہ اگر آپ کی قبر کو سجدہ گاہ بنانے کا خدشہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کو بھی ظاہر کیا جاتا اور آپ کی قبر بھی بقیع وغیرہ میں دوسری قبروں کے ساتھ ہوتی ، یہ پہلا سبب ہے جس کی وجہ سے آپ کو عام جگہ پر دفن نہیں کیا گیا .

دوسرا سبب یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا :

" إن الأنبياء يقبرون حيث يقبضون " "کہ انبیاء کرام جہاں فوت ہوتے ہیں انہیں وہیں دفن کیا جاتا ہے"

(غير أنه خشي أن يتخذ مسجدا) "کہ نبی اکرم ﷺ نے یا صحابہ کرام نے خدشہ محسوس کیا کہ کہیں آپ کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے" پیچھے ہم بتا چکے ہیں کہ دو علتوں میں سے ایک یہی علت ہے .

چنانچہ صحابہ کرام نے آپ کی تحذیر کو قبول کرتے ہوئے آپ کی وصیت کے عین مطابق عمل کیا ، وہ اس طرح کہ انہوں نے روضہ شریف سے تین میٹر سے زیادہ جگہ لی ، تاکہ دوسری اور پھر تیسری دیوار کھڑی کی جاسکے ، اور پھر لوہے کی دیوار کھڑی ہو ، یہ نبی اکرم ﷺ کے حکم اور وصیت کی بہترین عملی تطبیق ہے کہ انہوں نے روضہ شریف سے بھی جگہ لی اور مسجد سے جگہ لینے کی بھی رخصت دی تاکہ آپ

جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی وفات سے پانچ دن قبل آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

" إني أبرأ إلى الله أن يكون لي منكم خليل ، فإن الله قد اتخذني خليلا كما اتخذ ابراهيم خليلا ، ولوكنت متخذا من أمتي خليلا لا اتخذت أبابكر خليلا ، ألا وإن من كا نوا قبلكم كانوا يتخذون قبور أنبيائهم مساجد ، ألا فلا تتخذوا القبور مساجد فإني أنهاكم عن ذلك " (صحيح مسلم)

" میں اللہ کے سامنے اس بات سے براءت کا اظہار کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا خلیل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے جیسا کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا ، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا ، خبردار ! تم سے پہلے لوگ انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے تھے ، خبردار ! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا ، میں تمہیں اس طرز عمل سے منع کرتا ہوں "

ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے بچایا جاسکے ، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عملی تطبیق صحابہ کرام کی فقاہت کی زبردست دلیل ہے ، عقل وخرد سے عاری شخص کبھی یہ گمان کرسکتا ہے کہ قبر مسجد کی داخلی حدود میں ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی قبر مسجد میں داخل نہیں ہے کیونکہ مختلف دیواریں آپ کی قبر کو مسجد سے جدا کرتی ہیں اور اس لئے بھی کہ مشرقی جہت بھی مسجد میں شامل نہیں ہے بہر حال اہم بات یہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ نہیں بنایا گیا .

(ولمسلم عن جندب بن عبد الله قال : سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قبل أن يموت بخمس ، وهو يقول : .... ألا وإن من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور أنبيائهم مساجد)

صحیح مسلم میں جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی وفات

آپ ﷺ نے اس عمل شنیع سے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں منع فرمایا، پھر آپ نے موت وحیات کی کشمکش میں ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی، لھذا اگر قبر کو مسجد نہ بھی بنایا گیا ہو تب بھی اس کے پاس نماز پڑھنا قبر کو مسجد بنانا شمار ہوگا، عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول: " خشی أن یتخذ مسجدا " کا مطلب بھی یہی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ آپ کی قبر پر مسجد بنائیں، اور ہر وہ جگہ جہاں نماز پڑھنا مقصود ہو اسے مسجد کہا جاتا ہے بلکہ ہر وہ جگہ جہاں نماز پڑھی جائے وہ مسجد ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

" جعلت لی الارض مسجدا وطھورا " " تمام روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور ذریعہ طہارت بنادیا گیا ہے "۔

....

سے پانچ دن قبل آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:.........خبردار! تم سے پہلے لوگ انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے "

اور یہی چیز اس امت میں بھی موجود ہے، اور یہ شرکیہ وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے، اور وسائل وذرائع ہی مقصود تک پہنچاتے ہیں، محققین اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قواعد شرعیہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ ایسے ذرائع واسباب جو انسان کو شرک یا محرمات تک پہنچانے والے ہوں، ان کا سد باب کرنا واجب اور ضروری ہے، اسی لئے مسجد جو قبر پر تعمیر شدہ ہے اس میں نماز ادا کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ نبی اکرم ﷺ کی منع کردہ چیز کے منافی امر ہے آپ کا ارشاد گرامی ہے:

" ألا فلا تتخذوا القبور مساجد " " خبردار! تم قبروں کو مساجد نہ بنانا " یعنی ان پر عمارتیں نہ بنانا، اور ان کے گردونواح میں نماز ادا نہ کرنا۔

(فقد نھی عنه فی آخر حیاته ، ثم إنه لعن ـ وھو فی السیاق ـ من فعله ، والصلاۃ عندھا من ذلک وإن لم یبن مسجد ، وھو معنی قولھا رضی اللہ عنھا : خشی أن یتخذ مسجدا) " آپ ﷺ نے اس عمل شنیع سے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں منع

فرمایا، پھر آپ نے موت وحیات کی کشمکش میں ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی، لھذا اگر قبر کو مسجد نہ بھی بنایا گیا ہوتب بھی اس کے پاس نماز پڑھنا قبر کو مسجد بنانا ہوگا، عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول: " خشی أن یتخذ مسجدا " کا مطلب بھی یہی ہے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ قبروں کے پاس نماز ادا کرنا جائز نہیں، خواہ نماز پڑھنے کا مقصد اس جگہ کی برکت حاصل کرنا ہو، یا جنازہ کے علاوہ نفل نماز پڑھنا مقصود ہو، یہ تمام شکلیں ناجائز ہیں، اور اس میں یہ بھی شامل ہے کہ خواہ وہ نماز ایسی قبر کے قریب پڑھی گئی ہو جس پر مسجد بنائی گئی ہے یا ایسی قبر کے قریب جس پر مسجد نہیں بنائی گئی. جیسا کہ بخاری شریف میں معلقا عمر رضی اللہ عنہ کے کلام سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے انس رضی اللہ عنہ کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فورا فرمایا: " القبر، القبر " یعنی قبر سے بچو، قبر سے بچو"، یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ قبروں کے پاس نماز ادا کرنا ناجائز ہے اس لئے کہ یہ شرک کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے اور یہ بہت بڑا وسیلہ ہے.

(وھومعنی قولھا : خشی أن یتخذ مسجدا ، فإن الصحابة لم یکونوا لیبنوا حول قبرہ مسجدا ، وکل موضع قصدت الصلاة فیه فقد اتخذ مسجدا ، بل کل موضع یصلی فیه یسمی مسجدا ، کما قال : جعلت لی الارض مسجدا وطھورا)

عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول: " خشی أن یتخذ مسجدا " کا مطلب بھی یہی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ آپ کی قبر پر مسجد بنائیں، اور ہر وہ جگہ جہاں نماز پڑھنا مقصود ہو اسے مسجد کہا جاتا ہے بلکہ ہر وہ جگہ جہاں نماز پڑھی جائے وہ مسجد ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

" جعلت لی الارض مسجدا وطھورا " " تمام روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور ذریعہ طہارت بنادیا گیا ہے". اور یہ بات بالکل واضح ہے.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" إن من شرار الناس من تدركهم الساعة ، وهم أحياء ، والذين يتخذون القبور مساجد "

" سب سے بدترین لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں قیامت قائم ہوگی اور وہ ہیں جو قبروں کو مسجدیں بناتے ہیں "

اس باب کے مسائل

۱- نبی اکرم ﷺ کی اس شخص کے لئے سخت وعید جو کسی نیک آدمی کی قبر پر مسجد بناتا ہے اور وہاں عبادت کرتا ہے، اگر چہ اس کی نیت صحیح ہی کیوں نہ ہو.

۲- مجسمے اور مورتیاں بنانا حرام ہے اس پر شدید وعید ہے.

۳- اس عمل کی مذمت کے معاملہ میں آپ ﷺ کے مبالغہ سے عبرت حاصل ہوتی ہے کہ پہلے تو آپ نے اس کام سے ویسے منع فرمایا، پھر آخر عمر میں وفات سے پانچ دن قبل مزید تنبیہ فرمائی، پھر جب آپ کا سفر آخرت شروع ہونے لگا تو ایک بار پھر سخت ممانعت فرمائی (اور سابقہ کہے ہوئے پر اکتفا نہیں کیا).

۴- آپ ﷺ نے اپنی قبر پر بھی اس عمل سے منع فرمادیا، حالانکہ اس وقت آپ کی قبر موجود بھی نہ تھی.

۵- انبیاء کرام (اور صلحاء) کی قبروں کو مسجدیں بنانا اور وہاں عبادت کرنا یہودیوں اور عیسائیوں کا طرز عمل ہے.

....

(ولأحمد بسند جيد عن ابن مسعود رضى الله عنه مرفوعا : " إن من شرار الناس ...... ورواه ابو حاتم ـ يعنى ابن حبان ـ في صحيحه) وقوله : (والذين يتخذون

۶- اس عمل کی وجہ سے آپ نے یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائی۔

۷- یہود ونصاریٰ پر لعنت کرنے کا اصل مقصد ہم (مسلمانوں) کو ڈرانا تھا کہ آپ کی قبر پر یہ کام نہ کیا جائے۔

۸- اس سے آپ کی قبر کو کھلی اور عام جگہ پر نہ بنانے کی مصلحت بھی معلوم ہوئی۔

۹- قبروں کو مسجدیں بنانے کے معنی کی وضاحت بھی معلوم ہوئی۔

۱۰- نبی اکرم ﷺ نے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے والوں اور جن لوگوں پر قیامت قائم ہوگی، دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے، گویا آپ ﷺ نے شرک کے واقع ہونے سے پہلے اس کے اسباب اور انجام کا ذکر فرمادیا۔

۱۱- نبی اکرم ﷺ نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل اپنے خطبہ میں دو گروہوں پر رد فرمایا جو اہل بدعت میں سے سب سے برے ہیں، بلکہ بعض اہل علم نے تو انہیں بہتر فرقوں سے بھی نکال دیا ہے اور وہ دونوں رافضہ اور جہمیہ ہیں، خصوصا روافض کی وجہ سے مسلمانوں میں شرک اور قبر پرستی کی ابتدا ہوئی، اور انہی روافض نے سب سے پہلے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔

۱۲- آپ ﷺ کو بھی نزع کے وقت سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۳- آپ کو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہونے کے وصف سے نوازا گیا۔

۱۴- خلیل ہونے کا درجہ مقام محبت سے اونچا ہے۔

.....

القبور مساجد) مسند احمد میں جید سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ بدترین لوگ ہیں......اس حدیث کو ابوحاتم یعنی ابن حبان نے اپنی صحیح میں بھی روایت کیا ہے۔

اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ "والذین یتخذون القبور مساجد" کہ وہ لوگ بدترین

۱۵- اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں .

۱۶- اس میں ان کی خلافت کی طرف بھی اشارہ ہے .

ہیں ، جو قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں '' یہ حکم عام ہے اور قبر پر مسجد بنانے والے ہر فرد کو شامل ہے خواہ وہ اس (قبر) پر نماز پڑھے یا اس کی طرف منہ کر کے ادا کرے یا اس کے قریب ادا کرے ، یہی قبر کے نزدیک نماز کا قصد کرنا ہے جو انسان کو ان بدترین لوگوں میں شامل کر دیتا ہے جن کا ذکر نبی اکرم ﷺ نے حدیث مبارک میں کیا ہے اور ان کا وصف بھی بیان کیا ہے .

آپ ذرا ان احادیث کی روشنی میں ان مسلمان ممالک کا جائزہ لیجئے جن میں خوب قبروں پر عمارتوں کی تعمیر ہوتی ہے ، ان پر قبے اور مزار بنائے جاتے ہیں ، پھر ان کی تعظیم کی جاتی ہے ، لوگ وہاں کا قصد کرتے ہیں اور ان بزرگوں کی دعاؤں کی قبولیت اور ان کا لاچاروں اور بے کسوں کی فریاد رسی کرنا وغیرہ کے لمبے لمبے قصے کہانیوں کا ذکر کیا جاتا ہے ، ایسے میں آپ کو موجودہ اور اس سے پہلے زمانہ میں اسلام کی شدید اجنبیت محسوس ہوگی ، اور مزید اس پر یہ کہ اس وقت کیفیت کیا ہوگی جب ان کے منہ سے یہ سنا جاتا ہے کہ یہ (قبروں پر) عمل جائز ہے بلکہ یہی توحید ہے ، بلکہ جب وہ ان لوگوں کو جو انہیں منع کرتے ہیں یہ اتہام دیتے ہیں کہ تمہیں تو کسی چیز کی سمجھ بوجھ ہی نہیں ، حالانکہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور وہ ان منع کرنے والوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں ، ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی و عافیت کا سوال کرتے ہیں .

باب : ۲۰

بزرگوں کی قبروں کے بارے میں غلو کرنا ، ان کو بت بنا دیتا ہے جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

" اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد ، اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد " (مؤطا امام مالک)

" یا اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جسے لوگ پوجنا شروع کر دیں اور ان لوگوں پر اللہ کا سخت قہر و غضب نازل ہو جنھوں نے انبیاء کرام کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا "

••

شریعت مطہرہ میں قبروں کی صفت ایک ہی ہے ، ایک قبر کو دوسری قبر سے نمایاں کرنے کا حکم شرع میں موجود نہیں اور نہ ہی شریعت میں کوئی ایسی دلیل موجود ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ نیک آدمی کی قبر کو دوسری قبروں سے نمایاں اور منفرد حثیت کا بنانا چاہیے ، بلکہ تمام قبروں کی ایک ہی صفت ہے ، اور وہ یہ ہے کہ قبر یا تو کوہان نما ہو ، یا مربع کی شکل کی ، لھذا صالحین کی قبور میں حد سے تجاوز کرنا شرع کے حکم کو تجاوز کرنا ہے ، یا شرع نے قبروں کے متعلق جس چیز سے منع کیا ہے اس سے تجاوز کرنا ہے ، اور حد سے تجاوز کرنے کی کئی شکلیں ہیں جیسا کہ قبروں پر کتبے لگانا ، قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ، یا یہ سمجھنا کہ قبر کی تعظیم اللہ کے قرب کا ایک ذریعہ ہے ، وغیرہ وغیرہ ، یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اکبر کے مترادف ہیں .

(وروی مالک فی المؤطأ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد)

" مؤطا امام مالک میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے : کہ اے اللہ میری قبر کو بت نہ

ابن جریر رحمہ اللہ نے آیت مبارکہ : ﴿ أَفَرَئَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى ﴾ کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ سفیان اور منصور کے طریق سے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ ''لات'' حجاج کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، جب وہ فوت ہو گیا تو لوگ اس کی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ گئے، ابوالجوزاء بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ''لات'' حجاج کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا.

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ :

'' لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم زائرات القبور ، و المتخذين عليها المساجد والسرج '' (رواہ اھل السنن)

''رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر، قبروں پر مساجد بنانے

....

بنانا، جسے لوگ پوجنا شروع کردیں''

اس میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے اور پناہ طلب کی ہے کہ یا اللہ ایسا معاملہ واقع نہ ہو، اس کا معنی یہ ہے کہ ممکن ہے کہ قبر بت کی شکل اختیار کرے لوگ جس کی پوجا کرنے لگیں، پس معلوم ہوا کہ قبر کا بت ہونا، لوگ جس کی پوجا کرتے ہوں، اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ کیا ہے؟ وہ آپ ﷺ کے اس کے بعد والے فرمان سے واضح ہے :

'' اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبيائهم مساجد ''

''اور ان لوگوں پر اللہ کا سخت قہر و غضب نازل ہو جنہوں نے انبیاء کرام کی قبروں کو مسجدیں بنالیا'' اسی کا نام غلو اور حد سے بڑھنا ہے جو کہ اسباب اور ذرائع میں غلو ہے، نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث مبارک میں سبب اور اس سے نفرت دونوں کو ذکر فرمایا ہے اور فرمایا : کہ اللہ کا سخت غضب ہو ان لوگوں پر جو اس کا ارتکاب کرتے ہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ یہ سبب و ذریعہ اپنے مرتکبین کو کہاں تک پہنچا دیتا ہے؟ وہ یہ کہ قبور بت بن جاتی ہیں، جن کی اللہ کے سوا پوجا کی جاتی ہے، لھذا اس

اوران پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے

اس باب کے مسائل

۱- اوثان کی تفسیر وتوضیح ہے .

۲- عبادت کے معنی ومفہوم کا بیان ہے .

۳- رسول اللہ ﷺ نے صرف اسی چیز سے پناہ مانگی جس کے وقوع پذیر ہونے کا خدشہ تھا .

۴- جہاں آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ جس کی پوجا کی جائے ، وہاں آپ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ پہلے لوگوں نے انبیاء کرام کی قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا تھا .

....

حدیث میں یہ بیان ہوا کہ قبر کا بت بن جانا ممکن ہے .

(ولابن جریر بسنده عن سفیان عن منصور عن مجاهد قال فی قوله : ﴿أَفَرَئَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى﴾

مجاہد رحمہ اللہ کے قول میں محل شاہد یہ ہے کہ " مات فعکفوا علی قبرہ " " کہ جب وہ مرگیا تو لوگ اس کی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ گئے " اس وجہ سے کہ یہ آدمی ان کو ستو گھول کر پلانے کا فائدہ دیتا تھا ، چناچہ اس آدمی کی نیکی و بھلائی نے ان کو اس کی قبر کے بارے میں غلو کرنے پر لگا دیا .

عکوف : اس کا معنی ہے ٹھہرنا ، یعنی قبر کی تعظیم کے ارادے سے اسے لازم پکڑنا ، اور اس کے لازم پکڑنے میں ثواب ، نفع اور دفع مصائب کی امید کرنا ، قبروں پر اعتکاف یعنی وہاں بیٹھنا ، مجاوری کرنا قبروں کو بت بنا دیتا ہے جن کی پوجا کی جاتی ہے .

(وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال : لعن رسول الله ﷺ ....)

۵- آپ نے فرمایا کہ ایسے کام کرنے والوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا.

٦ - ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ ''لات'' جو عرب کا سب سے بڑا بت تھا اس کی عبادت کیسے شروع ہوئی اس کا بیان ہے.

۷- یہ بھی پتہ چلا کہ لات ایک نیک آدمی کی قبر تھی.

۸- ''لات'' صاحب قبر کا نام تھا، اور اس کی وجہ تسمیہ بھی مذکور ہے.

۹- آپ ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں.

۱۰- قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر آپ نے لعنت فرمائی ہے.

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں کے بارے میں اور ان کا کیا حکم ہے اس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے، جبکہ قبروں پر چراغاں کرنے سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل بھی قبروں کی تعظیم کا ایک ذریعہ ہے اور غلو کی ایک قسم ہے، جس کی بنا پر قبروں پر چراغاں کیا جاتا ہے، پہلے زمانے میں لوگ قبروں پر چراغ اور دیے جلاتے تھے اور آج کل بڑے بڑے فانوس اور لائٹوں کے گلوب اور سرچ بتیاں نصب کی جاتی ہیں جس سے وہ جگہ چمک اٹھتی ہے اور رہنمائی کرتی ہے کہ یہی جگہ مطلوب و مقصود ہے اور لوگوں کو اس قبر کی تعظیم پر رغبت دلاتی ہے یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے لعنت کا لقب لئے ہوئے ہیں، لھذا قبروں پر یہ (چراغاں) ممنوع اور ناجائز ہے.

باب : ۲۱

رسول اللہ ﷺ کا توحید کی مکمل حفاظت ، اور ذریعہ شرک بننے والی ہر راہ کا سد باب کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾ (التوبة : ۱۲۸)

" (لوگو !) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے ، تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے ، وہ تمہاری (فلاح و ہدایت کا) حریص ہے اور اہل ایمان کے لئے نہایت شفیق و مہربان ہے "

....

(وقول الله تعالىٰ : ﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

" (لوگو !) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے ، تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے ، وہ تمہاری (فلاح و ہدایت کا) حریص ہے اور اہل ایمان کے لئے نہایت شفیق و مہربان ہے "

یعنی وہ رسول نہیں چاہتا کہ تم کسی تکلیف یا مشقت میں مبتلا ہو ، وہ تم پر حریص ہے . ہمارا تکلیف میں پڑنا آپ پر گراں گزرنے کی ہی ایک جھلک یہ ہے ، اور یہ کہ آپ نے **جس توحید کی مکمل** حفاظت فرمائی اور ہر ایسے راستے کا سد باب کیا جس کے ذریعے ہم شرک میں مبتلا ہو سکتے ہیں . **وہ مومنوں پر نہایت** ہی مشفق و مہرباں ہے .

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لاتجعلوا بيوتكم قبورا ، ولا تجعلوا قبري عيدا ، وصلوا علي فإن صلاتكم تبلغني حيث كنتم "

"اپنے گھروں کو (نماز، دعا اور تلاوت قرآن ختم کر کے) قبرستان نہ بناؤ اور نہ میری قبر کو میلہ گاہ بناؤ، تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود (وسلام) پڑھو، تمہارے درود مجھ تک پہنچ جائیں گے" (اسے ابوداود نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں)

﴿ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴾

" پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے "

(وعن ابي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتجعلوا بيوتكم قبورا ......)

(اس حدیث میں عید کا ذکر ہے تو) عید کبھی مکانی ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے اور کبھی زمانی ہوتی ہے.

(لاتجعلوا قبري عيدا) "میری قبر کو میلہ گاہ نہ بناؤ" یعنی میری قبر کو ایسا میلہ گاہ نہ بنالینا کہ تم سالانہ ایک وقت مقررہ میں اس کی طرف لوٹ کر آیا کرو، یا تم وقت مقرر کرلو کہ فلاں فلاں وقت میں قبر کی زیارت کے لئے جانا ہے، کیونکہ یہ عمل وسیلہ بن سکتا ہے کہ تم کہیں نبی اکرم ﷺ کی تعظیم اسی طرح نہ کرو جیسے اللہ تعالیٰ کی کی جاتی ہے. کیونکہ قبر کو میلہ گاہ بنانا شرک کے ذرائع واسباب میں سے ایک ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: " وصلوا علي فإن صلاتكم تبلغني حيث ماكنتم " " کہ تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو، تمہارے درود مجھ تک پہنچ جائیں گے "

علی بن حسین رحمہ اللہ نے ایک شخص کو نبی ﷺ کی قبر کے گرد بنی دیوار میں ایک شگاف سے اندر داخل ہو کر قبر کے پاس دعا کرتے ہوئے دیکھا تو اسے روک دیا، اور کہا کہ میں تجھے وہ حدیث نہ بتاؤں جو میرے باپ نے میرے دادا سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

" لا تتخذوا قبری عیدا ، ولا بیوتکم قبورا ، وصلوا علی فإن تسلیمکم یبلغنی حیث ماکنتم " (رواہ فی المختارۃ)

" میری قبر کو میلہ (گاہ) نہ بنانا ، اور تم (نماز ، دعا اور تلاوت ترک کر کے) اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنالینا اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا ، اس لئے کہ تم جہاں بھی ہوگے ، تمہارا سلام مجھے پہنچ جائے گا "

اس باب کے مسائل

۱- سورۃ براءت کی آیت کی تفسیر.

۲- آپ ﷺ کا اپنی امت کو حدود شرک سے بہت دور رہنے کی ہدایت کرنا.

۳- نبی اکرم ﷺ کا ہمارے اوپر حریص اور شفیق ومہربان ہونے کا بیان.

۴- آپ ﷺ نے مخصوص انداز میں اپنی قبر کی زیارت سے منع فرمایا ہے ، حالانکہ آپ کی قبر کی زیارت (اگر شرعی حدود و قیود میں رہ کر کی جائے تو یہ) انتہائی فضیلت والے اعمال میں سے ہے.

••

(وعن علی بن حسین رضی اللہ عنہ أنہ رأی رجلا یجئی إلی فرجۃ کانت عند قبرالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ....)

اسی طرح علی بن حسین کی حدیث بھی اسی معنی پر دلالت کر رہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے

۵- آپ نے بار بار زیارت قبر کے لئے جانے سے منع فرمایا ہے۔
٦- آپ ﷺ نے نفل نماز گھر میں ادا کرنے پر ترغیب دلائی ہے۔
۷- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ بات طے شدہ تھی کہ قبرستان میں نماز جائز نہیں۔

۸- صلاۃ وسلام کے بارے میں آپ نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ آدمی کا درود وسلام مجھ تک پہنچ جاتا ہے خواہ وہ دور ہی کیوں نہ ہو۔ لھذا اس غرض سے قریب آنے کی ضرورت نہیں۔
۹- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ برزخی زندگی میں ہیں جہاں آپ پر امت کے اعمال میں سے درود وسلام پیش کیا جاتا ہے۔

....

چمنستان توحید کی خوب حفاظت فرمائی اور ہر اس راستے کو بند کر دیا جو شرک تک پہنچانے والا تھا حتی کہ اپنی قبر کو بھی تو دوسروں کی قبروں کو من باب اولی، لیکن نتیجہ یہ ہے کہ اس امت کے بہت سے گروہوں نے نبی اکرم ﷺ کی اس حفاظت توحید کو قبول نہیں کیا اور قبور کو سجدہ گاہ اور میلہ گاہ بنالیا، بلکہ وہاں مزار بنالئے، ان پر چراغاں کیا بلکہ وہاں چڑھاوے چڑھائے، اور منتوں کو مانا، ان کا طواف کیا اورانہیں بیت اللہ کی مانند قرار دیا، ان کے گرد ونواح کی جگہوں کو اللہ تعالی کی بابرکت جگہوں کی بہ نسبت زیادہ مقدس مانا، بلکہ اس سے بھی آگے آپ دیکھیں گے کہ قبروں کے پجاری جب نبی اکرم ﷺ کی قبر، یا کسی ایک آدمی کی قبر، یا کسی ولی کی قبر پر آتے ہیں تو ان کے دلوں میں ایسا خشوع و خضوع، عاجزی وانکساری، رغبت اور خوف طاری ہوتا ہے کہ اگر وہ تنہائی میں اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہوں تو تب ان کے اندر یہ کیفیت پیدا نہ ہوگی، یہ تو بالکل واضح اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی اوران کے حکم سے سرگردانی ہوگی۔

باب :۲۲

اس امت کے بعض افراد بتوں کی پوجا کریں گے

شیخ رحمہ اللہ نے معرفت توحید کے وجوب، شرک سے خوف، توحید کی بعض اقسام اور شرک اکبر واصغر کی بعض اقسام اور ان کے اسباب وذرائع کو بیان کرنے کے بعد یہ باب اس لئے قائم کیا تاکہ کوئی اعتراض کرنے والا یہ اعتراض نہ کر سکے (یعنی اس کے رد میں یہ باب قائم کیا ہے) کہ (جو کچھ آپ نے پیچھے بیان کیا ہے) وہ سب صحیح ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ امت تو شرک اکبر میں واقع ہونے سے معصوم ومحفوظ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

(إن الشيطان أيس أن يعبده المصلون في جزيرة العرب ولكن في التحريش بينهم)' شیطان جزیرہ عرب میں اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی (مومن) اسکی پوجا کریں لیکن وہ ان کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف لڑائی جھگڑے اور بغض وعناد پر برانگیختہ کریگا''۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال اپنی جگہ درست نہیں کیونکہ شیطان تو مایوس ہو چکا لیکن اللہ تعالی نے تو اسے مایوس نہیں کیا کہ جزیرہ عرب میں اس کی پوجا کی جائے، پھر دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: (أيس أن يعبده المصلون) وہ مایوس ہو گیا ہے کہ نمازی اس کی پوجا کریں، اس ٹکڑے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز ادا کرنے والے وہ لوگ ہیں جو نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور سب سے بڑی برائی جس سے نمازی مومن منع کرتے ہیں وہ اللہ تعالی کے ساتھ شرک اکبر ہے، تو شیطان ان مومنوں سے مایوس ہو چکا ہے جو نماز کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں کہ وہ اس کی پوجا کریں گے۔

لھذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ اس امت میں شیطان کی عبادت نہیں ہوگی، اور یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے تھوڑی دیر بعد ہی شیطان کی پوجا شروع ہوگئی

فرمان الٰہی ہے : ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ أُوتُوا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ﴾ (النساء : ۵۱)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا وہ بت اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے : ﴿ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللّٰهِ

....

جیسا کہ عرب کا ایک گروہ مرتد ہو گیا اور یہ ارتداد شیطان کی عبادت ہی تو ہے کیونکہ شیطان کی عبادت اس کی اطاعت کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے : ﴿ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِيْ آدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ " اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے قول و قرار نہ لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

اور شیطان کی عبادت سے مراد جیسا کہ آیت مبارکہ کی تفسیر میں ہے کہ امر و نہی اور شرک میں اس کی اطاعت کرنا، ایمان اور اس کے لوازمات کو ترک کرنے میں اس کی اطاعت کرنا ہے۔

(الأوثان) یہ وثن کی جمع ہے اور وثن ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کا لوگ اللہ کے ساتھ عبادت کا قصد کریں یا استغاثہ (فریاد) کریں، یا یہ اعتقاد رکھیں کہ وہ چیز اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نفع ونقصان کی مالک ہے یا اس سے اسی طرح کا خوف رکھا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے رکھا جاتا ہے خواہ یہ وثن بت کی صورت میں ہو یعنی آدمی وغیرہ کی شکل میں ہو یا ایسی صورت میں نہ ہو جیسا کہ دیوار یا قبر یا میت وغیرہ ہے۔

فرمان الٰہی ہے : ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ أُوتُوا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ﴾

" کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا وہ بت اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں"۔

مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ﴾
(المائدۃ : ۶۰)

جبت : یہ ایک ایسا عام لفظ ہے جو ہر اس چیز یا عمل پر بولا جاتا ہے جس میں اعتقاداً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت و نافرمانی ہو ، کبھی تو جبت کا اطلاق جادو پر ہوتا ہے اور کبھی کاہن (نجومی) پر بولا جاتا ہے اور کبھی اس ردی اور حقیر چیز کو کہا جاتا ہے جو اپنے مالک کو نقصان پہنچاتی ہے

طاغوت : ایک اسم ہے جو طغیان (سرکشی) سے مشتق ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ:

ہر وہ چیز جس میں انسان اس کی حدود کو تجاوز کر جائے خواہ وہ چیز معبود (باطل) ہو یا متبوع ہو یا مطاع ، دین میں متبوع کا معنی یہ ہے کہ وہ اس چیز کا حکم دے جس کا حکم شریعت نے دیا ہے اور اسی چیز سے منع کرے جس سے شریعت نے منع کیا ہو، لھذا طاغوت میں وہ سب لوگ شامل ہیں جن کی عبادت کی گئی ، اور وہ لوگ جن کی اتباع کی گئی اور وہ لوگ جن کی اطاعت کی گئی.

اس آیت مبارکہ کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ : یہ (شرکیہ) عمل اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کرتے تھے ، اور نبی کریم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ جو کچھ پہلی امتوں میں واقع ہوا بعینہ وہی اس امت میں بھی واقع ہوگا جیسا کہ اس کا ذکر ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آگے آرہا ہے ، چنانچہ اس آخری امت میں سے بعض لوگ جادو پر ایمان لائے اور بعض نے غیر اللہ کی عبادت کا ارتکاب کیا ، سو یوں انہوں نے اپنے سے پہلوں کی اتباع کی .

ارشاد باری تعالیٰ ہے :﴿ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ﴾.

یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں فاسقوں کے انجام سے بھی بدتر انجام والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور جنہوں نے طاغوت کی عبادت کی .

آپ کہہ دیجئے ! کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کے بارہ میں نہ بتاؤں جن کا انجام کار اللہ تعالی کے ہاں ان (فاسقوں) سے بھی بدتر ہے ؟ وہ ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی نے لعنت کی اور ان پر وہ غصہ ہوا، اور ان میں بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا اور (یہ لوگ ہیں) جنھوں نے طاغوت (معبودان باطلہ) کی پرستش کی۔

نیز فرمایا:

﴿ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلٰى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ﴾ (الکھف: ۲۱)

"جن لوگوں نے ان کے بارے میں غلبہ پایا وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان (کی غار) کے آس پاس مسجد (عبادت گاہ) بنالیں گے"۔

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(لتتبعن سنن من كان قبلكم ، حذو القذة بالقذة ، حتى لو دخلوا جحر ضب لدخلتموه ، قالوا: يا رسول الله اليهود والنصارىٰ قال فمن ؟) (بخاری ومسلم)

••

طاغوت کی عبادت ایک عام لفظ ہے اس میں قبروں کی وہ عبادت بھی شامل ہے جیسے بتوں کی عبادت کہا جاتا ہے اور ان اصحاب قبور کو الٰہ بنایا جاتا ہے ، اسی میں اللہ تعالی کی جانب ان اصحاب قبور کا وسیلہ پکڑا جانا بھی شامل ہے ، اور یہ عمل امت محمد ﷺ کے بعض افراد سے سرزد ہو چکا ہے ، جیسا کہ قبروں ، مزاروں ، درختوں اور پتھروں وغیرہ کے ذریعے بتوں کی عبادت (اس امت میں) واقع ہو چکی ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلٰى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ﴾

"جن لوگوں نے ان کے بارے میں غلبہ پایا وہ کہنے لگے کہ ہم تو ان (کی غار) کے آس پاس مسجد (عبادت گاہ) بنالیں گے"۔

"تم ضرور پہلی امتوں کی پیروی کرتے ہوئے اس طرح ان کے برابر ہو جاؤ گے جیسے تیر کے پر برابر ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر وہ ضب (سانڈے) کی بل میں گھسے ہوں تو تم بھی وہاں ضرور جا گھسو گے ، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ (پہلی امتوں سے آپکی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اور کون ہے؟"۔

ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: (إن الله زوى لى الأرض فرأيت مشارقها ومغاربها وإن أمتى سيبلغ ملكها مازوى لى منها وأعطيت الكنزين الأحمر والأبيض وإنى سألت ربى لأمتى أن لا يهلكها بسنة عامة وأن لايسلط عليهم عدوا من سوى أ نفسهم فيستبيح بيضتهم وإن ربى قال يامحمد إنى إذا قضيت قضاء ا فإنه لا يرد وإنى أعطيتك لأمتك أن لاأهلكهم بسنة عامة وأن لا أسلط عليهم عدوا من سوى أنفسهم فيستبيح بيضتهم ولو اجتمع عليهم من بأقطار ها حتى يكون بعضهم يهلك بعضا ويسبى بعضهم بعضا).

••

﴿ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى أَمْرِهِمْ ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھ میں کنٹرول تھا اور طاقت تھی تو انہوں نے ان بزرگوں کی تعظیم کی اور کہا ﴿ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ﴾ کہ ہم ضرور ان (کی غار) پر مسجد بنائیں گے ، جب یہ (شرک) سابقہ امت میں واقع ہو چکا ہے تو لازما اس امت میں بھی واقع ہوگا کیونکہ شرک کی کوئی خصلت بھی جو سابقہ امتوں میں واقع ہو چکی ہے وہ لازما اس امت میں حاصل ہوگی۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(لتتبعن سنن من كان قبلكم) "تم ضرور پہلے لوگوں کے راستہ پر چلو گے"۔

(سنن) یہ مفرد کلمہ ہے جس کا معنی راستہ وطریقہ ہے ،تو عبارت کا معنی یہ ہوا کہ تم پہلے

اللہ تعالی نے میرے لئے زمین اس حد تک سمیٹ دی کہ میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھ لئے اور میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک مجھے زمین سمیٹ کر دکھائی گئی ہے اور مجھے دو خزانے ایک سرخ اور دوسرا سفید عطا کیئے گئے اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لئے یہ دعا کی کہ وہ اسے عام قحط سالی سے ہلاک نہ کرے اور ان کے نفسوں کے علاوہ کوئی ایسا بیرونی دشمن مسلط نہ کرے جو انہیں تباہ کر کے رکھ دے تو میرے رب نے فرمایا: اے محمد ﷺ میں جب کوئی فیصلہ کر دیتا ہوں تو اسے ٹالا نہیں جا سکتا میں آپ کی امت کے حق میں آپ کی یہ دعا قبول کرتا ہوں کہ انہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہیں کروں گا اور ان پر ان کے نفسوں کے علاوہ کوئی ایسا بیرونی دشمن مسلط نہیں کرونگا جو انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دے ، اگرچہ سارے دشمن ان کے خلاف متحد اور مجتمع کیوں نہ ہو جائیں ، البتہ وہ خود آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک بھی کریں گے اور قیدی بھی بنائیں گے ۔

....

لوگوں کے راستہ پر ضرور چلو گے اور آپ ﷺ کے فرمان (لتتبعن) میں لام، قسم کے جواب میں واقع ہوا ہے تو آپ ﷺ نے کس لئے قسم کھائی ؟ اس لئے کہ کلام میں زیادہ تاکید پیدا ہو جائے کہ یہ امت ضرور بالضرور سابقہ امتوں کے نقش قدم پر چلے گی ، اس میں ہمیں ان کی پیروی کرنے سے ڈرایا گیا ہے (حذو القذة بالقذة) یعنی برابری میں ، القذة ، تیر کے پر کو کہتے ہیں کہ اس کا ایک پر دوسرے کے بالکل برابر ہوتا ہے ۔

(حتی لو دخلوا جحر ضب لدخلتموه ، قالوا : یارسول اللّٰہ الیہود والنصاری قال فمن ؟) یہاں تک کہ اگر وہ ضب (سانڈے) کی بل میں گھسے ہوں تو تم بھی وہاں ضرور جا گھسو گے ، صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ (پہلی امتوں سے) آپکی مراد یہود و نصاری ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اور کون ہے؟ ۔

اس حدیث کو حافظ برقانی رحمہ اللہ نے (کتاب الصحیح) میں بیان فرمایا ہے لیکن اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ:

(إنما أخاف على أمتى الأئمة المضلين وإذا وقع عليهم السيف لم يرفع إلى يوم القيامة ولا تقوم الساعة حتى يلحق حى من أمتى بالمشركين وحتى تعبد فئام من أمتى الأوثان وأنه سيكون فى أمتى كذابون ثلاثون كلهم يزعم أنه نبى وأنا خاتم النبيين لانبى بعدى ولاتزال طائفة من أمتى على الحق منصورة لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى ياتى أمرالله تبارك وتعالى).

••

اس باب کا دارو مدار اسی حدیث پر ہے جس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ہر کفر اور شرک جو سابقہ امتوں میں واقع ہوا وہ اس امت میں ضرور واقع ہوگا۔

مسلم شریف میں ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ سے حدیث مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

(إن الله زوى لى الأرض فرأيت مشارقها ومغاربها وإن أمتى سيبلغ ملكها مازوى لى ....)(ورواه البرقانى فى صحيحه وزاد إنما أخاف على أمتى الأئمة المضلين)

"اللہ تعالی نے میرے لئے زمین اس حد تک سمیٹ دی کہ میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھ لئے۔ اور میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک مجھے زمین سمیٹ کر دکھائی گئی ..... الحدیث۔

اس حدیث کو حافظ برقانی رحمہ اللہ نے (کتاب الصحیح) میں بیان فرمایا ہے لیکن اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ: آپ ﷺ نے فرمایا:

"مجھے اپنی امت کے بارہ میں گمراہ پیشواؤں کا خدشہ ہے"۔

گمراہ پیشواؤں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں لوگ اپنا امام اور مقتدیٰ بنالیتے ہیں خواہ دین کے ناطے سے یا بطور حکمران، وہ لوگوں کی باگ ڈور کے مالک ہوتے ہیں اور وہ لوگوں کو بدعتی اور

آپ ﷺ نے فرمایا:

"مجھے اپنی امت کے بارہ میں گمراہ پیشواؤں کا خدشہ ہے اور جب ان میں ایک مرتبہ تلوار چل پڑی تو تا قیامت بند نہ ہوگی اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت کی ایک جماعت مشرکین سے نہ جا ملے اور امت کے بہت سے گروہ بتوں کی پوجا نہ کرنے لگیں گے اور میری امت میں تیس دجال ہوں گے وہ سب کے سب نبوت کا دعوی کریںگے جبکہ میں خاتم النبیین (آخری نبی) ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ (تا قیامت) حق پر قائم رہے گا ان کی (اللہ تعالی کی جانب سے) مدد کی جائے گی ان کو چھوڑ جانیوالے اوران کی مخالفت کرنے والے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالی کا حکم (قیامت) آ جائے".

اس باب کے مسائل

۱-سورۃ نساء کی آیت کی تفسیر (جس میں اہل کتاب کے بتوں اور شیطان کی پوجا کرنے کا ذکر ہے)

۲-سورۃ مائدۃ کی آیت کی تفسیر (جس میں فاسقوں سے بھی بدتر انجام والوں کا ذکر

••

شرکیہ اعمال کے ذریعے گمراہ کرتے ہیں لوگوں کی نظروں میں یہ شرکیہ اعمال اچھے اور خوشنما بنا کر پیش کرتے اور دکھاتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان (عوام) کو اپنی آنکھوں میں برحق نظر آتے ہیں).

(وإذا وقع عليهم السيف لم يرفع إلى يوم القيامة ولا تقوم الساعة حتى يلحق حى من أمتي بالمشركين)

"اور جب ان میں ایک مرتبہ تلوار چل پڑی تو تا قیامت بند نہ ہوگی اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت کی ایک جماعت مشرکین سے نہ جا ملے"

ہے)

۳ - سورۃ کہف کی آیت کی تفسیر (جس میں اصحاب کہف کے غار پر مسجد بنانے کا ذکر ہے)

۴ - سب سے اہم مسئلہ کہ جبت (بت) اور طاغوت (شیطان) پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس سے مراد دلی اعتقاد ہے یا ان سے نفرت اور ان کے بطلان کا اعتقاد رکھتے ہوئے ان کی ظاہری موافقت کرنا ہے؟ اس کا بیان ہے۔

۵ - اس سے ان یہودیوں کی یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وہ کفار جو اپنے کفر سے واقف ہیں وہ اہل ایمان سے زیادہ صحیح راستہ پر ہیں۔

۶ - ایک اہم مسئلہ جو عنوان باب کا مقصود ہے کہ یہ امت بھی سابقہ امتوں کی پیروی میں کوئی کسر نہ چھوڑے گی یہاں تک کہ بت پرستی بھی، جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں موجود ہے۔

۷ - آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صراحت سے فرمانا کہ اس امت میں بت پرستی ضرور واقع ہوگی۔

۸ - تعجب کی بات تو یہ ہے کہ مختار ثقفی جیسا شخص نبوت کا دعوی کرنے لگا، حالانکہ وہ کلمہ شہادت کا اقراری تھا اور اس امت کا ایک فرد ہونے کا معترف تھا اور یہ بھی مانتا تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن برحق ہیں، حالانکہ اسی قرآن میں یہ موجود ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اس کے باوجود کہ اس کی باتوں میں اس قدر تضاد واضح تھا لیکن پھر بھی لوگ اس کی تصدیق کرتے رہے،

....

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اسلامی ممالک کو چھوڑ کر کافروں اور مشرکوں کے ممالک میں جا بسیں گے ان سے اور ان کے دین سے رضامندی کا اظہار کریں گے یا پھر یہ مراد ہے کہ وہ صفات کے ناطے سے تبدیل ہو جائیں گے یعنی وہ مشرکوں کی طرح شرک کریں گے اور اپنے دین سے مرتد

یہ مختار صحابہ کے آخری دور میں ظاہر ہوا تھا اور بہت سے گروہوں نے اس کی پیروی کی تھی.

۹- یہ بشارت کہ حق امت محمدیہ سے بالکل زائل نہ ہوگا جیسا کہ سابقہ امتوں میں ہوتا رہا بلکہ ایک جماعت تا قیامت حق پر قائم رہے گی.

۱۰- اہل حق کی ایک بڑی نشانی یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کو چھوڑ جانے والے اوران کی مخالفت کرنے والے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے.

۱۱- یہ شرط تا قیامت قائم رہے گی.

۱۲- مذکورہ بالا حدیث میں مندرجہ ذیل نشانیوں کا بیان ہے:

- آپ ﷺ کا یہ بتانا کہ اللہ تعالی نے آپ کے لئے زمین کے مشرق ومغرب سمیٹ دیئے اور جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا بخلاف شمال وجنوب کے (اس کا آپ نے ذکر ہی نہیں فرمایا).

- آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ آپ کو دوخزانے عطا کیے گئے.

- آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ امت کے بارہ میں میری دو دعائیں قبول ہوگئی ہیں.

- آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ تیسری دعا قبول نہیں ہوئی.

- آپ ﷺ کا فرمانا کہ میری امت میں جب تلوار چل نکلے گی تو تا قیامت نہ رکے گی.

- آپ ﷺ کا یہ خبر دینا کہ اس امت کے بعض لوگ ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے، اور ایک دوسرے کو غلام بنائیں گے، اور آپ نے اپنی امت کی بابت گمراہ ائمہ کے خدشہ کا بھی اظہار فرمایا.

....

ہو جائیں گے.

(حتی تعبد فئام من أمتي الأوثان) یہاں تک کہ میری امت کے بہت سے گروہ بتوں

- آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ اس امت میں جھوٹے نبی پیدا ہوں گے.
- آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ حق کی جماعت تا قیامت رہے گی.

یہ تمام باتیں آپ کی پیش گوئی کے مطابق حرف بحرف پوری ہوئیں حالانکہ یہ باتیں بعید از قیاس تھیں.

۱۳- نبی اکرم ﷺ نے صرف امت کے گمراہ پیشواؤں سے خطرہ محسوس کیا.

۱۴- آپ ﷺ نے عبادت اوثان (بتوں کی عبادت) کے معنی مفہوم کو واضح فرمایا.

....

کی پوجا کرنے لگیں گے (فئام) سے مراد بڑی جماعتیں ہیں، حدیث کا یہ ٹکڑا باب سے واضح مناسبت رکھتا ہے (وإنه سيكون في أمتي كذابون ثلاثون كلهم يزعم أنه نبي وأنا خاتم النبيين لانبي بعدی ولاتزال طائفة من أمتي على الحق منصورة لايضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى يأتي أمرالله تبارك وتعالى)

"اور میری امت میں تیس دجال ہوں گے وہ سب کے سب نبوت کا دعویٰ کرینگے جبکہ میں خاتم النبیین (آخری نبی) ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ (تا قیامت) حق پر قائم رہے گا ان کی (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) مدد کی جائے گی، ان کو چھوڑ جانیوالے اوران کی مخالفت کرنے والے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے".

حق پر قائم رہنے والے گروہ کو منصورہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان کے دشمنوں کے خلاف دلائل وبیان سے مدد فرمائی ہے نہ کہ تیروں، نیزوں سے، اگر چہ بعض معرکوں میں ان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا یا بعض مواقع پر ان کی حکومتیں پلٹ دی گئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں جو دلائل، نصوص، سچائی اور حقانیت مخالفوں پر عطا کی اس کے سبب وہ غالب اور منصور ہی رہے لھذا وہی حق پر ہیں اوران کے مخالف باطل پر ہیں.

باب :۲۳

جادو کا بیان

ارشاد باری تعالی ہے : ﴿ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴾ (البقرة : ۱۰۲)

" اور وہ بالیقین جانتے ہیں اس جادو کے لینے والے کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے".

نیز فرمایا ﴿ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ﴾ (النساء : ۵۱)

" وہ بتوں اور شیطانوں کو مانتے ہیں".

عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں (الجبت : السحر ، الطاغوت : الشیطان) (تفسیر ابن ابی حاتم) کہ " جبت سے مراد جادو اور طاغوت سے مراد شیطان ہے".

....

جادو اللہ تعالی کے ساتھ شرک اکبر کی اقسام میں سے ایک ہے اور توحید کے اصل کے منافی چیز ہے.

سحر کی حقیقت : کسی چیز پر اثر انداز ہونے کیلئے شیطان کی خدمات حاصل کرنا ، جادوگر کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ شیطانوں کا قرب حاصل کیے بغیر اپنے جادو کو نافذ کر سکے، جب وہ اس کا قرب حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ "شیاطین جن" اس کی خدمت کرتے ہیں کہ وہ جادو کیے ہوئے شخص کے بدن پر تاثیر چھوڑتے ہیں کوئی بھی جادوگر اس وقت تک حقیقی جادوگر نہیں بن سکتا جب تک وہ شیطانوں کا قرب حاصل نہ کر لے لھذا ہم کہیں گے کہ جادو اللہ تعالی کے ساتھ شرک ہے اور اللہ تعالی کا بھی فرمان ہے ﴿ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ﴾ (الفلق : ۴)، اور میں رب کی پناہ میں آتا ہوں گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کے شر سے.

﴿ النَّفَّاثَاتِ ﴾ نفاثۃ کی جمع ہے جو کہ مبالغے کا صیغہ ہے اور النفث سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے جادوگرنی ، اسے نفاثہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ گرہ میں بہت زیادہ پھونکتی ہے ، اور جھاڑ پھونک، منتر اور تعویذ گنڈوں کے ذریعے پھونک لگاتی ہے جس میں وہ جنوں کو استعمال کرتی ہے تا کہ یہ گرہ اپنا کام دکھائے جس میں جادو کئے ہوئے شخص کے بدن کی کوئی چیز ہوتی ہے یا اس میں ایسی چیز ہوتی ہے جو اس مسحور سے متعلق ہے ، یہاں تک کہ یہ جادو اس میں اثر انداز ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے ﴿ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ ﴾ "اس کے لینے والے بالیقین جانتے ہیں" اس سے مراد یہ ہے کہ جادوگر نے توحید کو بیچ کر جادو خرید لیا، توحید قیمت ہے اور جادو سلعہ یعنی سامان ہے ﴿مَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ "اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں" خلاق سے مراد نصیب یعنی حصہ ہے اور اسی طرح جو مشرک ہے اس کیلئے بھی آخرت میں کوئی حصہ نہیں

اور فرمایا: ﴿ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ ﴾ کہ وہ بتوں اور شیطانوں کو مانتے ہیں ، جب اہل کتاب جادو پر ایمان لے آئے اور اسے برحق تسلیم کر لیا تو اللہ تعالی نے ان کی مذمت میں یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی ، جادو یہودیوں میں بکثرت پایا جاتا ہے جب اللہ تعالی نے اس جادو کی وجہ سے ان اہل کتاب کی مذمت فرمائی ، اور ان پر لعنت کی اور ان پر غضب نازل کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ محرمات (حرام کردہ) چیزوں میں سے ایک ہے اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور جب اس میں اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنا پڑتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ سارا عمل ہی اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنا ہے ، اور اس طرح اس کی تمام انواع بھی یہی حکم رکھتی ہیں۔

(قال عمر: الجبت : السحر ، الطاغوت: الشيطان) عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ جبت جادو اور طاغوت شیطان ہے۔ یعنی جبت ایک عام اسم ہے جو بہت ساری چیزوں کو شامل ہے جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں لیکن ان چیزوں میں سے یہودیوں کے پاس سب سے نمایاں

جابر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں (الطواغیت : کہان ، کان ینزل علیہم الشیطان ، فی کل حی واحد) طاغوتوں سے مراد وہ کاہن (نجومی) ہیں جن پر شیطان اترتا تھا اور ہر محلے کا الگ الگ ایک کاہن ہوتا تھا.

اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: (اجتنبوا السبع الموبقات ، قالوا یا رسول اللہ وما ھن ؟ قال الشرك باللہ ، السحر ، وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق ، وأکل الربا ، وأکل مال الیتیم ، والتولی یوم الزحف ، وقذف المحصنات الغافلات المؤمنات) (بخاری ومسلم).

سات مہلک کام کرنے سے بچ کر رہو: صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ سات کام کون کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ۱- اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنا ،۲- جادو کرنا ،۳- کسی کو ناحق قتل کرنا ،۴- سود خوری کرنا ، ۵- یتیم کا مال کھانا ،۶- کفار سے مقابلے کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا ،۷- پاکدامن اور عفیف اہل ایمان عورتوں پر تہمت لگانا.

....

چیز جادو تھی ، تو وہ جبت پر ایمان لاتے تھے یعنی جادو پر ، اور طاغوت پر ایمان لاتے تھے یعنی شیطان پر اور شیطان سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کا حق اور سچائی کو چھوڑ کر قصد کیا جائے.

(وقال جابر) جابر سے مراد جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ ہیں (الطواغیت : کہان ، کان ینزل علیہم الشیطان ، فی کل حی واحد) اس کی وضاحت ابھی آگے آئے گی ان شاء اللہ.

اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: (اجتنبوا السبع الموبقات ، قالوا یا رسول اللہ وما ھن ؟ قال الشرك باللہ ، السحر . . .) سات مہلک کام

جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ (حد الساحر ضربه بالسیف) رواہ الترمذی وقال: الصحیح انه موقوف) جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے ۔اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے.

بجالہ بن عبدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''کتب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنه أن اقتلو کل ساحروساحرۃ ، قال فقتلنا ثلاث سواحر ''

•••

کرنے سے بچ کر رہو: صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ سات کام کون کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ، جادو کرنا ،...)

الموبقات: ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جو ان کے کرنے والوں کو ہلاک کر دیتی ہیں اور دنیا و آخرت میں خسارہ و تباہی اس کا مقدر بنا دیتی ہیں ، یہ اکبر الکبائر میں سے ہے اور سحر کا الشرک باللہ پر عطف کرنا یہ عطف الخاص علی العام کی قبیل سے ہے کیونکہ جادو اللہ کے ساتھ شرک کی اقسام میں سے ایک ہے.

جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ (حد الساحر ضربه بالسیف) رواہ الترمذی وقال: الصحیح أنه موقوف) جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے ، اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے یہ روایت موقوف ہے .

(ضربه) کا لفظ اسی طرح روایت کیا گیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے ، یہاں کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی کہ کون سے جادوگر کو قتل کرنا ہے بلکہ حدیث یہ فائدہ بتلا رہی ہے کہ ہر جادوگر خواہ وہ کسی بھی قسم کا ہو اس کی حد و سزا قتل ہے .

صحیح بات یہی ہے کہ یہاں حد سے مراد مرتد ہونے کی حد ہے ، کیونکہ جادو کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا ارتکاب ضرور کیا جاتا ہے لھذا جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے

"عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ہر جادوگر مرد اور عورت کو قتل کردو ، چنانچہ ہم نے تین جادوگرنیوں کو قتل کیا" (صحیح بخاری)

اور حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "أنها أمرت بقتل جارية لها سحرتها ، فقتلت" (مؤطا امام مالک) "انہوں نے اپنی لونڈی کو قتل کرنے کا حکم دیا جس نے ان پر جادو کیا تھا ، چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا" اسی طرح جندب رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے ، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جادوگر کو قتل کرنا تین صحابہ کرام سے ثابت ہے .

اس باب کے مسائل

۱- سورہ بقرہ کی آیت کی تفسیر (جس میں جادو حاصل کرنے والوں کا انجام بیان کیا گیا .

....

ساتھ شرک کیا وہ مرتد ہے اور اس کا خون و مال حلال ہوا .

صحیح بخاری میں بجالۃ بن عبدۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے (ان کی جانب) لکھا (أن اقتلو كل ساحر وساحرة فقتلنا ثلاث سواحر) کہ ہر جادوگر مرد و عورت کو قتل کردو چنانچہ ہم نے تین جادوگرنیوں کو قتل کیا .

عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ قول واضح طور پر بتا رہا ہے کہ جادوگر اور جادوگرنی کی سزا بغیر تفصیل کے قتل ہے .

(وصح عن حفصة رضى الله عنها أنها أمرت بقتل جارية لها سحرتها ، فقتلت وكذلك صح عن جندب ، قال احمد : عن ثلاثة من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم)

اور حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ، انہوں نے اپنی لونڈی کو قتل کرنے کا حکم دیا جس

۲- سورہ نساء کی آیت کی تفسیر .

۳- جبت اور طاغوت کی تفسیر اور ان کے درمیان فرق کا بیان .

۴- طاغوت جنوں میں سے بھی ہوتا ہے اور انسانوں میں سے بھی .

۵- سات مہلک کاموں کی معرفت حاصل ہوتی ہے جن سے خاص طور پر ممانعت وارد ہے .

۶- جادوگر کافر ہے .

۷- جادوگر کو بغیر توبہ کرائے قتل کر دیا جائے گا .

۸- جادوگر عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی موجود تھے ، تو ان کے بعد کے دور کا کیا حال ہوگا .

••

نے ان پر جادو کیا تھا ، چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا '' اسی طرح جندب رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے ، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جادوگر کو قتل کرنا تین صحابہ کرام سے ثابت ہے .

یعنی جادوگر کا قتل کرنا واجب ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے قتل کرنے کا فتوی صادر فرمایا اور اسے بغیر تفریق کے قتل کرنے کا حکم بھی دیا ، اور یہی واجب ہے کہ جادوگروں کی اقسام میں کچھ فرق نہ کیا جائے ، مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ جادو کی تمام اقسام سے بچ کر رہیں ، اور وہ ایسے شخص کے متعلق جس کے پاس شعبدہ بازی کا علم ہو (منتظمین کو) خبر پہنچا کر برائی کو روکنے کا ذریعہ بنیں اور اپنے عہدہ سے بری الذمہ ہوں ، کیونکہ ائمہ کا کہنا ہے کہ جادوگر جس شہر میں بھی داخل ہو جائیں وہاں ظلم و زیادتی ، فساد اور سرکشی کو پروان چڑھا دیتے ہیں .

باب : ۲۴

جادو کی چند اقسام کا بیان

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ محمد بن جعفر سے روایت کرتے ہیں ، وہ عوف سے ، وہ حیان بن علاء سے ، وہ قطن بن قبیصہ سے اور وہ اپنے باپ قبیصہ سے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”إن العيافة والطرق والطيرة من الجبت “

” عیافہ ، طرق اور طیرہ (کسی بھی چیز کو دیکھ کر بدشگونی لینا) یہ سب جادو کی قسمیں ہیں

” عوف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ” عیافہ : پرندوں کو اڑا کر شگون پکڑنا اور طرق سے مراد زمین پر لکیریں کھینچنا ہے ، یہ علم آج کل علم رمل کہلاتا ہے ، حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیطانی چیخ و پکار کا نام الجبت ہے . (اس حدیث کی سند جید ہے، اس کے مرفوع ٹکڑے کو ابوداود ،نسائی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے)

••

لغت میں سحر کا لفظ عام ہے اس میں وہ خاص معنی بھی داخل ہے جس میں شیاطین سے مدد طلب کی جاتی ہے ، ان کا قرب حاصل کیا جاتا ہے اور ان کی عبادت کی جاتی ہے تاکہ وہ جادوگر کی خدمت کریں ، اسی طرح لفظ سحر میں دوسرے معانی بھی شامل ہیں جن کو شارع نے جادو کا نام دیا ہے ، حالانکہ وہ پہلے جیسے حقیقی جادو کی مانند نہیں ہیں نہ حقیقتاً اور نہ ہی حکماً ، بلکہ وہ تو مختلف درجات ہیں ، ان اقسام میں فرق کرنا ایک مہم مسئلہ ہے . اسی لئے شیخ رحمہ اللہ نے اس باب کو ذکر فرمایا ہے تاکہ ان اقسام کے درمیان فرق کیا جاسکے .

(قال النبي صلى الله عليه وسلم : إن العيافة والطرق و الطيرة من الجبت)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے : کہ عیافہ ، طرق اور طیرہ یہ سب جادو کی اقسام ہیں “

عیافہ: عوف رحمہ اللہ کی تفسیر کے مطابق ، پرندے کو اڑا کر شگون لینا ہے اور وہ اس طرح

کہ انسان پرندے کو اڑا کر دیکھے کہ وہ کس جانب حرکت کرتا ہے پھر اس کے اڑنے سے شگون پکڑے کہ جو کام وہ کرنا چاہتا ہے وہ اس کے حق میں بہتر ہے یا نہیں ، یا پرندے کے اڑنے سے وہ اپنے مستقبل پر معرفت حاصل کرے ، اس طرح کرنا جبت یعنی جادو کی ایک قسم ہے ، کیوں ؟ اس لئے کہ ہم پیچھے یہ بیان کر چکے ہیں کہ جبت کا معنی یہ ہے کہ وہ ردی ، حقیر اور گری پڑی چیز ہے جو کسی کو حق سے ہٹا دے ، تو عیافہ کی تفسیروں میں بھی ایک یہی تفسیر ہے .عیافہ میں اثر قبول کرنے کا معنی پایا جاتا ہے ، تو پرندے کے اڑنے نے اس شگون پکڑنے والے کے لئے کام کرنے یا اس سے رکنے پر اثر اندازی کی ہے ، تو لھذا یہ بھی ایک جادو کی قسم ہے .

طیرہ : یہ عیافہ سے بھی زیادہ عام لفظ ہے کیونکہ عیافہ تفسیر عوف کے مطابق (جو کہ عیافہ کے معانی میں سے ایک معنی ہے) صرف پرندے سے متعلق ہے ، جبکہ طیرہ ایک عام اسم ہے جس کا اطلاق کسی بھی چیز سے شگون یا بد شگون لینے پر ہوتا ہے اور اس کا تفصیلی بیان آئندہ ایک مستقل باب میں آرہا ہے .انشاء اللہ

طرق : یہ زمین پر خط کھینچنے سے ماخوذ ہے (اس قدر خطوط کھینچنا جن کی تعداد معلوم نہ ہو) پھر کاہن جو خطوط استعمال کرتا ہے ان خطوں کو ایک ایک ، دو دو کر کے تیزی سے مٹاتا ہے پھر جو خط باقی رہ جاتا ہے اس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ یہ باقی ماندہ خط فلاں فلاں چیز کی نشاندہی کرتا ہے تو یہ بھی کہانت (نجومیت) کی ایک قسم ہے اور کہانت جادو کی ایک قسم ہے .

قال : (والطرق : يخط بالأرض ، والجبت : قال الحسن : رنة الشيطان)

طرق یعنی زمین پر خطوط کھینچ کر خبریں دینا یہ بھی جادو کی ایک قسم ہے .کیونکہ شیطان اس کی جانب لوگوں کو اپنی چیخ و پکار کے ذریعے بلاتا ہے .

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" من اقتبس شعبة من النجوم فقد اقتبس شعبة من السحر زاد ما زاد "

(ابوداود)

" جس نے علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھا، اس نے اسی قدر جادو سیکھا، جس قدر وہ زیادہ سیکھتا جائے گا اسی قدر اس کے جادو سیکھنے میں اضافہ ہوتا جائے گا "

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" من عقد عقدة ثم نفث فيها فقد سحر ، ومن سحر فقد أشرك ، ومن تعلق شيئا فقد وكل إليه " (سنن نسائی)

" جس شخص نے گرہ لگا کر اس میں پھونک ماری، تحقیق اس نے جادو کیا اور جس نے جادو کیا، پس وہ شرک کا مرتکب ہوا، اور جس نے کوئی چیز (گلے وغیرہ میں) لٹکائی تو اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے "

(وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من اقتبس شعبة من النجوم فقد اقتبس شعبة من السحرزاد ما زاد " رواه ابوداود باسنادصحيح)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" جس نے علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھا، اس نے اسی قدر جادو سیکھا، جس قدر وہ زیادہ سیکھتا جائے گا اسی قدر اس کے جادو سیکھنے میں اضافہ ہوتا جائے گا " (اسے ابوداود نے صحیح سند سے روایت کیا ہے)

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ علم نجوم کا سیکھنا درحقیقت جادو کا سیکھنا ہے، ایک مستقل باب میں علم نجوم کی اقسام کو سیکھنے کا حکم اور ستاروں کو کس مقصد کے لئے بنایا گیا ہے، اس کا بیان آ رہا ہے۔

(وللنسائی من حديث أبي هريرة رضي الله عنه: من عقد عقدة، ثم نفث فيها

) اس حدیث میں " نفث "یعنی پھونک سے مراد وہ پھونک ہے جس میں شیاطین کی پناہ طلب کی گئی ہو اوران سے مدد حاصل کی گئی ہو ، اوراایسا کلام پڑھا گیاہو جس کے پڑھنے سے جن حاضر ہوتے ہوں اور پھر وہ اس جادوئی گرہ کو عملی جامہ پہناتے ہوں ،لھذا ہر وہ گرہ جس میں پھونک ماری جائے وہ جادو کی گرہ نہیں ہے .(فقد سحر) تو ایسے شخص نے جادو کا ارتکاب کیا ،اس لئے کہ گرہ میں پھونک لگانے کی وجہ سے جن اس جادو کو عملی جامہ پہناتے ہیں .

جادوگروں کے ہاں گرہ لگانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس وقت جادو زائل نہ ہوگا جب تک گرہ لگی رہے گی ، جادوگر جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ کام دو چیزوں سے وقوع پذیر ہوتا ہے ،ایک گرہ لگانے سے اوردوسرا پھونک مارنے سے .

اس باب کی مناسبت سے ایک اہم بات جس کا جاننا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ گرہ کبھی تو واضح لگائی ہوئی نظر آتی ہے اور کبھی انتہائی باریک ہوتی ہے (جو عموما دیکھنے سے نظر نہیں آتی).

(ومن سحر فقد أشرك) "اور جس نے جادو کیا وہ شرک کا مرتکب ہوا " یہ حکم عام ہے .

(ومن تعلق شيئا وكل إليه) "اور جس نے کوئی چیز لٹکائی تو اسے اسی کے سپرد کردیا جاتا ہے"

جو شخص اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرلے تو اللہ تعالیٰ اسے (ہر چیز سے) کافی ہوجاتے ہیں اور جب بندہ غیر اللہ سے تعلق قائم کرتا ہے ،اسی پر بھروسہ کرتا ہے تو اسے اسی چیز کے سپرد کردیا جاتا ہے جس کے ساتھ اس نے تعلق قائم کیا ہے ،اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز اسی (اللہ) کی محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نعمتیں عطا کرنے والا اور صاحب فضل ہے . ارشاد الٰہی ہے :

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴾

"اے لوگو ! تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے پرواہ تعریف کیا ہوا ہے"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" ألا هل أنبئكم ما العضه ؟ هي النميمة ، القالة بين الناس "

(صحيح مسلم)

" کیا میں تمہیں عضہ کے متعلق نہ بتاؤں ؟ وہ چغلی ہے ، جو لوگوں میں پھیل جانے والی ہے "

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" إن من البيان لسحرا " (بخاری ومسلم)

" بعض بیان میں بھی جادو (کا سا اثر) ہوتا ہے "

اس باب کے مسائل

۱- عیافہ، طرق اور طیرۃ سب جادو کی اقسام ہیں .

۲- عیافہ ،طرق اور طیرۃ کی تفسیر .

۳- علم نجوم بھی جادو ہی کی ایک قسم ہے .

۴- گرہ لگا کر پھونکنا بھی جادو کی ایک شکل ہے .

۵- چغلی کرنا بھی جادو کی اقسام میں سے ہے .

۶- بعض لوگوں کی فصیح و بلیغ گفتگو بھی جادو کا اثر رکھتی ہے .

....

(وعن ابن مسعود رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : ألا هل أنبئكم ما العضه ؟ هي النميمة ، القالة بين الناس . رواه مسلم)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" کیا میں تمہیں عضہ کے متعلق نہ بتاؤں ؟ وہ چغلی ہے ، جو لوگوں میں پھیل جانے والی ہے "

العضہ لغت میں مختلف اشیاء پر بولا جاتا ہے جن میں سے ایک معنی جادو بھی ہے ۔

چغلی اور جادو میں وجہ مشابہت : جادو کی یہ تاثیر ہے کہ وہ محبت کرنے والوں میں جدائی ، یا دور رہنے والوں کو جمع کر دینے کا باعث ہے ، اس کی تاثیر مخفی اور دلوں پر ہوتی ہے ، جبکہ بعینہ یہی عمل چغلخور کا ہے کہ وہ دوستوں کے درمیان تفریق کا سبب بنتا ہے ، اِدھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی بات اِدھر کرتا ہے ۔

(ولهما عن ابن عمر رضى الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : إن من البيان لسحرا)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ۔

"بعض بیان میں بھی جادو (کا سا اثر) ہوتا ہے "

آپ نے بیان کے متعلق فرمایا : کہ اس کی ایک قسم وہ ہے جو جادو کی سی ہے ، اور یہاں بیان سے مراد : دلی بات کو فصیح و بلیغ اور واضح انداز میں اس طرح ادا کرنا ہے کہ لوگوں کے کان اور دل اس کی جانب متوجہ ہو جائیں ، گویا کہ وہ ان پر جادو کر دے ، اور بسا اوقات بات کرنے والا حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر پیش کر دیتا ہے ۔

اہل علم کے اقوال میں صحیح قول یہی ہے کہ اس حدیث میں (اس قسم کے) بیان کی مذمت بیان کی گئی ہے اور یہ مدح میں وارد نہیں ہے اسی وجہ سے شیخ رحمہ اللہ نے اسے اس باب کے تحت بیان کیا ہے جو کہ محرمات کی اقسام پر مشتمل ہے ۔

باب : ۲۵

نجومیوں کا بیان

بعض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہا نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "من أتى عرافا فسأله عن شيء فصدقه ، لم تقبل له صلاة أربعين يوما" (صحيح مسلم)

جس شخص نے کاہن ونجومی کے پاس جا کر کچھ دریافت کیا، پھر اس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کی تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی.

•••

یہ باب کاہنوں اور انہی جیسوں کے بارہ میں یعنی عرافوں اور نجومیوں کے بارہ میں ہے .

کہانت : ایک ایسا عمل ہے جو اصل توحید کے منافی ہے ، کاہن اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنے والا ہے کیونکہ وہ جنوں کی خدمات حاصل کرتا اور ان کی عبادت کر کے ان کا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ وہ جن اس کی خدمت کرتے ہیں اور اسے غیبی خبریں پہنچاتے ہیں ، اور یہ کام اسی وقت ممکن ہے جب نجومی مختلف عبادات کے ذریعے جنوں کا قرب حاصل کرے .

نجومیوں کی اصل یہ ہے کہ یہ لفظ جاہلیت میں ان لوگوں پر بولا جاتا تھا جن میں ولی اور بزرگ ہونے کے اوصاف سمجھے جاتے تھے اور یہ کہ ان کے پاس وہ غیبی اخبار ہیں جو لوگوں کے مستقبل اور جو کچھ زمین میں ہونے والا ہے اس سے متعلق ہیں اسی وجہ سے عرب کاہنوں اور نجومیوں کی تعظیم کرتے اور ان سے ڈرتے تھے .

جنات چوری چھپے آسمانی باتوں کو سن کر غیبی امور تک پہنچ جاتے ہیں جن میں لوگ ان کو سچا مانتے ہیں .

چوری چھپے (آسمانی باتوں کو) سننے کے تین حالات ہیں:

۱. بعثت سے پہلے ، اور اس وقت یہ کام بہت زیادہ ہوتا تھا.

۲. نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد جنوں کو چوری چھپے کلام سننے کا موقع نہ مل سکا سوائے شاذ و نادر کے اور وہ بھی غیر وحی میں تاکہ اصل وحی و نبوت (اور دیگر جھوٹی باتوں) میں اشتباہ واقع نہ ہو.

۳. آپ ﷺ کی وفات کے بعد چوری چھپے سننے کا سلسلہ پھر چل نکلا لیکن اتنی کثرت سے نہیں جیسا کہ بعثت سے پہلے تھا، کیونکہ آسمان کو چوکیداروں اور شعلوں سے پر کر دیا گیا ہے.

جب یہ بات واضح ہوگئی تو یہ جاننا چاہئے کہ کاہن و نجومی پر عراف کا لفظ بھی بولا جاتا ہے یہ دونوں نام ایک دوسرے میں داخل ہیں ، ایک کا اطلاق دوسرے پر ہوتا ہے اور اسی طرح رمال اور منجم کے لفظ ہیں کہ کبھی رمال کا لفظ بول کر نجومی مراد ہوتا ہے اور کبھی منجم کا لفظ بول کر رمال مراد ہوتا ہے.

بعض ازواج مطہرات رضی اللہ تعالی عنہا نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (من أتى عرافا فسأله عن شيء فصدقه ، لم تقبل له صلاة أربعين يوما)

''جس شخص نے نجومی کے پاس جا کر کچھ دریافت کیا پھر اس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کی تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی''.

شارحین حدیث بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث میں ''فصدقه'' کا لفظ صحیح مسلم میں موجود نہیں بلکہ مسند امام احمد کا لفظ ہے ، شیخ رحمہ اللہ تعالی نے مسند احمد کا لفظ ذکر کیا ہے اور حدیث کی نسبت امام مسلم کی طرف کر کے حدیث کو صحیحین میں سے کسی ایک کی طرف منسوب کرنے میں اہل علم کے طریقہ کار کی پیروی کی ہے جبکہ اس حدیث کی اصل ان دونوں میں سے کسی ایک میں موجود ہو ایسا سند وغیرہ متحد ہونے کی بنا پر کیا جاتا ہے.

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

"من أتی کاھنافصدقه بما یقول فقد کفر بما أنزل علی محمد صلی اللہ علیه وسلم" (ابو داود)

جو شخص کسی نجومی کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد ﷺ پر اتاری گئی.

ایک اور حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "من أتی عرافا أو کاھنافصدقه بما یقول فقد کفر بما أنزل علی محمد صلی اللہ علیه وسلم" (سنن اربعہ و حاکم)

جس شخص نے کسی نجومی کے پاس جاکر، اس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کی تو اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد ﷺ پر اتاری گئی.

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ عراف میں کاہن یعنی نجومی کا معنی بھی موجود ہے اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا (لم تقبل له صلاة أربعین یوما) کہ اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہوگی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نماز ادا ہو جائے گی اور اس پر قضاء واجب نہ ہوگی لیکن اسے ان نمازوں کا ثواب نہ ملے گا، کیونکہ نجومی کے پاس جانے کی وجہ اور اس سے دریافت کرنے کی وجہ سے اس نے جو جرم اور گناہ کیا ہے وہ چالیس روز کی نمازوں کے ثواب کے برابر ہے تو اس گناہ نے اس ثواب کو ضائع کر دیا اور ایسا شخص جو صرف معلومات کی غرض سے نجومی کے پاس جا کر دریافت کرتا ہے اگر چہ اس کی تصدیق نہیں کرتا وہ بھی ایک بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہے جیسا کہ حدیث دلالت کر رہی ہے.

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "من أتی عرافا أو کاھنافصدقه بما یقول فقد کفر بما أنزل علی محمد صلی اللہ علیه وسلم" "کہ جس شخص نے عراف و کاہن کے پاس جا کر اس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کی تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر اتاری گئی ہے."

یہ روایت مسند ابی یعلی میں عمدہ سند کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے موقوفا مروی ہے.

عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

" ليس منا من تطير أو تطير له أو تكهن أوتكهن له ، أو سحر أوسحر له ، ومن أتى كاهنا فصدقه بما يقول فقد كفر بما أنزل على محمد صلى الله عليه وسلم " (مسند بزار بسند جيد)

" وہ شخص ہم میں سے نہیں جو فال نکالے یا نکلوائے ، کہانت کرے یا کروائے ، جادو کرے یا کروائے ، اور جو شخص نجوی کے پاس جاکر اس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کرے تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر اتاری گئی".

••

بلا شبہ جو چیز آپ پر اتاری گئی وہ قرآن کریم ہے ، (اس نے اس قرآن کا کیوں اور کیسے انکار کیا؟) اسلئے کہ قرآن و حدیث دونوں میں یہ بات موجود ہے کہ نجومی ، جادوگر، عراف کبھی فلاح نہ پائیں گیں ، ان کی تو صرف تکذیب کی جاتی ہے تصدیق نہیں.

اور یہاں کفر سے مراد صحیح قول کے مطابق کفر اصغر ہے کیونکہ حدیث مبارک بھی اسی پر دلالت کررہی ہے اور اس کی تعلیل بھی واضح ہے.

عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا منقول ہے کہ (ليس منا .....) یہ لفظ دلالت کررہا ہے کہ مذکورہ افعال محرم ہیں اور بعض اہل علم کا بیان ہے کہ آپ کا یہ فرمانا دلالت کررہا ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہیں ، (من تطير أو تطير له) اس کا معنی ومفہوم اس کے اپنے باب میں آئے گا.

(أو تكهن) یعنی وہ غیب کا دعوی کرے اور کہے کہ میں نجومی ہوں (أوتكهن له) یعنی وہ جو راضی ہو کہ اس کے لئے کہانت کی جائے یعنی وہ نجومی کے پاس آتا ہے اور اس سے کسی چیز کے متعلق دریافت کرتا ہے. (أو سحر أوسحر له ومن أتى كاهنا فصدقه بما يقول فقد كفر بما أنزل

اور یہی حدیث امام طبرانی نے حسن سند کے ساتھ معجم الاوسط میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی ہے لیکن اس میں (من أتى كاهنا) سے لیکر آخر تک کے الفاظ موجود نہیں ہیں.

امام بغوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ :(عراف) وہ ہے جو مقدمات کو سامنے رکھ کر معاملات کی معرفت کا دعوی کرے اور ان کی روشنی میں چوری شدہ یا گم شدہ چیز کی نشاندہی کرے وغیرہ.

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ عراف سے مراد خاص ہے اور کاہن وہ شخص ہے جو مستقبل کے غیبی امور کے متعلق خبر دیتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کہ کاہن وہ ہے جو دل کی بات بتائے.

....

على محمد ﷺ)''یا جادو کرے یا کروائے ،اور جو شخص نجومی کے پاس جا کر اس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کرے تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر اتاری گئی''.

یہ سب اس لئے ہے کہ کاہن کی تصدیق کرنا اللہ تعالی کے ساتھ شرک اکبر میں اس کی مدد کرنا ہے کیونکہ اس سے سوال کرنا ہے جبکہ کاہن بذات خود، اس کا حکم ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ مشرک ہے اور اللہ تعالی کے ساتھ شرک اکبر کا مرتکب ہے .

(امام بغوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ عراف وہ ہے جو مقدمات کو سامنے رکھ کر معاملات کی معرفت کا دعوی کرے اور ان کی روشنی میں چوری شدہ یا گم شدہ چیز کی نشاندہی کرے وغیرہ.

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عراف سے مراد کاہن ہے)اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں .

کاہن : وہ ہے جو مستقبل کے غیبی امور کے متعلق خبر دیتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ جو دل

شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں : عراف ایک ایسا جامع اسم ہے جو کاہن ، نجومی ، رمال اور اس قسم کے تمام لوگوں پر بولا جاتا ہے جو ان طریقوں سے بعض امور و واقعات کی اطلاع دیتے ہیں .

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ : وہ لوگ جو حروف ابجد لکھ کر حساب کرتے ہیں اور جو ستاروں میں دیکھ کر لوگوں کو خبریں دیتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کرنے والوں کے لئے اللہ تعالی کے ہاں آخرت میں کوئی حصہ بھی ہوگا .

کی بات بتائے .

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ :

(العراف اسم للكاهن والمنجم والرمال) کہ عراف کا لفظ کاہن ، نجومی اور رمال سب پر بولا جاتا ہے ، المنجم کی تعریف آگے آئے گی ، اور رمال سے مراد وہی صاحب طُرق ہے جو ریت یا مٹی پر خطوط کھینچتا ہے یا غیبی خبریں دینے کے لئے ریت اور کنکریاں استعمال کرتا ہے اس کا بھی بیان آگے آئے گا

" ونحوهم ممن يتكلم فى معرفة الأمور بهذه الطرق " اور اسی طرح کے لوگ جو ان طریقوں سے بعض واقعات کی اطلاع دیتے ہیں .

یعنی وہ لوگ جو ہتھیلی پڑھتے ہیں یا پیالہ پڑھتے ہیں (یعنی ان کے ذریعے غیبی خبریں دیتے ہیں)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ : وہ لوگ جو حروف ابجد لکھ کر حساب کرتے ہیں اور جو ستاروں میں دیکھ کر لوگوں کو خبریں دیتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کرنے والوں کے لئے اللہ تعالی کے ہاں آخرت میں کوئی حصہ بھی ہوگا .

یہ اس لئے کہ حروف ابجد لکھ کر حساب معلوم کرنا اور ستاروں میں دیکھنا (کہ وہ ستارے معاملات پر اثر انداز ہوتے ہیں کہ نہیں) یہ کہانت (یعنی نجومیت) کی قسم ہے .

اس باب کے مسائل

ا- قرآن پر ایمان لانا اور کاہن کی تصدیق کرنا ، یہ دونوں باتیں ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتیں .

۲-اس بات کی صراحت ہے کہ کاہن کی تصدیق کرنا کفر ہے .

۳- کہانت کروانے والے کا تذکرہ ہے .

۴ -فال نکلوانے والے کا بھی ذکر ہے .

۵- جادو کروانے والے کا بھی ذکر ہے .

۶ -حروف ابجد لکھ کر حساب نکالنے کا طریقہ سیکھنے والوں کا بھی تذکرہ موجود ہے .

۷ - کاہن اور عراف کے درمیان فرق کی وضاحت موجود ہے .

آخر میں یہ کہوں گا کہ کہانت کی بہت زیادہ اصناف ہیں ان سب کا خلاصہ یہ کہ : کاہن اپنے پاس ایک ظاہری وسیلہ استعمال کرتا ہے تا کہ وہ سائل کو قائل کر سکے کہ اس کے پاس ظاہری و علمی طریق سے علم حاصل ہوتا ہے اس کے ذریعے وہ اپنے پاس آنے والوں کو دھوکہ دیتا ہے درحقیقت یہ ایسے ذرائع ہیں جو اس تک علم نہیں پہنچاتے بلکہ اس کے پاس تو جن کے ذریعے سے علم پہنچتا ہے اور یہ (ظاہری) وسیلہ تو لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کرنے اور انہیں وہم میں ڈالنے کے لئے ہے کہ انہیں اسی کے ذریعے علم حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ وہ لوگ ان امور میں اصحاب علم وفن ہیں اور اللہ تعالی کے ولی ہیں . (نعوذ باللہ من ذالک).

باب :۲۶

جادو ٹونے کے ذریعے جادو کے علاج کا بیان

جابر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے نشرہ (جادو کے ذریعے جادو کے علاج) کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''هي من عمل الشيطان''
(مسند احمد ، ابو داود)

''یہ شیطانی عمل ہے''

امام ابو داود کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالی سے نشرہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ ان سب کاموں کو ناپسند کرتے تھے۔

قوله (باب ماجاء في النشرة) یعنی وہ باب جس میں نشرہ کے متعلق تفصیل ذکر کی گئی ہے کہ کیا نشرہ (جادو کو کھولنا یا جادو کا علاج کرنا) کی تمام اقسام ناجائز اور مذموم ہیں یا ان میں سے بعض اقسام مذموم ہیں اور بعض کی اجازت ہے۔

نشرہ کا تعلق جادو سے ہے اور یہ نشر سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے مریض کا تندرست ہو جانا اور یہ (نشرہ) سحرزدہ شخص کے علاج کا نام ہے ، نشرہ کی دو قسمیں ہیں : (۱) نشرہ جائزہ (۲) نشرہ ممنوعہ .

۱- نشرہ جائزہ : یعنی جادو کا علاج قرآنی آیات ،معروف دعاؤں اور طبی ادویہ سے کرنا جس وقت جادو کا اثر انسانی اعضاء پر ہو .

۲ - نشرہ ممنوعہ: جادو کا جادو کے ذریعے علاج کرنا ، یہ ممنوع ہے کیونکہ دوسرا جادوگر پہلے جادو کا علاج اور اسے ختم کرے گا تو لامحالہ اسے اپنے جنوں سے فریاد کرنی پڑے گی ان سے رابطہ کرنا پڑے گا کہ وہ جنوں کی اس گرہ اور اس کے اثر کو ختم کریں جنہوں نے اس کو لگایا تھا لہذا یہ ثابت ہوا کہ جب گرہ لگائی گئی اور جادو کی ابتدا ہوئی تب بھی اللہ تعالی کے ساتھ شرک کیا گیا اور جب اسے ختم

قتادہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن میتب رحمہ اللہ تعالی سے دریافت کیا کہ اگر کسی آدمی پر جادو ہو یا کوئی ایسا ٹونہ ہو جس کے سبب وہ اپنی بیوی کے قریب نہ آسکتا ہو تو کیا اس کو ختم کرنے یا اسے باطل کرنے کیلئے نشرہ استعمال کیا جاسکتا ہے؟ تو انہوں نے جواب

....

کیا گیا اور اسکا علاج کیا گیا تو تب بھی اللہ تعالی کے ساتھ شرک کے بغیر ممکن نہ ہو سکا.

اس لئے حسن بصری رحمہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: (ولا یحل السحر الا ساحر) معروف شرعی طریقوں کے بغیر جادو کا علاج سوائے جادوگر کے اور کوئی نہیں کرسکتا.

جابر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے نشرہ (جادو کے ذریعے جادو کے علاج) کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: (ھی من عمل الشیطان) یہ شیطانی عمل ہے.

عرب کے ہاں معروف تھا، کہ نشرہ کا لفظ اس علاج پر بولا جاتا ہے جو جادوگر کے ذریعہ ہوتا ہے. (رواہ احمد بسند جید و ابو داود وقال سئل عنها فقال ابن مسعود یکرہ ھذا کلہ).

(اسے امام احمد رحمہ اللہ تعالی نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ابو داود نے بھی اور انہوں نے کہا کہ امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالی سے نشرہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ ان سب کاموں کو ناپسند کرتے تھے.

یعنی وہ نشرہ جو قرآنی تعویذوں کی شکل میں ہو وہ اسے ناپسند کرتے تھے، جبکہ ایسا نشرہ جو دم وغیرہ اور پھونکمارنے کے ذریعہ سے ہو جس میں کسی چیز کو لٹکایا نہ گیا ہو تو یہ ممکن نہیں کہ امام احمد اور ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی اسے ناپسند کیا ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے بذات خود اسے استعمال کیا ہے اور اس کی اجازت بھی دی ہے.

قتادہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن میتب رحمہ اللہ تعالی سے دریافت کیا کہ اگر کسی آدمی پر جادو ہو یا کوئی ایسا ٹونہ ہو جس کے سبب وہ اپنی بیوی کے قریب نہ آسکتا ہو تو کیا اس کو

دیا(لابأس به إنمايريدون به الإصلاح فأما ما ينفع فلم ينه عنه ،انتہی) کہ کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے ان کا مقصد صرف اصلاح ہی ہے نفع بخش اور مفید شئی کے استعمال کی کوئی ممانعت نہیں ہے (صحیح بخاری)

حسن بصری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں : (لا يحل السحر إلا ساحر) کہ (شرعی طریقہ کے بغیر) جادو کا علاج جادوگر ہی کر سکتا ہے .

امام ابن قیم رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ :نشرہ کا معنی یہ ہے کہ جادو کئے ہوئے شخص سے جادو دور کرنا، اور اس کی دو قسمیں ہیں :

۱ - اسی طرح کے جادو کے ساتھ اس کا علاج کرنا یہی شیطانی عمل ہے اور حسن بصری رحمہ اللہ کے قول کو اسی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ جادو کو دور کرنے والا اور جس پر جادو ہوا ہے دونوں شیطان کا قرب حاصل کرنے کے لئے اس کے پسندیدہ اور محبوب اعمال بجالاتے ہیں کہ شیطان (خوش ہوکر) سحر زدہ سے اپنا اثر ہٹالیتا ہے .

۲ - دوسری قسم یہ کہ دم ،تعویذ ، ادویات اور جائز ومباح ادعیہ کے ساتھ جادو کا علاج کیا جائے یہ قسم جائز ہے .

ختم کرنے یا سے باطل کرنے کیلئے نشرہ استعمال کیا جاسکتا ہے ؟ تو انہوں نے جواب دیا (لابأس به إنمايريدرن به الإصلاح فأما ما ينفع فلم ينه عنه) کہ جادو کو ختم کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے ان کا مقصد صرف اصلاح ہی ہے نفع بخش اور مفید شئی کے استعمال کی کوئی ممانعت نہیں ہے.

ابن مسیب رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک نفع بخش نشرہ سے مراد وہ علاج ہے جو تعوذات ، دعاؤں قرآنی آیات اور جائز ادویہ وغیرہ سے کیا جاتا ہے ، جبکہ وہ نشرہ (جادو کا علاج) جو جادو کے ذریعے

اس باب کے مسائل

۱- جادو کا علاج جادو سے کرنے کی ممانعت ہے.

۲ -حرام اور جائز علاج میں ایسا واضح فرق ہے جس سے اشکال اور شبہات دور ہو جاتے ہیں.

••

کیا جاتا ہے اس کے متعلق ابن مسیب رحمہ اللہ تعالی کبھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ جائز ہے.

جب نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ جادو کا واقع ہونا اور اس کا ختم کرنا دونوں اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنے کے بغیر ممکن نہیں تو پھر جادو کو جادو کے ذریعے کھولنا اور اسکا علاج کرنا جائز نہیں خواہ ضرورت کا تقاضا بھی ہو، بلکہ اس کا علاج صرف شرعی دم وغیرہ سے کیا جاسکتا ہے.

باب: ۲۷

بدفالی اور بدشگونی کا بیان

فرمان باری تعالی ہے:

﴿أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الاعراف: ۱۳۱)

خبردار! ان کی بدشگونی (نحوست) اللہ تعالی کے پاس (مقدر) ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے.

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿قَالُوا طَائِرُكُم مَّعَكُمْ أَئِن ذُكِّرْتُم بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ﴾ (یس: ۱۹)

ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تمہیں نصیحت کی جائے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو.

اس باب کا معنی یہ ہے کہ: بدشگونی لینا اللہ تعالی کے ساتھ شرک ہے جب انسان کسی چیز سے شگون لیتے ہوئے کوئی کام کر گزرے یا اس سے رک جائے تو اس کا یہ عمل توحید واجب کے کمال کے منافی ہے کیونکہ یہ شرک اصغر ہے، جب دل میں ایسا خیال پیدا ہو جائے تو اس کا کفارہ اور اسی طرح کے دوسرے احکام کا اس باب میں بیان ہے.

حقیقت تطیر: پرندہ کے بائیں طرف یا دائیں طرف، سامنے سے یا پیچھے سے آنے میں بدشگونی یا نیک شگونی لینا، یا پرندے کے علاوہ اس کو پیش آنے والے حادثات سے کسی عمل کی مستقبل میں کامیابی یا ناکامی پر دلیل پکڑنا.

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ’’خبردار! ان کی بدشگونی

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''لا عدوی و لا طیرۃ، ولا ھامۃ ولا صفر'' (بخاری و مسلم)

(کوئی بیماری متعدی نہیں، بدشگونی اور بد فالی کی کچھ حقیقت نہیں اور نہ ہی الو (کا بولنا کوئی اثر رکھتا) ہے اور نہ زمانہ صفر منحوس ہے) صحیح مسلم میں یہ لفظ زیادہ ہیں (لانوء ولا غول) ستاروں کے طلوع و غروب میں کچھ تاثیر نہیں اور نہ بھوتوں کا کوئی وجود ہے۔

....

(نحوست) اللہ تعالی کے پاس (مقدر) ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے''. یعنی ان کو جو اچھائی یا برائی پہنچتی ہے وہ قضاء وقدر کے سبب ہے جو اللہ تعالی کے ہاں لکھی ہوئی محفوظ ہے۔

بدشگونی لینا انبیاء ورسل کے دشمن مشرکین کی صفات میں سے ایک صفت ہے لہذا یہ مذموم شئی ہے اور رسولوں کے متبعین پیش آنے والے حادثات کو قضاء وقدر کی طرف منسوب کرتے ہیں یا انہیں اللہ تعالی کی جانب سے اپنے اچھے و برے اعمال پر ثواب وعقاب تصور کرتے ہیں، اسی لئے فرمایا ﴿أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ﴾ ''خبردار! ان کی بدشگونی (نحوست) اللہ تعالی کے پاس (مقدر) ہے'' نیز فرمایا:

﴿قَالُوا طَائِرُكُم مَّعَكُمْ أَئِن ذُكِّرْتُم﴾ ''ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے کیا اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تمہیں نصیحت کی جائے''.

یعنی تمہیں اچھائی و برائی پہنچنے کا حقیقی سبب وہ چیز ہے جو تمہارے اندر موجود اور تمہارے ساتھ لازم ہے وہ تمہارا برا عمل اور رسولوں کی تکذیب اور ان سے عداوت رکھنا ہے، لہذا یہ بات معلوم ہوئی کہ بدشگونی ونحوست پکڑنا مشرکین اور انبیاء ورسل کے دشمنوں کی خصلت بد ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: (لا عدوی و لا طیرۃ، ولا ھامۃ ولا صفر) اخرجاہ، وزاد مسلم (لانوء ولا غول) (کوئی بیماری متعدی نہیں، بدشگونی

انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' لا عدوی و لا طیرۃ ، و یعجبنی الفأل قالوا : وما الفأل ؟ قال :الکلمۃ الطیبۃ '' ''کوئی بیماری متعدی نہیں ، اور نہ ہی بدشگونی کی کچھ حقیقت ہے ، اور مجھے فال (کسی اچھی بات سے اچھا شگون لینا) پسند ہے صحابہ نے پوچھا فال کیا ہے؟ فرمایا: عمدہ اور اچھی بات '' (بخاری و مسلم)

••

اور بد فالی کی کچھ حقیقت نہیں اور نہ ہی الو (کا بولنا کوئی اثر رکھتا) ہے اور نہ زمانہ صفر منحوس ہے ، اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے، صحیح مسلم میں یہ الفاظ زیادہ ہیں (لانوء ولاغول) ستاروں کے طلوع وغروب میں کچھ تاثیر نہیں اور نہ بھوتوں کا کوئی وجود ہے .

یعنی کوئی بھی بیماری بذات خود اپنی طبع کے لحاظ سے متعدی نہیں ہے اگر ایک کی بیماری کسی دوسرے کو منتقل ہوتی ہے تو یہ اللہ تعالی کے حکم اور اذن سے ہے ، جبکہ اہل جاہلیت کا یہ اعتقاد تھا کہ متعدی بیماری بذات خود ایک دوسرے کی جانب منتقل ہوتی ہے تو اللہ تعالی نے اس اعتقاد کو باطل قرار دے دیا ، اسی طرح بدشگونی کی بھی کچھ تاثیر نہیں ہے بلکہ بدشگونی تو دل میں پیدا ہونے والی ایک وہمی شئ ہے جبکہ اللہ تعالی کی قضاء وقدر میں کچھ اثر ودخل نہیں ہے .

بخاری و مسلم میں انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: (لا عدوی) کوئی بیماری متعدی نہیں یعنی کوئی بیماری بھی بذات خود اثر کرنے والی نہیں ہے(و لا طیرۃ)بدشگونی کی کچھ حقیقت نہیں، یعنی حقیقی طور پر اس کی کچھ تاثیر نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالی کی قضاء وقدر کی طرف سے ہے(و یعجبنی الفأل قالوا : وما الفأل ؟ قال :الکلمۃ الطیبۃ)

'' اور مجھے فال (کسی اچھی بات سے اچھا شگون لینا) پسند ہے صحابہ نے پوچھا فال کیا ہے ؟ فرمایا: عمدہ اور اچھی بات ''

فال کو اس لئے پسند کیا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالی کے ساتھ حسن ظن ہے جبکہ نحوست و بدشگونی میں اللہ تعالی کے ساتھ سوء ظن کا مظاہرہ ہوتا ہے ، اس لئے فال اچھی اور بہترین چیز ہے اور بدشگونی و

عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ کے سامنے بدشگونی و بدفالی کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا: (أحسنها الفأل ، ولا ترد مسلما ، فإذا رأى أحدكم مايكره فليقل : اللهم لايأتي بالحسنات إلا أنت ولا يدفع السيئات إلا أنت ولا حول ولا قوة إلا بك) ان سب میں بہتر تو فال ہے اور یہ کسی مسلمان کو (اس کے مقصد سے)باز نہیں رکھ سکتی ، چنانچہ تم میں کوئی جب ناپسندیدہ چیز دیکھے تو یہ دعا کرے اے اللہ تیرے سوا کوئی بھلائیاں نہیں لاسکتا اور تیرے سوا کوئی برائیاں دور نہیں کرسکتا اور تیری توفیق کے بغیر ہمیں نہ بھلائی کی طاقت اور نہ ہی برائی سے باز رہنے کی ہمت ہے . (ابو داود)

بدفالی بری اور مذمت والی شئ ہے .

سنن ابی داود میں عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ کے سامنے بدشگونی و بدفالی کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا: (أحسنها الفأل) ان سب میں بہتر تو فال ہے ، بد شگونی کا یہ مطلب ہے کہ کسی بات سے متاثر ہو جانا ، کیونکہ ہم پیچھے یہ ذکر کر چکے ہیں کہ بدشگونی ایک عام لفظ ہے جو ان تمام اقوال و افعال کو شامل ہے جو انسان کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں .

جبکہ فال فی نفسہ مطلوب ہے کیونکہ فال لینا انسان کے سینے کو کھول دیتا ہے اسے مانوس کرتا ہے اور شیطان انسانی دل پر جو تنگی کا گھیرا ڈالتا ہے اسے دور کر دیتا ہے ، جب انسان فال لینے کے دروازے کو اپنے دل پر کھول دیتا ہے تو اپنے دل پر شیطانی تاثیر کے دروازے بند کر دیتا ہے . (ولا ترد مسلما) (فال لینا) مسلمان کو (اس کے کسی مقصد سے) باز نہیں رکھ سکتا ، یہ خبر کا صیغہ ہے لیکن اس میں نہی کا معنی موجود ہے جو کہ پہلی نہی کی تاکید ہے .

(فإذا رأى أحدكم مايكره فليقل : اللهم لايأتي بالحسنات إلا أنت ولا يدفع السيئات إلا أنت ولا حول ولا قوة إلا بك) ”تم میں سے کوئی جب ناپسندیدہ چیز دیکھے تو

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(الطیرۃ شرك ،الطیرۃ شرك ، وما منا إلا . . .ولكن الله يذهبه بالتوكل)رواہ ابو داود والترمذی و صححه وجعل آخره من قول ابن مسعود رضی الله تعالی عنه .

بدفالی شرک ہے بدشگونی شرک ہے اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جسے (بتقاضائے بشریت ایسا وہم نہ ہوتا ہو) مگر اللہ تعالی توکل کی وجہ سے اسے دفع کر دیتا ہے (اس حدیث کو ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے صحیح کہا اور آخری جملہ کو ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کا قول قرار دیا ہے .

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:''

من ردته الطیرۃ عن حاجته فقد أشرك ، قالوا فما كفارة ذلك ؟ قال : أن تقول : اللهم لا خير إلا خيرك ولا طير إلا طيرك ولا إله غيرك '' (مسند احمد).

....

یہ دعا کرے اے اللہ تیرے سوا کوئی بھلائیاں نہیں لاسکتا اور تیرے سوا کوئی برائیاں دور نہیں کرسکتا اور تیری توفیق کے بغیر ہمیں نہ بھلائی کی طاقت اور نہ ہی برائی سے باز رہنے کی ہمت ہے .

نحوست و بدشگونی سے دل میں پیدا ہونے والے مختلف وساوس کو دور کرنے کے لئے یہ ایک عظیم دعا ہے .

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا : (الطیرۃ شرك ،الطیرۃ شرك) بدفالی شرک ہے بدشگونی شرک ہے ، یعنی شرک اصغر ہے (وما منا إلا . .) اس کا معنی یہ ہے کہ ہر ایک کو بدشگونی کے وساوس پیدا ہوتے ہیں (ولكن الله يذ هبه بالتوكل) لیکن اللہ تعالی توکل کی وجہ سے دفع کر دیتے ہیں ، کیونکہ اللہ پر توکل کرنا ایک ایسا اچھا عمل ہے کہ اگر انسان اس واجب کی ادائیگی کرے تو اس سے شیطانی بدشگونی کا مکر جاتا رہتا ہے .

بدشگونی نے جس شخص کو اس کے کام سے روک دیا اس نے شرک کیا، صحابہ کرام نے کہا اس کا کفارہ کیا ہے ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا کفارہ یہ دعا ہے (اللهم لا خير إلا خيرك ولا طير إلا طيرك ولا إله غيرك) ''اے اللہ تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں، تیرے شگون کے سوا کوئی شگون نہیں اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں''.

فضل بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ :'' إنما الطيرة ما أمضاك أوردك ''(مسند احمد)

''بدشگونی وہ ہے جو تجھے کسی کام میں لگا دے یا کسی کام سے روک دے''.

اس باب کے مسائل

۱- آیت مبارکہ ﴿أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ﴾ اور ﴿قَالُوا طَائِرُكُم مَّعَكُمْ﴾ کے معنی پر تنبیہ کی گئی ہے.

۲- بیماریوں کے متعدی ہونے کی نفی کا بیان.

۳- بدشگونی کی بھی نفی ہے.

۴- الو کی آواز سے بدفالی لینا بھی منع ہے.

۵- ماہ صفر کو بھی منحوس سمجھنا ناجائز ہے.

۶- نیک فال ممنوع نہیں بلکہ مستحب ہے.

۷- فال کیا ہے اس کی وضاحت.

••

مسند احمد میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ کا قول منقول ہے : (من ردته الطيرة عن حاجته فقد أشرك) بدشگونی نے جس شخص کو اس کے کام سے روک دیا اس نے شرک کیا.)

حدیث مبارک کے اس ٹکڑے میں بدشگونی کے شرک ہونے کا ضابطہ وقاعدہ بیان کیا گیا ہے.

۸ - اگر نہ چاہتے ہوئے بھی دل میں بدشگونی کے وسواس پیدا ہو جائیں تو وہ مضر نہیں بلکہ اللہ تعالی پر توکل اور اعتقاد کرنے سے وہ ختم ہو جاتے ہیں۔

۹ - جس شخص کے دل میں بدشگونی کا وسوسہ پیدا ہو وہ اسے دور کرنے کے لئے اوپر بیان کی گئی دعا پڑھے۔

۱۰ - صراحت کے ساتھ یہ بیان ہے کہ بدفالی شرک ہے۔

۱۱ - مذموم بدشگونی کی تفسیر و توضیح بھی ذکر کی گئی ہے۔

(قالوا فما كفارة ذلك ؟ قال : أن تقول : اللهم لا خير إلا خيرك ولا طير إلا طيرك) صحابہ نے پوچھا کہ اس کا کفارہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ یہ دعا پڑھے " اے اللہ تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں، تیرے شگون کے سوا کوئی شگون نہیں "۔

یعنی : اول تو کچھ نہیں ہوگا اگر کچھ ہوگا تو وہی ہوگا (اے اللہ) جو تو نے فیصلہ کر دیا ہے اور بندے کی تقدیر میں جو کچھ تو نے لکھ دیا ہے صرف وہی ہوگا، اور علم، یعنی غیبی امور کا علم صرف اور صرف اللہ تعالی ہی کے پاس ہے۔

باب : ۲۸

علم نجوم کا شرعی حکم

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے اپنی صحیح میں قتادہ رحمہ اللہ تعالی کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ:

" خلق الله هذه النجوم لثلاث ، زينة للسماء ، و رجوما للشياطين ، وعلامات يهتدى بها ، فمن تأول فيها غير ذلك أخطأ ، وأضاع نصيبه وتكلف ما لا علم به " اھ.

" اللہ تعالی نے ان ستاروں کو تین مقاصد کے لئے پیدا فرمایا ہے :۱- آسمان کی زینت کے لئے . ۲- شیاطین کو رجم کرنے کے لئے ، ۳- اور راستہ معلوم کرنے کے لئے بطور علامات

••

علم نجوم کا بیان - یعنی اس کا حکم اور اسکی اقسام کا بیان، علم نجوم کی تین قسمیں ہیں.

۱- وہ علم نجوم جس میں یہ اعتقاد ہو کہ ستارے بذات خود اشیاء پر اثر انداز ہوتے ہیں، زمینی حوادث کا وقوع ستاروں کے ارادے کا نتیجہ ہیں ، یہ تو ستاروں کو معبود بنانا ہے جو اجماعا کفر اکبر ہے اور قوم ابراہیم علیہ السلام کے شرک کی طرح کا شرک ہے.

۲- علم نجوم کی وہ قسم جسے علم تاثیر کہا جاتا ہے یعنی ستاروں کی حرکت، ان کا آپس میں ملنا، ایک دوسرے سے جدا ہونا اور ان کے طلوع وغروب سے حوادث ارضیہ کے وقوع پر استدلال کرنا، جو شخص یہ استدلال کرتا ہے اسے منجم یعنی نجومی کہا جاتا ہے جو کہ کہانت ہی کی ایک قسم ہے ، یہ (نجومی) وہ لوگ ہیں جن کے پاس شیاطین آتے ہیں اور انہیں اپنے ارادوں اور جو کچھ ہونے والا ہے اس سے باخبر کرتے ہیں ، یہ قسم بھی حرام ہے اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے بلکہ اللہ تعالی کے ساتھ کفر کا ارتکاب ہے.

۳- وہ قسم جو تنجیم کے نام میں شامل ہے جسے علم تسیر کہا جاتا ہے وہ یہ کہ ستاروں اور ان کی

جس شخص نے ان کے علاوہ کچھ اور سمجھا اس نے غلطی کی اور (بھلائی سے) اپنا حصہ برباد کرلیا اور اس نے ایسے امر کا تکلف کیا جس کا اسے کوئی علم نہیں ۔

قتادہ رحمہ اللہ تعالی نے منازل قمر کا علم حاصل کرنے کو مکروہ اور ناپسند گردانا ہے ، ابن عیینہ رحمہ اللہ تعالی نے بھی اس علم کے حصول کی اجازت نہیں دی ۔ (یہ دونوں روایتیں حرب نے بیان کی ہیں)

....

حرکات کا علم حاصل کیا جائے تا کہ قبلہ کی سمت اور اوقات کار کی معرفت حاصل ہو اور یہ معلوم ہو کہ زراعت کیلئے کون سا وقت موزوں ہے ، اس تیسری قسم کی بعض علماء نے اجازت دی ہے ، اور اجازت کا سبب یہ ہے کہ اس علم کا رکھنے والا ، ستاروں ، ان کی حرکات ، ان کے ملاپ اور ان کے افتراق اور ان کے طلوع وغروب کو (کسی چیز کے ظہور کے لئے) زمانہ و وقت قرار دیتا ہے نہ کہ سبب ، اگر صرف یہی مقصد ہے تو پھر اس علم کا اظہار اور اس کا سیکھنا اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ اس نے ستاروں کے طلوع وغروب کو زمانہ اور وقت بنایا ہے جس کی اجازت ہے ۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے اپنی صحیح میں قتادہ رحمہ اللہ تعالی کا یہ قول نقل فرمایا ہے :

(خلق اللّٰه هذه النجوم لثلاث ، زينة للسماء) ”اللہ تعالی نے ان ستاروں کو تین مقاصد کے لئے پیدا فرمایا ہے :۱- آسمان کی زینت کے لئے“ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے :

﴿ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ﴾ ”اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے زینت دی اور نگہبانی کی ،،

(ورجوماً للشياطين) اور دوسرا مقصد شیاطین کو رجم کرنا، اس پر بے شمار آیات موجود ہیں ۔

(وعلامات يهتدى بها) ”اور یہ علامات اور نشانیاں ہیں جن سے مختلف سمتوں کی راہنمائی لی جاتی ہے“

(فمن تأول فيها غير ذلك أخطأ ، وأضاع نصيبه وتكلف ما لا علم به)

امام احمد اور اسحٰق رحمہما اللہ تعالی نے اس علم کے حصول کی اجازت دی ہے .

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

”ثلاثة لا يدخلون الجنة :مدمن الخمر، وقاطع الرحم، ومصدق بالسحر “

(مسند امام احمد و صحیح ابن حبان .)

”جس شخص نے ان کے علاوہ کچھ اور سمجھا اس نے غلطی کی اور (بھلائی سے) اپنا حصہ برباد کرلیا اور اس نے ایسے امر کا تکلف کیا جس کا اسے کوئی علم نہیں“.

اور یہ بات بالکل صحیح اور درست ہے کیونکہ ستارے اللہ تعالی کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور ان کے اسرار کو سمجھنے سے ہم قاصر ہیں سوائے اس کے جو اللہ تعالی نے ان کے بارہ میں ہمیں خبر دے .

(وكره قتادة تعلم منازل القمر ، ولم يرخص ابن عيينة فيه ، ذكره حرب عنهما ورخص في تعلم المنازل أحمد و إسحق)

قتادہ رحمہ اللہ تعالی نے منازل قمر کا علم حاصل کرنے کو مکروہ اور ناپسند گردانا ہے، ابن عیینہ رحمہ اللہ تعالی نے بھی اس علم کے حصول کی اجازت نہیں دی . یہ دونوں روایتیں حرب نے بیان کی ہیں ،جبکہ امام احمد اور اسحٰق رحمہما اللہ تعالی نے اس علم کے حصول کی اجازت دی ہے .

یہی دوسرا قول صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالی نے اس کو اپنے بندوں پر احسانات میں شمار فرمایا ہے ، ارشاد باری تعالی ہے :

﴿هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ﴾

”وہ اللہ تعالی ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا اور چاند نورانی بنایا ، اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو“.

’’ تین اشخاص جنت میں داخل نہ ہونگے : ۱- ہمیشہ شراب نوشی کرنے والا ، ۲-قطع رحمی کرنے والا ، ۳ - اور جادو کی تصدیق کرنے والا ‘‘ .

اس باب کے مسائل

۱-ستاروں کی تخلیق میں حکمت کا بیان .

۲ - ان حکمتوں کے علاوہ کچھ اور سمجھنے والوں کا رد .

۳ - منازل قمر کا علم حاصل کرنے میں اہل علم کے مابین اختلاف رائے .

۴ - جادو کی تصدیق کرنے والے شخص کے لئے وعید خواہ وہ اسے باطل ہی سمجھتا ہو .

••

آیت مبارکہ کا ظاہر اس پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ فضل واحسان تب حاصل ہوگا جب اسے سیکھا جائے اور یہی اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے .

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا : (ثلاثة لایدخلون الجنة : مدمن الخمر ، وقاطع الرحم ، ومصدق بالسحر) ’’ تین آدمی جنت میں داخل نہ ہونگے ہمیشہ شراب نوشی کرنے والا ، قطع رحمی کرنے والا ، اور جادو کی تصدیق کرنے والا‘‘ .

پیچھے ہم بیان کر چکے ہیں کہ علم نجوم بھی جادو کی اقسام میں سے ایک قسم ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے : (من اقتبس شعبة من النجوم فقد اقتبس شعبة من السحر)

’’جس نے علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھا اس نے جادو کا کچھ حصہ سیکھا ‘‘ .

عصر حاضر میں مجلات اور رسائل کے صفحات پر شائع ہونے والا علم بروج بھی علم نجوم میں شامل ہے ، حالانکہ یہ بات کس قدر واضح ہے لیکن پھر بھی لوگ اس سے غفلت میں ہیں ، یہ وہی علم نجوم ہے جسے علم تاثیر کا نام دیا جاتا ہے اور یہ کہانت کی ایک قسم ہے اس کی نفی کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے اسے چاہئے کہ وہ اسے اپنے گھر میں داخل نہ کرے اور نہ ہی اسے پڑھے ،اور نہ ہی ان پر اطلاع

حاصل کرے ، کیونکہ اگر اس نے ان برجوں کو دیکھ لیا تو وہ بھی انہی میں داخل ہو جائیگا گویا کہ وہ کاہن کے پاس گیا تھا اور اسکا انکار نہیں کیا جب وہ اسے دیکھے اور پڑھے اور وہ جان لے کہ اس کا فلاں برج ہے جس میں وہ پیدا ہوا ہے یا فلاں برج اس سے مناسبت رکھتا ہے ، اور اس نے اس برج کے متعلق معلومات میں اس کا مطالعہ کیا تو یہ کاہن سے سوال کرنا ہے جس سے منع کیا گیا ہے .

اور اگر جو کچھ اس نے پڑھا ہے اس کی تصدیق کر دی تو اس نے جو (قرآن) محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے اس کے ساتھ کفر کیا ، یہ بروج بتانے والے یہی کاہن لوگ ہیں مذکورہ سطور کا مطالعہ کرنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اہل توحید کے ہاں بھی توحید کتنی اجنبی ہے اور اہل توحید وفطرت اور اس کی دعوت دینے والوں کے ہاں اس کتاب (کتاب التوحید) کا فہم بھی کس قدر اجنبی ہے .

باب ۲۹.

بارش کی نسبت ستاروں کی جانب کرنے کا حکم

فرمان الٰہی ہے :

﴿ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ (الواقعة : ۸۲)

" اورتم اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ تم تکذیب کرتے پھرو "

ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا :

" أربع في أمتي من أمر الجاهلية لايتركونهن ، الفخر بالأحساب والطعن في الأنساب ، والاستسقاء بالنجوم والنياحة ، وقال النائحة إذا لم تتب قبل موتها تقام يوم القيامة وعليها سربال من قطران ودرع من جرب " (صحيح مسلم)

....

اس باب کا معنی یہ ہے کہ بارش کو ستاروں کی جانب منسوب کرنا ، نجم یعنی ستارے کو نوء بھی کہتے ہیں ، یہ عمل کمال توحید کے منافی ہے کمال توحید جس کو اختیار کرنا واجب ہے انسان پر یہ لازم قرار دیتی ہے کہ وہ تمام نعمتوں کو ایک اللہ تعالی کی جانب منسوب کرے اور کسی بھی چیز کو غیر اللہ کی جانب منسوب نہ کرے خواہ وہ غیر اس چیز کا سبب ہی کیوں نہ ہو .

بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کرنے میں دو قسم کی زیادتی (غلطی) پائی جاتی ہے :

۱ - یہ (ستارے بارش کا) سبب نہیں ہیں .

۲ - ایسی چیز کو سبب بنادیا گیا ہے جن کو اللہ تعالی نے سبب قرار نہیں دیا ، اور نعمت وفضل اور بارش کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے ، ارشاد باری تعالی ہے :

﴿ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ " اور تم اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ تم تکذیب کرتے پھرو "

" میری امت میں جاہلیت کے چار کام ایسے ہیں جنہیں وہ نہیں چھوڑیں گے، حسب و نسب اور خاندانی شرف پر فخر کرنا ، دوسروں کے نسب میں عیب ونقص نکالنا اور طعنہ زنی کرنا ، ستاروں کے اثر سے بارش ہونے کا عقیدہ رکھنا، اور نوحہ یعنی کسی کے مرنے پر رونا پیٹنا "

اور پھر فرمایا:

" نوحہ کرنے والی اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اسے گندھک کا کرتا اور خارش (میں مبتلا کر دینے) والی زرہ پہنا کر کھڑا کیا جائے گا".

••

علماء تفسیر اس آیت مبارکہ کا معنی یہ بتاتے ہیں کہ: تم اپنے حصے میں جھوٹ لیتے ہو وہ اس طرح کہ نعمت اللہ تعالی کی جانب سے ہے لیکن تم اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرتے ہو.

ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(أربع في أمتي من أمر الجاهلية لا يتركونهن) " میری امت میں جاہلیت کے چار کام ایسے ہیں جنہیں وہ نہیں چھوڑیں گے" حدیث مبارک کے اس قطعہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چار کام مذموم ہیں اور یہ جاہلیت کی عادات میں سے ہیں.

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(أبغض الرجال الى الله ثلاثة .... ومبتغ في الإسلام سنة الجاهلية)

"اللہ تعالی کو تین آدمیوں سے سب سے زیادہ بغض ہے .... ان میں سے ایک وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کی راہ (رسم) نکالنے والا ہے".

(لا يتركونهن ، الفخر بالأحساب) "وہ ان کو نہیں چھوڑیں گے ان میں سے پہلی چیز ، حسب ونسب پر فخر کرنا یعنی تکبر اور غرور کرتے ہوئے "

(والطعن في الأنساب) "دوسری چیز، نسب نامے میں طعن وتشنیع کرنا "یعنی کسی کے نسب میں برائی نکالنا، اور کسی کے نسب کو بغیر شرعی دلیل یا شرعی ضرورت کے جھٹلا دینا.

زید بن خالد رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر ایک ایسی رات میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی جس میں بارش ہو چکی تھی ، جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے :

’’هل تدرون ماذا قال ربكم ؟ قالوا الله ورسوله أعلم ، قال ، قال : أصبح من عبادى مؤمن بى وكافر ، فأمامن قال مطرنا بفضل الله ورحمته ، فذالك مؤمن بى كافر بالكواكب ، وأما من قال : مطرنا بنوء كذا و كذا فذلك كافر بى ومؤمن بالكواكب‘‘ (بخاری و مسلم)

’’کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالی نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ اور اسکا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں ، آپ ﷺ نے فرمایا : کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے ، میرے بندوں میں کچھ مومن ہوئے ہیں اور کچھ کافر ، جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ تعالی کے فضل اور اسکی رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں (کی تاثیر) کا منکر ہوا ، اور جس نے کہا کہ ہم پر ستاروں کی تاثیر سے بارش ہوئی اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں کی تاثیر پر ایمان لایا۔‘‘

صحیحین میں ہی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے اس طرح کی حدیث منقول ہے اس میں یہ ہے کہ بعض کہتے ہیں : (لقد صدق نوء كذا و كذا فأنزل الله هذه الآيات : ﴿ فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ . إلى قوله . تُكَذِّبُونَ ﴾) کہ فلاں نچھتر (یعنی ستارہ) سچ

(والاستسقاء بالنجوم) ’’بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کرنا‘‘ اس میں وہ بھی شامل ہے جو اس سے بھی بڑی ہے وہ یہ کہ ستاروں سے بارش کو طلب کرنا ، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

(النائحة اذا لم تتب قبل موتها تقام يو م القيامة وعليها سربال من قطران

[illegible]

اس باب کے مسائل

۱- سورۃ واقعہ کی آیت مبارکہ کی تفسیر (جس میں قرآن کو جھٹلانے والوں کا تذکرہ ہے).

۲- ان چار چیزوں کا ذکر ہے جو جاہلیت کی رسوم ہیں.

۳- ان میں بعض چیزیں کفر ہیں.

۴- کچھ کفر ایسے بھی ہیں جن کی وجہ سے انسان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا.

۵- اللہ تعالی کا فرمانا کہ: (أصبح من عبادی مؤمن بی وکافر) میرے بندوں میں کچھ مومن ہوئے ہیں اور کچھ کافر، اس کا مطلب یہ ہے کہ نعمت کے نازل ہونے کے سبب بعض لوگ اسے اللہ تعالی کی طرف منسوب کر کے مومن بن جاتے ہیں اور بعض اسے غیر اللہ کی طرف منسوب کر کے کافر ہو جاتے ہیں.

••

تو نبی ﷺ کے علم کا ذکر آپ کی زندگی کے ساتھ ہی مقید ہے یعنی (اللہ ورسولہ أعلم) کا لفظ آپ کی زندگی میں تو استعمال کیا جاسکتا ہے آپ کی وفات کے بعد نہیں، بلکہ آپ کی وفات کے بعد اگر کسی سے ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جائے جسے وہ نہ جانتا ہو تو اسے صرف اللہ اعلم کہنا چاہئے.

(قال : أصبح من عبادی مؤمن بی وکافر ، فأمامن قال مطرنا بفضل اللہ ورحمتہ ، فذلک مؤمن بی کافر بالکواکب)

آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے، میرے بندوں میں کچھ مومن ہوئے ہیں اور کچھ کافر، جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ تعالی کے فضل اور اسکی رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں (کی تاثیر کا) منکر ہوا.

وہ مومن اس لئے ہوا کہ اس نے نعمت کو صرف اللہ تعالی کی طرف منسوب کیا ہے اور یہی اس کے ایمان کی دلیل ہے.

۶- اس مقام پر ایمان کی حقیقت پر خوب غور کرنا چاہئے اور اسے سمجھ لینا چاہئے.

۷- اس مقام پر کفر کی حقیقت پر خوب غور کرنا چاہئے اور اسے سمجھ لینا چاہئے.

۸- یہ کہنا کہ (لقد صدق نوء كذا و كذا) فلاں ستارہ سچ ومفید ثابت ہوا، اس پر بھی غور کرنا چاہئے (کہ یہ انتہائی غلط بلکہ کفر ہے)

۹- آپ ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ پوچھنا کہ (هل تدرون ماذا قال ربكم ؟) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ استاذ کو طلبہ کے سامنے مسئلہ بیان کرنے کے لئے استفہامی انداز اختیار کرنا چاہئے.

۱۰- اس میں نوحہ کرنے والی کے لئے وعید اور عذاب کا تذکرہ بھی ہے.

....

(وأما من قال: مطرنا بنوء كذا و كذا فذالك كافر بی ومؤمن بالكواكب) اور جس نے کہا کہ ہم پر ستاروں کی تاثیر سے بارش ہوئی اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں کی تاثیر پر ایمان لایا. (مطرنا بنوء كذا) اس عبارت میں "با" اگر سببیہ ہے یعنی سبب کا معنی دے رہی ہے تو پھر یہ کلمہ کہنے والا کفر اصغر کا مرتکب ہے (جو اسے دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرے گا) اور اگر اس کا معنی یہ لیا جائے کہ ستارہ ہی ہے جس نے بارش نازل کی ہے اور یہ اس کی پوجا کرنے والوں کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے یا ستارے نے لوگوں پر رحمت کرتے ہوئے بارش نازل کی تو یہ **کفر اکبر** ہے (جو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے).

صحیحین میں ہی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ: فلاں ستارہ سچ ومفید ثابت ہوا تو **اللہ تعالیٰ نے اس** کی تردید میں یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿ فلا أُقسمُ بمواقع النُّجوم . إلى قوله تكذِّبون ﴾
تو یہ بات واضح ہے کہ ایسا کرنے والا اللہ اور اسکی کتاب قرآن مجید کی تکذیب کرنے والا ہے.

باب ۳۰

باب قوله تعالى: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا ....﴾ الآية

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ (البقرة : ۱۶۵)

"اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ جیسی محبت کرتے ہیں"۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهِ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ﴾ (التوبة : ۲۴)

"(اے محمد ﷺ!) آپ کہہ دیں کہ اگر تمہیں اپنے ماں باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، عزیز واقارب، اور مال جو تم جمع کر چکے ہو اور تجارت جس کے ماند پڑنے کا تمہیں خدشہ رہتا ہے

....

مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں قلبی عبادات کا بیان شروع کیا ہے کہ کس طرح ان کو بھی ایک اللہ کے لئے خاص کرنا چاہیے، یہ عبادات توحید کے واجبات اور اسے مکمل کرنے والی ہیں، سب سے پہلے محبت کا بیان شروع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ بندہ سب سے بڑھ کر اللہ ہی سے محبت کرے حتی کہ اپنی جان سے بھی بڑھ کر، اس محبت سے مراد محبت عبادت ہے اور یہ وہ محبت ہے جس میں محبوب کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا ہے کہ محبوب کے ہر حکم کی شوق اور پسندیدگی سے

اور تمہارے گھر جو تمہیں پسند ہیں (یہ چیزیں تمہیں اگر) اللہ تعالیٰ اس کے رسول (ﷺ) اور اسے کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا"

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

" لا یؤ من أحدکم حتی أکون أحب إلیه من ولده و والده والناس أجمعین " (بخاری و مسلم)

" تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ مجھے اپنی اولاد

••

تعمیل اور فرمانبرداری ہوتی ہے اور اس کے منع کردہ ہر حکم سے شوق اور پسندیدگی ہی سے اجتناب کیا جاتا ہے یہ وہ محبت ہے کہ اسے غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا شرک اکبر ہے، یہ دین کا ایک بنیادی ستون ہے اور دل کی درستگی کی بنیاد ہے، اس محبت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کرنا واجب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللهِ أَنْدَادًا﴾

"اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں"۔

﴿أَنْدَادًا﴾ کا معنی ہے، اس کا ہمسر، اس کی مثل اور اس جیسا دوسروں کو ماننے ہیں۔

﴿يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللهِ﴾ "وہ ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں" یعنی وہ محبت میں ان کو اللہ کے برابر تسلیم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ﴾ الی قوله ﴿أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللهِ﴾

اس آیت مبارکہ میں وعید بیان کی گئی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر اللہ کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت پر مقدم کرنا ایک حرام عمل اور کبیرہ گناہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر وعید ذکر کی ہے، لہذا توحید کی تکمیل کے لئے یہ واجب ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے ہر محبوب اور

(ماں) باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے''۔

انس رضی اللہ تعالی عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

''ثلاث من كن فيه وجد بهن حلاوة الإيمان : أن يكون الله ورسوله أحب إليه مما سواهما ، وأن يحب المرء لايحبه إلا لله ، وأن يكره أن يعود في الكفر بعد إذ أنقذه الله منه كما يكره أن يقذف في النار'' (بخاری ومسلم)

'' تین اوصاف ایسے ہیں جس میں بھی وہ پائے جائیں ان کی بدولت وہ ایمان کی مٹھاس محسوس کرتا ہے:

۱- اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب سمجھے۔

۲- کسی شخص سے محض رضائے الٰہی کی خاطر محبت کرے۔

۳- اس بعد کہ اللہ تعالی نے اسے کفر سے بچالیا ہو وہ واپس کفر میں پلٹنا ایسا ناپسند کرے جیسے وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے''۔

••

پسندیدہ چیز سے زیادہ اور بڑھ کر محبت کرے ، نبی اکرم ﷺ سے محبت کرنا اللہ تعالی کے ساتھ محبت کرنے کا ایک حصہ ہے ، وہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی اور کی محبت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالی نے ہی اپنے نبی ﷺ کے ساتھ محبت کرنے کا حکم دیا ہے۔

انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: (لا یؤ من أحدکم) ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں'' یعنی صاحب ایمان کامل نہیں ہے (حتی أکون أحب إليه من ولده و والده والناس أجمعين) جب تک وہ مجھے اپنی اولاد (ماں) باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے ۔یعنی میری پسندیدہ اور محبوب چیزیں اس کے ہاں دوسروں کی پسندیدہ چیزوں پر مقدم ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ میں اس کے پاس اس کی جان ، اس کی اولاد ، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب اور عظیم بن جاتا ہوں اور یہ سب چیزیں عمل سے واضح ہوتی ہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ :

"من أحب فی اللّٰہ وأبغض فی اللّٰہ و والی فی اللّٰہ و عادی فی اللّٰہ فإنما تنال ولایة اللّٰہ بذلک ،ولن یجد عبد طعم الإیمان ، وإن کثرت صلاته وصومه حتی یکون کذلک وقد صارت عامة مؤاخاة الناس علی أمر الدنیا وذلک لایجدی علی أهله شیئا" (تفسیر ابن جریر).

" جوشخص کسی سے صرف اللہ تعالی کے لئے محبت رکھے ، اللہ کے لئے کسی سے بغض رکھے، اللہ ہی کے لئے کسی سے دوستی رکھے اور اللہ تعالی ہی کے لئے کسی سے دشمنی رکھے تو (یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ تعالی کی ولایت (محبت ودوستی) انہیں چیزوں سے حاصل ہوسکتی ہے اور کوئی بھی شخص ان امور کے بغیر ایمان کا ذائقہ اور مٹھاس نہیں پاسکتا اگر چہ بہت نماز پڑھے اور روزے رکھے، عام لوگوں کی آپس میں محبت اور تعلقات دنیاوی امور پر استوار ہیں یہ چیزیں (اللہ تعالی کے ہاں) ان کے لئے کچھ سودمند نہ ہونگی".

....

پس جوشخص اللہ تعالی سے محبت کرتا ہے، محبت عبادت ، اس کی طرف رغبت اور اس سے ڈرنے کی محبت تو وہ اس کی خوشنودی ہرممکن حاصل کرنے کی کوشش کریگا ، اور اللہ تعالی کی ناراضگی اور ناپسندیدگی والی چیزوں سے دور رہنے کی کوشش کرے گا ، اور یہی طرز عمل نبی ﷺ سے حقیقی محبت کرنے والے کا ہوگا.

صحیحین میں انس رضی اللہ تعالی عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: (ثلاث من کن فیه وجد بهن حلاوة الإیمان) الحدیث.

" تین اوصاف ایسے ہیں جس میں وہ پائے جائیں ان کی بدولت وہ ایمان کی مٹھاس محسوس کرتا ہے . . . "الحدیث ، یہاں حلاوت ومٹھاس سے مراد وہ ہے جو ایمان کامل کے حصول کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی ہے ،کیونکہ ایمان کی بھی ایک مٹھاس ہوتی ہے جو روح میں محسوس ہوتی ہے .

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے اللہ تعالی کے فرمان ﴿ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴾ کے بارے میں منقول ہے کہ اسباب سے مراد محبت ہے یعنی رشتے و ناطے اور تعلق ٹوٹ جائیں گے۔

اس باب کے مسائل

۱۔ سورۃ بقرۃ کی آیت کی تفسیر (جس میں مشرکوں کی غیر اللہ کے لئے محبت کا ذکر ہے)

۲۔ سورۃ براءۃ کی آیت کی تفسیر (جس میں اللہ اور اسکے رسول کے مقابلے میں دیگر چیزوں سے محبت کرنے کا انجام بیان ہوا ہے)

۳۔ اپنی جان، اہل وعیال اور مال و منال کے مقابلہ میں سب سے زیادہ محبت نبی ﷺ سے کرنی واجب ہے۔

۴۔ ایمان کی نفی سے یہ مراد نہیں کہ وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

۵۔ ایمان کی ایک مٹھاس ہے تاہم کبھی اس کا احساس ہوتا ہے کبھی نہیں۔

۶۔ چار قلبی اعمال ایسے ہیں جن کے بغیر انسان اللہ تعالی کی ولایت حاصل نہیں کرسکتا اور نہ ان کے بغیر ایمان کا ذائقہ چکھ سکتا ہے۔

••

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ: ”من أحب فی اللّٰه وأبغض فی اللّٰه و والی فی اللّٰه و عادی فی اللّٰه فإنما تنال ولاية اللّٰه بذالک“

”جو شخص کسی سے صرف اللہ تعالی کے لئے محبت رکھے، اللہ کے لئے کسی سے بغض رکھے، اللہ ہی کے لئے کسی سے دوستی رکھے اور اللہ تعالی ہی کے لئے کسی سے دشمنی رکھے (تو یاد رکھنا چاہئے) کہ اللہ تعالی کی ولایت انہیں چیزوں سے حاصل ہوتی ہے“۔

یعنی انسان ان چیزوں پر عمل پیرا ہوکر اللہ کے دلیوں میں سے ایک ولی بن جاتا ہے لفظ

۷- صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے واقعات وحقائق کی روشنی میں سمجھ لیا تھا کہ عام لوگوں کے تعلقات اور میل جول محض دنیا کی خاطر ہیں.

۸- آیت مبارکہ ﴿وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ﴾ کی تفسیر.

۹- بعض مشرک بھی ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالی سے بے انتہا محبت کرتے ہیں.

۱۰- آیت مبارکہ میں مذکور آٹھ اشیاء جس کو اپنے دین سے زیادہ پیاری ہوں اس کے لئے سخت وعید ہے.

۱۱- جس نے اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک بنایا اور اس سے اللہ تعالی جیسی محبت کی اس نے شرک اکبر کا ارتکاب کیا.

....

(وِلایۃ) واو کی زبر کے ساتھ ہے جسکا معنی محبت و مدد ہے.

(ولن یجد عبد طعم الإیمان . . . . . الخ).

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے اللہ تعالی کے فرمان : ﴿وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد محبت ہے، کیونکہ مشرکین اپنے معبودوں کو اللہ تعالی کا شریک مانتے تھے اور ان سے محبت کرتے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ان سے محبت کرنے کی وجہ سے یہ باطل معبود قیامت کے دن ان کے سفارشی ہونگے.

باب : ۳۱

باب قوله تعالى :

﴿إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَاتَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ.... ﴾الآية

ارشاد باری تعالی ہے :

﴿ إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَاتَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران : ۱۷۵)

" یہ شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، سوتم ان سے نہ ڈرو اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو صرف مجھ سے ڈرو"۔ نیز فرمایا :

﴿ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسَى أُولٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴾ (التوبة: ۱۸)

اللہ تعالی سے ڈرنا بھی ایک عبادت ہے اس باب میں اسی عبادت کا بیان ہے اور یہ قلبی عبادات میں سے ہے جسے اختیار کرنا واجب ہے اس کی تکمیل سے توحید کی تکمیل ہوتی ہے اور اس میں نقص پیدا ہونے سے کمال توحید میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔

غیر اللہ سے خوف رکھنا کبھی تو شرک ہوتا ہے اور کبھی حرام اور کبھی جائز۔

شرکیہ خوف : غیر اللہ سے خوف اور ڈر رکھنا جو انسان کو شرک کے درجے تک پہنچا دیتا ہے اس کا دنیاوی چیزوں میں ضابطہ و قاعدہ یہ ہے کہ : انسان جس کی تعظیم کرتا ہے اس سے ڈر رکھتا ہو کہ وہ اسے برائی و مصیبت پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے جس کے اسباب ظاہر نہیں ہیں لهذا تنہائی اور علیحدگی میں وہ اس تعظیم یافتہ سے ڈرتا ہے، خواہ وہ کوئی نبی ہو یا ولی ہو یا جن وغیرہ۔

"اللہ تعالی کی مساجد کو تو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالی اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں زکاۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالی کے سوا کسی سے بھی نہیں ڈرتے امید ہے کہ ایسے ہی لوگ ہدایت والوں میں سے ہوں گے"۔

••

اور شرکیہ خوف جو آخرت سے متعلق ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اس تعظیم والی ہستی سے خوف رکھے کہ وہ اسے آخرت میں نفع نہ دے گی، تو آخرت میں اس سے فائدہ حاصل کرنے کی خاطر، اس کی شفاعت لینے، آخرت میں اس کا قرب لینے کی خاطر اور یہ کہ وہ عظیم ہستی آخرت میں اس سے عذاب دور کر دے اس کی خاطر وہ اس سے ڈرتا ہے اور اپنے خوف کو اس پر اتار دیتا ہے۔

محرم خوف : وہ خوف اور ڈر جو حرام ہے وہ یہ کہ انسان کسی ایسے واجب کو ادا کرنے کے لئے جسے اللہ تعالی نے واجب قرار دیا ہے یا حرام سے بچنے کیلئے کسی مخلوق سے ڈرے۔

طبعی خوف : وہ خوف یا ڈر جو جائز ہے جیسا کہ دشمن سے خوف رکھنا یا درندے سے یا آگ سے وغیرہ، تو یہ فطری خوف ہے۔

(وقوله تعالىٰ : ﴿ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ﴾)

اس کا صحیح معنی یہی ہے کہ شیطان اہل توحید کو ان کے دشمنوں سے ڈراتا ہے۔

﴿فَلَا تَخَافُوهُمْ﴾ "تم ان سے نہ ڈرو" یہ نہی کا صیغہ ہے اور نہی تحریم کے لئے ہے یعنی خوف عبادت (وہ خوف جو عبادت ہے) اسے غیر اللہ کے ساتھ جوڑنا منع ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں شرک کی ایک قسم سے منع کیا گیا ہے۔

﴿ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ "اگر تم مومن ہو تو صرف مجھ ہی سے ڈرو" یہاں صرف اللہ تعالی سے ڈرنے کا حکم دیا گیا ہے جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ خوف اور ڈر بھی اللہ تعالی کی عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے۔

" ایماندار تو صرف وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سے لرز جاتے ہیں اور جب ان پر اللہ تعالی کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں".

••

جس پر سوائے اللہ تعالی کے اور کسی کو قدرت و طاقت حاصل نہیں ہے، مثلاً گناہوں کی بخشش اور اولاد کا حصول یا نوکری و ملازمت کی طلب وغیرہ، توکل کی یہ قسم اولیاء اور قبروں کے پجاریوں کے ہاں بکثرت پائی جاتی ہے اور یہ اللہ تعالی کے ساتھ شرک اکبر ہے جو کہ توحید کی بنیاد کے ہی منافی ہے.

۲-مخلوق میں سے کسی پر ایسی چیز کے حصول کے لئے توکل کرے جس پر اللہ تعالی نے انہیں طاقت و ہمت عطا کر رکھی ہے یہ شرک خفی اور شرک اصغر ہے مثلاً انسان یہ کہے کہ (توکلت علی اللہ و علیک) مجھے اللہ اور آپ پر بھروسہ ہے اس طرح یہ کہنا بھی جائز نہیں (توکلت علی اللہ ثم علیک) مجھے اللہ تعالی پر پھر آپ پر بھروسہ ہے، اس لئے کہ توکل کا کچھ حصہ بھی مخلوق کے لئے جائز نہیں اور توکل کی حقیقت جو ہم بیان کر چکے ہیں یہ صرف اللہ تعالی کے لئے جائز ہے اس لئے کہ (توکل) کا یہ معنی ہے کہ معاملہ کو اس کے سپرد کیا جائے جس کے ہاتھ میں معاملوں اور نتائج کا کنٹرول ہے.

جبکہ مخلوق کے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں، ہاں البتہ وہ اس (مخلوق) کو ایک ذریعہ بنا سکتا ہے کہ اسے اپنا سفارشی بنا لے، اب اس کا یہ معنی تو نہیں کہ اس پر توکل کر رہا ہے (بلکہ یہ تو ایک سبب ہے) آیت مبارکہ میں توکل اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی حکم سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ ایک عبادت ہے اور (علی اللہ) جار مجرور کو اس کے متعلق یعنی فعل (فتوکلوا) سے پہلے ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ توکل کو اللہ تعالی کے لئے خاص کرنا واجب ہے اور یہ کہ توکل ایک ایسی عبادت ہے جس کو اللہ تعالی میں محصور کرنا لازمی ہے، آیت مبارکہ سے یہی وجہ دلالت ہے جو ہم نے ذکر کی ہے اسی آیت سے ایک دوسری دلیل: اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ اس میں

کے دیئے ہوئے رزق پر لوگوں کی تعریف کرے ، اور اللہ تعالی نہ دے تو لوگوں کی مذمت کرے بے شک اللہ کے رزق کو نہ کسی حریص کی حرص کھینچ سکتی ہے اور نہ کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی روک سکتی ہے .

عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا :

''من التمس رضا الله بسخط الناس رضي الله عنه وأرضى عنه الناس ، ومن التمس رضا الناس بسخط الله سخط الله عليه وأسخط عليه الناس '' (صحيح ابن حبان)

'' جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالی کی رضا کا طلبگار ہو اللہ تعالی اس سے راضی ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی کر دیتا ہے ، اور جو شخص اللہ تعالی کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا کا طلبگار ہو اللہ تعالی اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس پہ ناراض کر دیتا ہے''.

....

عذاب ہو ''یعنی ان کے خوف اور ڈر کی وجہ سے اللہ تعالی کے واجبات کو ترک کر دیتے ہیں یا لوگوں کی باتوں سے ڈرتے ہوئے اللہ تعالی کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کر لیتے ہیں .

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا مروی ہے : '' إن من ضعف اليقين ''یعنی ایمان و یقین کی کمزوری کے اسباب میں سے یہ ہے کہ ، ایمان کو کمزور کرنے والی اللہ تعالی کی حرام کردہ چیزیں ہیں کیونکہ ایمان میں اطاعت کرنے سے زیادتی اور نافرمانی کرنے سے کمی واقع ہوتی ہے .

(أن ترضى الناس بسخط الله ، وأن تحمد هم على رزق الله وأن تذمهم على ما لم يؤتك الله إن رزق الله لا يجره حرص حريص ولا يرده كراهية كاره) ''کہ تو اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرے اور اللہ تعالی کے دیئے ہوئے رزق پر لوگوں کی تعریف کرے ، اور اللہ تعالی نہ دے تو لوگوں کی مذمت کرے بے شک اللہ کے رزق کو نہ کسی حریص کی حرص کھینچ سکتی ہے اور نہ کسی

اس باب کے مسائل

۱ - سورۃ آل عمران کی آیت کی تفسیر (جس میں اللہ تعالی ہی سے ڈرنے کی ترغیب ہے) ۲ -سورۃ برآءۃ کی آیت کی تفسیر (جس میں اللہ تعالی کی مساجد کو آباد کرنے والوں کی صفات کا ذکر ہے).

۳ - سورۃ عنکبوت کی آیت کی تفسیر ۴ - ایمان و یقین کبھی کمزور اور کبھی قوی ہوتا رہتا ہے.

۵ - ایمان کی کمزوری کی تین علامتیں ہیں (جو باب میں مذکور ہیں)

٦ - صرف اللہ تعالی سے ڈرنا فرائض دین میں سے ایک فریضہ ہے .

۷ - جو صرف اللہ تعالی سے ڈرتا ہے اس کے ثواب کا بیان بھی ہے .

۸ - جو اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور سے بھی ڈرے اس کی سزا کا بھی بیان ہے .

ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی روک سکتی ہے" .

اس حدیث مبارک میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالی کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنا ، اللہ تعالی کی نافرمانی ، گناہ اور حرام عمل ہے .

عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا : (من التمس رضا اللہ بسخط الناس.......) الحدیث " جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالی کی رضا کا طلبگار ہو اللہ تعالی اس سے راضی ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی کر دیتا ہے ...." الحدیث .

اس حدیث میں اس آدمی کی جزا اور بدلے کا بیان ہے جو کو صرف اللہ تعالی کے لئے خاص کرتا ہے ، اور اس شخص کی سزا کا بیان ہے کہ جو عبادت خوف کو اللہ تعالی کے لئے خاص نہ کر کے اپنی توحید کو مکمل نہیں کرتا ، کیونکہ اس شخص نے لوگوں سے ڈر کر ایک جرم اور گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور حرام کرنے یا فرض کو چھوڑنے کے لئے لوگوں کے خوف کو سبب قرار دیا ہے .

باب ۳۲

باب قوله تعالى :

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (المائدة:۲۳)

''اگر تم صاحب ایمان ہو تو اللہ تعالی پر توکل کرو''.

نیز فرمان الہی ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ (الانفال: ۲)

اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی پر توکل اور بھروسہ کرنا اسلام کے صحیح ہونے کی شرط ہے.

حقیقت توکل: شریعت میں بڑی بڑی قلبی عبادات کے مجموعہ کا نام توکل ہے، یعنی: اسباب کو اختیار کرنے کے بعد انجام کو اللہ تعالی کے حوالے کر دینا اسے توکل کہتے ہیں.

گویا کہ شرع کی نظر میں متوکل اس شخص کو کہا جائیگا جو سبب کو اختیار کرتا ہے اور پھر اس سبب سے فائدہ حاصل ہونے، اس سبب کی وجہ سے مسبب کے واقع ہونے اور اللہ تعالی کی توفیق و مدد کے شامل ہونے میں نتیجے کو اللہ تعالی کے سپرد کر دیتا ہے کیونکہ نہ تو اس میں نیکی کی طاقت ہے اور نہ ہی برائی سے بچنے کی ہمت مگر اللہ ہی کی مدد سے، چنانچہ توکل ایک خالص دلی عبادت کا نام ہے، غیر اللہ پر توکل اور بھروسہ کرنے والے کی دو حالتیں ہیں:

۱- اس کا یہ عمل شرک اکبر ہوگا، جب وہ مخلوق میں سے کسی پر ایسی چیز کے لئے توکل کرے

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿ومن الناس من يَقُولُ آمنّا باللّهِ فإذا أُوذى فِى اللّهِ جعل فتنةالنّاس كعذاب اللّه﴾ (العنكبوت ۱۰)

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالی پر ایمان لائے ،مگر جب ان کو اللہ تعالی کی راہ میں ایذا پہنچتی ہے تو لوگوں کی ایذاء کو (یوں) سمجھتے ہیں جیسے اللہ کا عذاب ہو.

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

" إن من ضعف اليقين أن ترضى الناس بسخط الله، وأن تحمد هم على رزق الله وأن تذمهم على ما لم يؤتک الله إن رزق الله لايجره حرص حريص ولايرده كراهية كاره "(سنن بیہقی)

" یہ ایمان ویقین کی کمزوری ہے کہ تو اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرے اور اللہ

(وقوله تعالى : ﴿ إنّمايعمُرُ مساجد الله منْ آمن باللّه واليوم الآخر وأقام الصلاة وآتى الزّكاة ولمْ يخش إلّا الله﴾)

" اللہ تعالیٰ کی مساجد کو تو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالی اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں،نماز قائم کرتے ہیں .زکاۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالی کے سوا کسی سے بھی نہیں ڈرتے".

یہ آیت مبارکہ بڑے وضوح سے دلالت کررہی ہے کہ خشیت اور ڈر صرف اللہ تعالی سے رکھنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جنہوں نے صرف ایک اللہ سے ڈر اور خشیت کو خاص کیا ہے اور خشیت کا لفظ خوف سے زیادہ خاص لفظ ہے .

اور فرمان الٰہی ہے : ﴿ومن النّاس منْ يَقُولُ آمنّا باللّهِ فإذا أُوذى فى اللّهِ جعل فتنةالنّاسِ كعذابِ اللّهِ﴾ " اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالی پر ایمان لائے مگر جب ان کو اللہ تعالی کی راہ میں ایذاء پہنچتی ہے تو لوگوں کی ایذاء کو (یوں) سمجھتے ہیں جیسے اللہ کا تعالی

اور فرمایا:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الانفال: ۶۴)

''اے نبی ﷺ آپ کو آپ کے پیروکاروں کو بس اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے''۔

اور فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ﴾ (الطلاق: ۳)

''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے کافی ہوگا''۔

ایمان کی صحت کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ توکل صرف اللہ کے لئے خاص ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ...﴾ الآیۃ
'' مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سے لرز جاتے ہیں '' الآیہ. آیت مبارکہ کی دلالت سے واضح ہے کہ (یہاں بھی جار مجرور (وعلى ربهم) کو فعل (يتوكلون) پر مقدم کیا گیا ہے . مؤمن وہی ہیں جنہوں نے توکل کو ایک اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کر دیا ہے، مومنوں کی ان صفات کا بیان اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مرتبہ اہل ایمان کے عظیم مرتبوں میں سے ہے.

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾
'' اے نبی ﷺ آپ کو آپ کے پیروکاروں کو بس اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے ''.

''حسب'' کا معنی ہے کفایت کرنے والا، تو اللہ اس کے لئے کافی ہے جو اس پر توکل کرتا ہے اسی وجہ سے اس کے بعد دوسری یہ آیت ذکر فرمائی: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ﴾
''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے کافی ہوگا.

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ پر توکل کرنا اس کا دارومدار توحید ربوبیت پر ایمان لانے اور اسے صحیح معنوں میں سمجھنے میں ہے اسی وجہ سے بعض مشرکین کے پاس بھی توکل کا ایک بڑا حصہ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ جب ابراہم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے یہ کلمات کہے (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ) "کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے".

اسی طرح جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ: (إِنَّ النَّا سَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْ هُمْ فَزَادَ هُمْ إِيْمَانًا) " بیشک (کافر) لوگوں نے تمہارے (مقابلے) کے لئے (لشکر) جمع کرلیا ہے ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوگیا) تو آپ ﷺ نے بھی یہ ہی کلمات کہے (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ) " کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے"

(صحیح بخاری).

موجود ہوتا ہے.

اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ دل میں توکل پیدا کرنے کا دارومدار ربوبیت کے آثار میں غوروفکر کرنے پر ہے ،انسان جس قدر اللہ تعالی کی بادشاہت اور آسمان وزمین وغیرہ میں غوروفکر کریگا اس کا علم اسی قدرتمام اور مکمل ہوگا اس بارے میں کہ اللہ تعالی ہی صاحب سلطنت ہے وہی کائنات میں تصرف کرنے والا ہے اور کائنات میں اللہ تعالی نے جو نظام چلا رکھا ہے اس کے مقابلہ میں اس کا اپنے بندے کی مدد کردینا نہایت ہی معمولی سا معاملہ ہے ، چنانچہ مومن کے اس تدبر کرنے کی وجہ سے اس کے دل میں اللہ کی تعظیم پیدا ہوگی اور اس پر اس کا توکل بڑھتا چلا جائے گا.

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ جب ابراہم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے بھی اور جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہا:

(إِنَّ النَّا سَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْ هُمْ فَزَادَ هُمْ إِيْمَانًا) تو انہوں نے بھی یہ کلمات پڑھے: (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ) کہ "ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے".

اس باب کے مسائل

۱- اللہ تعالی پر توکل و بھروسہ کرنا ایک دینی فریضہ ہے.

۲- اور یہ ایمان کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے.

۳- سورۃ الانفال کی آیت کی تفسیر (جس میں اہل ایمان کی صفات کا ذکر ہے).

۴- آیت مبارکہ سے محل شاہد آخر میں ﴿ وَعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ ہے.

۵- سورۃ الطلاق کی آیت کی تفسیر (جس میں ہے کہ اللہ پر توکل کرنے والوں کے لئے اللہ ہی کافی ہے)

۶- ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ اس کلمہ کی عظمت وفضیلت معلوم ہوئی کہ اللہ تعالی کے دونوں خلیل ابراہیم علیہ السلام اور محمد ﷺ نے شدید مشکل اور پریشانی کی حالت میں اس کلمہ کا ورد کیا.

....

اس میں اس کلمہ کی عظمت کا بیان ہے یعنی مومن کا یہ کہنا کہ (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ) کیونکہ جب مومن اپنی زیادہ سے زیادہ امیدیں اللہ تعالی سے وابستہ کر لیتا ہے اور اللہ پر ہی توکل و بھروسہ کرتا ہے تو چاہے اس کے راستے میں آسمان و زمین اور جو ان کے درمیان ہے وہ بھی رکاوٹ بن جائیں تو بھی اللہ تعالی اس کے مسئلہ کو آسان بنا دیتے ہیں اور اس کے لئے مخرج یعنی نکلنے کا راستہ پیدا فرما دیتے ہیں.

باب ۳۳

باب قوله تعالى :
﴿أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَاللّٰهِ ... ﴾الآية

ارشاد باری تعالی ہے :

﴿أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللّٰه فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَاللّٰه إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ ﴾ (اعراف: ۹۹)

" کیا یہ لوگ اللہ تعالی کی تدبیر سے بے خوف ہیں اللہ تعالی کی تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہوں" .

نیز ارشاد باری تعالی ہے :

﴿ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖ إِلَّا الضَّالُّوْنَ ﴾ (الحجر:۵۶)

" اور گمراہ لوگ ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں" .

....

یہ باب دونوں آیتوں کے متعلق قائم کیا گیا ہے کیونکہ دونوں میں ایک ربط اور تعلق ہے پہلی آیت میں مشرکین کی صفات میں سے ایک صفت کا ذکر ہے کہ وہ اللہ تعالی کے عذاب سے بے خوف ہیں انہیں کوئی ڈر نہیں اور اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا یہ عبادتِ خوف کو ترک کرنے کا نتیجہ ہے اور عبادت خوف یعنی اللہ سے ڈرنا ایک قلبی عبادت ہے .

اللہ تعالی کے مکر یعنی تدبیر کی حقیقت : یہ اللہ تعالی کی ایک صفت ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی بندے کیلئے (دنیاوی) معاملات آسان فرما دیتے ہیں جس سے وہ سمجھتا ہے کہ وہ اب انتہائی محفوظ ہو چکا ہے حالانکہ یہ اللہ کی جانب سے اس کے لئے تدبیر اور ڈھیل ہے .

جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے : " إذا رأيتم الله يعطى العبد وهو مقيم على معاصيه فاعلموا أن ذلك استدراج " " اگر تم دیکھو کہ کسی انسان کے برائیوں اور نافرمانیوں

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ سے کبیرہ گناہوں کی بابت دریافت کیا گیا (کہ وہ کون کون سے ہیں؟) تو آپ نے فرمایا: " الشرك بالله، واليأس من روح الله، والأمن من مكر الله "" اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور اللہ کی رحمت

....

پڑے رہنے کے باوجود اللہ تعالی اسے نوازتے جارہے ہیں تو جان لو کہ یہ اللہ کی جانب سے اس کے حق میں تدبیر ہے (یعنی درجہ بندی ہے) جو شخص اللہ تعالی کے انبیاء، اولیاء اور اس کے دین سے دھوکہ وفریب کرتا ہے تو اللہ تعالی بھی اس کے ساتھ تدبیر فرماتے ہیں، اور یہ (تدبیر کرنا) اللہ تعالی کی صفت کمال ہے کیونکہ اس میں عزت وقوت وطاقت اور غلبے کا اظہار ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ إِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴾ "اللہ تعالی کی رحمت سے صرف گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں"۔

اس آیت مبارکہ میں گمراہ لوگوں کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالی کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں، اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ صاحب تقوی اور ہدایت یافتہ لوگوں کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے، خوف ورجاء یعنی امید وڈر کو جمع کرنا شرعی طور پر واجب ہے تاکہ عبادت درست ہو جائے، ان دونوں میں سے کس کو غالب دینا چاہیے؟ تندرست گناہگار شخص کو امید کی بہ نسبت ڈر اور خوف کا پہلو غالب کرنا چاہیے، جبکہ ایسا مریض جو ہلاک ہو جانے یا فوت ہو جانے کا خدشہ رکھتا ہے اسے خوف کی بہ نسبت امید کا پہلو غالب کرنا چاہیے، جو لوگ درستگی کی راہ پر گامزن ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرنے والے ہیں ان کے حق میں امید و خوف کا پہلو برابر رکھنا چاہیے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَّكَانُوْا لَنَا خَاشِعِيْنَ﴾ " وہ (نیک لوگ) نیکی کے کاموں میں جلدی کرنے والے تھے، اور وہ ہم سے امید رکھتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے ہمیں پکارتے تھے اور وہ ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے

سے مایوس ہونا اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف ہونا .

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ :

" أكبر الكبائر الإشراك بالله والأمن من مكر الله ، والقنوط من رحمة الله ،واليأس من روح الله "(مصنف عبدالرزاق).

سب سے بڑے گناہ یہ ہیں : اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ، اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو جانا ، اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے مایوس ہو جانا.

••

تھے".

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ سے کبیرہ گناہوں کی بابت دریافت کیا گیا (کہ وہ کون کون سے ہیں؟) تو آپ نے فرمایا:

" الشرك بالله ، واليأس من روح الله ، والأمن من مكر الله" " اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف ہونا".

ناامیدی عبادت رجا ، (یعنی اللہ تعالیٰ سے امید کرنے) کو ترک کرنے کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف ہونا یہ عبادت خوف (یعنی اللہ سے ڈرنا) کو چھوڑنے کا ثمرہ ہے ان دونوں (خوف ورجاء) کو جمع کرنا دینی فرائض میں سے ایک فریضہ ہے .

ان دونوں (خوف ورجاء) کا ختم ہوجانا یا ان میں کمی کا واقع ہوجانا کمال توحید میں کمی کا باعث ہے اس شخص کے لئے جو اسے دل سے اختیار کرتا ہے .

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

" أكبر الكبائر الإشراك بالله والأمن من مكر الله ، والقنوط من رحمة الله ،واليأس من روح الله " " سب سے بڑے گناہ یہ ہیں : اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ، اللہ کی

اس باب کے مسائل

۱-سورۃ اُعراف کی آیت کی تفسیر (جس میں اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہونے والوں کا ذکر ہے)

۲-سورۃ حجر کی آیت کی تفسیر (جس میں ہے کہ گمراہ لوگ ہی اللہ تعالی کی رحمت سے دور ہوتے ہیں)

۳-اللہ تعالی کی تدبیر سے بے خوف ہونے پر شدید وعید اور ڈراوے.

۴-اللہ تعالی کی رحمت سے ناامید ہونے پر بھی شدید وعید وارد ہے.

تدبیر سے بے خوف ہو جانا، اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے مایوس ہو جانا''.

(القنوط من رحمة الله) اللہ تعالی کی رحمت سے ناامید ہونا یہ عام ہے کیونکہ رحمت کا لفظ نعمتوں کے حصول اور مصائب کو دور کرنے دونوں معنوں پر مشتمل ہے، جبکہ (روح اللہ) غالباً اس کا استعمال مصائب سے خلاصی کے لئے استعمال ہوتا ہے.

باب : ۳۴

اللہ تعالی کی تقدیر پر صبر کرنا ایمان باللہ کا حصہ ہے

ارشاد باری تعالی ہے :

﴿ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ (التغابن : ۱۱)

" اور جو کوئی اللہ تعالی پر ایمان لاتا ہے اللہ تعالی اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے"۔

علقمہ رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ :

" هو الرجل تصيبه المصيبة ، فيعلم أنها من عند الله فيرضى ويسلم "

" اس سے مراد ایسا شخص ہے جس کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالی کی طرف

••

اس باب کا معنی یہ ہے کہ ایمان کی خصلتوں اور اس کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی کی تقدیر پر صبر کیا جائے، یہ ایک اونچا مقام و مرتبہ ہے اور بڑی عظیم عبادت ہے کیونکہ فرائض و واجبات، منہیات اور کونی اقدار تینوں ہی صبر کی محتاج ہیں، لھذا صبر کی تین قسمیں ہوئیں.

حقیقت صبر : زبان کو شکوہ و شکایت سے روک لینے ، دل کو بے صبری سے منع کرنے اور اعضاء کو گریبان پھاڑنے ، رخساروں کو پیٹنے وغیرہ سے بچا لینے کا نام صبر ہے .

ارشاد باری تعالی ہے : ﴿ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ ﴾" اور جو کوئی اللہ تعالی پر ایمان لاتا ہے " یعنی اس کی تعظیم کرتا ہے اس کے حکم کی بجا آوری کرتا ہے اور اس کے منع کردہ کاموں سے اجتناب کرتا ہے ﴿ يَهْدِ قَلْبَهُ ﴾ "اللہ تعالی اس کے دل کو ہدایت بخش دیتا ہے" یعنی عبادات کے لئے ، صبر کیلئے اور غصہ نہ کرنے پر .

سے ہے چنانچہ وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے اور اسے دل سے تسلیم کر لیتا ہے"۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

" إثنتان في الناس هما بهم كفر الطعن في النسب والنياحة على الميت " (صحيح مسلم)

" لوگوں میں دو چیزیں کفر کی ہیں، کسی کے نسب نامہ میں طعن و تشنیع کرنا، اور میت پر نوحہ کرنا"۔

••

(قال علقمة :هو الرجل تصيبه المصيبة ، فيعلم أنها من عند الله فيرضىٰ)

علقمہ رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ" اس سے مراد ایسا شخص ہے جس کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے ہے چنانچہ وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے" یعنی اللہ کی تقدیر اور اس کے فیصلے پر (ویسلم)" اور اسے تسلیم کر لیتا ہے " یہ جاننے کی وجہ سے کہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے ہے۔

علقمہ رحمہ اللہ تعالی کی طرف سے یہ آیت کی تفسیر ہے جو کہ ظاہرا بالکل درست اور صحیح ہے۔

مصائب تقدیر کا ایک حصہ ہیں اور تقدیر اللہ تعالی حکمت و دانائی پر مبنی ہے ' اور اللہ تعالی کی حکمت یہ ہے کہ چیزوں کو ان کی مناسب جگہ پر رکھنا جن کا انجام انتہائی اچھا ہے ' اس سے آپ یہ جان لیں کہ بندے کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اس کیلئے اس میں بھی بھلائی ہوتی ہے کہ اگر وہ اس پر صبر کا مظاہرہ کرے تو اسے اجر و ثواب سے نوازا جائیگا لیکن اگر بے صبری کا مظاہرہ کرے تو اسے عقاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

"إثنتان في الناس هما بهم كفر " " لوگوں میں دو چیزیں کفر کی ہیں "

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعابدعوی الجاهلیة "

(بخاری ومسلم)

" چہرے پر دوہتڑ مارنے، گریبان پھاڑنے اور جاہلیت کے بول بولنے والا ہم میں سے نہیں "

اور انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" إذا أراد الله بعبده الخير عجل له العقوبة في الدنيا ، وإذا أراد بعبده الشر أمسک عنه بذنبه حتى يوافي به يوم القيامة " (سنن الترمذی).

••

یعنی کفر کی خصلتوں میں سے دو خصلتیں لوگوں میں موجود ہیں اور یہ موجود رہیں گی " " الطعن فی النسب ، والنیاحة علی المیت " " نسب نامہ میں طعن و تشنیع کرنا ، اور میت پر نوحہ کرنا".

نیاحہ : نوحہ کا معنی شکوہ و واویلا کرنا ہے جو کہ صبر کے منافی ہے، اور صبر واجب یہ ہے کہ انسان اپنے اعضاء کو چہرہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے سے روک لے اور زبان کو شکوہ شکایت اور واویلا کرنے سے روکے ، اور اس (نوحہ) کا کفر کے شعبوں میں سے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ جس میں بھی یہ وصف پایا جائے وہ مطلق فوری کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس میں بھی یہ خصلت پائی جائیگی اس میں کافروں کی ایک خصلت اور کفر کے شعبوں میں سے ایک شعبہ موجود ہے .

صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ :

"لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعابدعوی الجاهلیة " " چہرے پر دوہتڑ مارنے، گریبان پھاڑنے اور جاہلیت کے بول بولنے والا ہم میں سے نہیں" "لیس منا"

" جب اللہ تعالی اپنے (کسی) بندے سے خیر خواہی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دنیا میں جلدی اسکے گناہوں کی سزا دے دیتے ہیں اور جب کسی کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہ کی سزا کو روک لیتے ہیں ، یہاں تک کہ قیامت کے روز اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا"

نبی اکرم ﷺ نے مزید فرمایا:

" إن عظم الجزاء مع عظم البلاء ، و إن اللّٰه إذا أحب قوما ابتلاهم ، فمن رضی فله الرضا ومن سخط فله السخط " (سنن الترمذی)

" بڑی آزمائش میں بدلہ بڑا ہوتا ہے' اور جب اللہ تعالی کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو انہیں آزماتا ہے جو شخص (اسکی آزمائش پر) راضی ہو اللہ تعالی بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے اور

....

کہ وہ ہم میں سے نہیں' یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ یہ عمل گناہ کبیرہ ہے لھذا ہم کہیں گے کہ : صبر کو ترک کرنا اور (تقدیر پر) ناراضگی کا اظہار کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، گناہ ایمان میں کمی کا باعث بنتا ہے کیونکہ اطاعت و فرمانبرداری سے ایمان بڑھتا اور معصیت و نافرمانی سے گھٹتا ہے ، اور ایمان میں کمی کمال توحید میں بھی کمی کر دیتی ہے ، بلکہ صبر کو ترک کرنا توحید واجب کے کمال کے منافی شئ ہے .

اور انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

" إذا أراد اللّٰه بعبده الخير عجل له العقوبة فی الدنيا ، وإذا أراد بعبده الشر أمسک عنه بذنبه حتى يوافى به يوم القيامة "

" جب اللہ تعالی اپنے (کسی) بندے سے خیر خواہی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دنیا میں جلدی اسکے گناہوں کی سزا دے دیتے ہیں اور جب کسی کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہ کی سزا کو روک لیتے ہیں 'یہاں تک کہ قیامت کے روز اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا"

جو شخص (اسکی آزمائش پر) ناخوش ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناخوش اور ناراض ہو جاتا ہے"۔

اس باب کے مسائل

۱-سورۃ تغابن کی آیت کی تفسیر (جس میں ہے کہ اللہ مومن کے دل کو ہدایت بخشتا ہے)

۲-اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کرنا ایمان باللہ کا حصہ ہے۔

۳-کسی کے نسب پر طعن کرنا (کفریہ کام ہے)۔

۴-(مصیبت کے وقت) چہرے پر دو ہتڑ مارنے' گریبان پھاڑنے اور جہالت کے بول بولنے والے کے بارے میں سخت وعید وارد ہے۔

۵-اس علامت کا ذکر ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں۔

۶-اس کی علامت کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتے ہیں۔

۷-جس بندے سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہو اس کی نشانی و علامت کا بیان۔

۸-اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ناخوش ہونا اور بے صبری حرام ہے۔

۹-آزمائش پر راضی ہونے کا اجر و ثواب (بہت زیادہ) ہے۔

اس حدیث مبارک میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کا بیان ہے جسے اگر مصیبت پہنچنے والا بندہ اپنے ذہن میں مستحضر کرے تو صبر کو ایک عظیم عبادت تصور کرے گا اور اس عظیم قلبی عبادت پر عمل پیرا ہوگا' وہ کیا ہے تقدیر پر نالاں نہ ہونا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر رضا مندی کا اظہار کرنا' اسی وجہ سے بعض سلف رحمہ اللہ اپنے نفس کو الزام دیتے تھے (کہ تم گنہگار ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ خیر خواہی کا ارادہ نہیں فرمایا) جب انہیں کوئی آزمائش وغیرہ نہیں پہنچتی تھی یا وہ بیمار وغیرہ نہیں ہوتے تھے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے (إن عظم الجزاء مع عظم البلاء ' و إن الله إذا أحب قوما ابتلاهم ' فمن رضى فله الرضا ومن سخط فله السخط)

'' بڑی آزمائش میں بدلہ بڑا ہوتا ہے' اور جب اللہ تعالی کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو انہیں آزماتا ہے جو شخص (اسکی آزمائش پر) راضی ہو اللہ تعالی بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے اور جو شخص (اسکی آزمائش پر) ناخوش ہو تو اللہ تعالی بھی اس سے ناخوش اور ناراض ہو جاتا ہے''.

باب : ۳۵

ریاءکاری کا بیان

ارشاد باری تعالی ہے :

﴿ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴾ (الکهف : ۱۱۰)

”(اے محمد ﷺ !) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ایک انسان ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے تو جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہئے کہ وہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے“.

اس باب کا معنی یہ ہے کہ ریاءکاری کے بارے میں جو وعید وارد ہوئی ہے اس کا بیان اور یہ کہ ریاءکاری اللہ تعالی کے ساتھ شرک ہے.

حقیقت ریاء : یہ رؤیۃ بصریہ سے مشتق ہے کہ انسان کوئی عبادت کا کام اس لئے کرے تاکہ لوگ اسے دیکھیں اور پھر اس کی عبادت وجہ سے اسکی تعریف کریں.

ریاءکاری کے دو درجے ہیں :

۱۔ منافقوں کی ریاءکاری : مخلوق کو دکھانے کے لئے دل میں کفر کو چھپا کر اسلام کو ظاہر کرے 'یہ نفاق اور ریاء توحید کی اساس و بنیاد ہی کے منافی ہے اور اللہ تعالی کے ساتھ کفر اکبر ہے.

۲۔ مسلمانوں کی ریاءکاری : کہ مسلمان اپنے عمل یا اپنے عمل کے کچھ حصہ میں ریاءکاری کرے یہ شرک خفی ہے جو کمال توحید کے منافی ہے.

ارشاد باری تعالی ہے:﴿ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

" أنا أغنى الشركاء عن الشرك ' من عمل عملا أشرك معي فيه غيري تركته وشركه " (صحيح مسلم).

" میں تمام شرکاء میں سب سے بڑھ کر شرک (شراکت و ساجھے داری) سے مستغنی ہوں ، جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس میں وہ میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کرتا ہے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں".

••

وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَلاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾

"(اے محمد ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ایک انسان ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے تو جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہئے کہ وہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے".

اس آیت میں شرک سے منع کیا گیا ہے اور یہ نہی عام ہے جو شرک کی تمام اقسام کو شامل ہے اور اسی میں شرک ریاء بھی ہے ، اس لئے سلف رحمہم اللہ تعالی بھی اس آیت مبارکہ سے ریاء کاری کے مسائل پر استدلال کرتے ہیں جیسا کہ امام رحمہ اللہ نے اس آیت کو یہاں ذکر فرمایا ہے ، اور اللہ تعالی کا یہ فرمانا (أحدا) تمام مخلوق کو شامل ہے خواہ ان کو دکھلانے کیلئے کام کیا یا ان کو سنانے کیلئے ' وغیرہ.

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں.

" أنا أغنى الشركاء عن الشرك ' من عمل عملا أشرك معي فيه غيري تركته وشركه " " میں تمام شرکاء میں سب سے بڑھ کر شرک سے مستغنی ہوں ، جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس میں وہ میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کرتا ہے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں"

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" ألا أخبركم بما هو أخوف عليكم عندي من المسيح الدجال ؟ قالوا بلىٰ يا رسول الله قال : الشرك الخفي ' يقوم الرجل فيصلي فيزين صلاته لما يرىٰ من نظر رجل " (مسند احمد).

"کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس کا خوف مجھے تم پر مسیح دجال سے بھی زیادہ ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ (ضرور بتلائیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: شرک خفی وہ اس طرح کہ کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو اور اپنی نماز کو محض اس لئے اچھی پڑھے کہ فلاں شخص اسے دیکھ رہا ہے"۔

••

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ریاء کاری والا عمل ریاء کاری کرنے والے کے منہ پر مار دیا جاتا ہے ' اگر ریاء کاری شروع عبادت سے موجود ہو تو وہ ساری عبادت باطل ہے ' اسے اس ریاء کاری کا گناہ ہوگا اور وہ شرک خفی یعنی شرک اصغر کا مرتکب ہوگا اور اگر اصل عبادت اللہ تعالی کیلئے ہے لیکن عبادت گزار اثناء عبادت ریاء کاری کو بھی شامل کر لیتا ہے ' مثلا وہ واجب کو ادا کرتا ہے پھر لوگوں کو دکھانے کیلئے رکوع لمبا کر دیتا ہے ' تسبیحات میں اضافہ کر دیتا ہے تو عبادت کی یہ زائد مقدار بے کار اور رائیگاں ہے ' اس کا اسے گناہ بھی ہوگا ، یہ سب کچھ بدنی عبادت میں ہے جبکہ مالی عبادات میں صورت حال اس سے مختلف ہے .(من عمل عملا) "جس نے کوئی عمل کیا" یعنی اس کی ابتداء کی "عملا" کا لفظ نکرہ ہے اور شرط کے سیاق میں ہے یعنی سب اعمال کو شامل ہے ' اللہ تعالی کے لئے یا غیر اللہ کے لئے .لیکن وہ ذات بابرکت تمام شرکاء میں سب سے بڑھ کر شرک سے مستغنی ہے وہ صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اس کی رضا کے لئے کیا گیا ہو .

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعا مروی ہے کہ :" ألا أخبركم بما هو أخوف عليكم عندي من المسيح الدجال ؟ قالوا بلىٰ يا رسول الله قال : الشرك الخفي" "کیا

اس باب کے مسائل

۱-سورۃ کہف کی آیت کی تفسیر (جس میں ہے کہ اللہ سے ملاقات کیلئے اچھے عمل کا ہونا اور شرک سے اجتناب ضروری ہے)۔

۲- کتنی بڑی بات ہے کہ اگر عمل صالح میں معمولی سا بھی حصہ غیر اللہ کیلئے کر دیا جائے تو وہ رائیگاں اور برباد ہو جاتا ہے۔

۳- کسی عمل میں اگر غیر اللہ کو شریک کیا جائے تو اس کے ضائع ہونے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اللہ تعالی اس سے بالکل مستغنی ہے۔ ۴- اس عمل کے ضائع ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی اپنے ساتھ شریک کئے جانے والے تمام شرکاء سے افضل واعلی ہے۔

۵- نبی اکرم ﷺ کو اپنے صحابہ پر بھی ریاء کاری کا خدشہ تھا۔

٦- آپ ﷺ نے ریاء کاری کی یہ تفسیر بیان فرمائی کہ جیسے کوئی نماز اللہ کیلئے ادا کرتے ہوئے عمدہ طور پر اس لئے ادا کرے کوئی اور اسے دیکھ رہا ہے۔

میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس کا خوف مجھے تم پر مسیح دجال سے بھی زیادہ ہے ؟ صحابہ کرام نے کہا کیوں نہیں (ضرور بتلائیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: شرک خفی" یہ اس لئے ہے کہ مسیح دجال کا معاملہ تو واضح اور کھلا ہوا ہے' نبی اکرم ﷺ نے اس کے متعلق مکمل وضاحت فرمائی ہے ' لیکن ریاء کاری ایک ایسا عارضہ ہے جو دل کو بہت زیادہ لاحق ہوتا ہے اور یہ شرک بندے کو آہستہ آہستہ اللہ کی نگرانی سے آزاد تصور کروانا شروع کر دیتا ہے اور بندہ مخلوق کو اپنا نگران اور نگہبان سمجھنا شروع کر دیتا ہے، اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو اس کا مسیح الدجال سے بھی زیادہ خدشہ تھا پھر آپ نے ریاء کاری کی تفسیر بیان کی "يقوم الرجل فيصلي فيزين صلاته لما يرى من نظر رجل" کہ انسان نماز پڑھتا ہے اور اسے صرف اس لئے مزین کر کے پڑھتا ہے کہ فلاں شخص اسے دیکھ رہا ہے۔

باب ۳۶.

انسان کا اپنے عمل سے دنیا کو طلب کرنا بھی شرک ہے

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴾ (هود: ١٥)

''جو لوگ اس دنیا کی زندگی اور اس کی خوشحالی کے طلبگار ہیں ان کے اعمال کا بدلہ ہم انہیں دنیا میں ہی دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی''۔

••

اس باب کا معنی یہ ہے کہ انسان کو عمل پر ابھارنے والی چیز دنیا کا بدلہ ہے' اور یہ اللہ تعالی کے ساتھ شرک ہے جو کہ شرک اصغر کہلاتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾

''جو لوگ اس دنیا کی زندگی اور اس کی خوشحالی کے طلبگار ہیں ان کے اعمال کا بدلہ ہم انہیں دنیا میں ہی دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی' ان کیلئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے' انہوں نے اس دنیا میں جو کچھ کیا وہ سب ضائع ہے اور جو کچھ کرتے رہے وہ سب برباد ہے''۔

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالی نے ایسا کرنے کا ارادہ فرمایا ہو' اس آیت کا عموم سورۃ اسراء کی ایک آیت سے خاص کیا گیا ہے' وہ لوگ جو (بنیادی طور پر قصداً) دنیاوی زندگی کے طلبگار ہیں اور وہ اس کے لئے کوشش بھی کرتے ہیں وہ کفار ہیں' اسی وجہ سے یہ آیت انہیں کے

بارہ میں نازل ہوئی ' لیکن اس آیت کے الفاظ ان لوگوں کو بھی شامل ہیں جو اپنے نیک عمل کے ساتھ دنیا کو چاہتے ہیں.

وہ اعمال جنہیں انسان بجالاتا ہے اور ان سے دنیاوی بدلے کا خواہشمند ہوتا ہے وہ دو قسم کے ہیں :

۱ - ایسا عمل کہ کرنے والا اس سے دنیاوی بدلے کی نیت کرے ' اور آخرت کے ثواب کا ارادہ نہ کیا جائے جبکہ شریعت نے اس عمل میں دنیاوی بدلے کی ترغیب نہیں دلائی' جیسا کہ نماز' روزہ 'اور اسی طرح کے دوسرے اعمال اور اطاعات ہیں' تو ایسے عمل سے دنیا کی خواہش کرنا جائز نہیں ہے اگر انسان دنیا کی خواہش کرے تو وہ مشرک ہے.

۲ - ایسے اعمال جن پر شارع نے دنیاوی ثواب اور بدلے کا بھی ذکر فرمایا ہے اور دنیاوی ثواب ذکر کر کے لوگوں کو اس کے کرنے کی ترغیب دی ہے جیسا کہ صلہ رحمی اور والدین سے حسن سلوک وغیرہ ہے.

تو اس قسم کے اعمال بجالانے والے اگر عمل کرتے وقت اللہ تعالی سے صرف دنیاوی بدلے کی خواہش کرتے ہیں اور آخرت کے ثواب کی بالکل نیت نہیں کرتے تو وہ بھی آیت مبارکہ کی وعید میں شامل ہے اور یہ بھی اسی شرک اصغر کی ایک قسم ہے' لیکن اگر دنیاوی و اخروی دونوں ثوابوں کی اکٹھی نیت کرلیتا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں کیونکہ شارع نے دنیاوی ثواب کا ذکر ہی ترغیب دلانے کیلئے کیا ہے

وہ لوگ جو نیک عمل صرف مال و دولت کے حصول کے لئے کرتے ہیں ان میں سے مندرجہ ذیل عمل اس آیت کے ضمن میں آتے ہیں :

۱ - وہ شخص جو شرعی علم کو وظیفہ (ملازمت) لینے کے لئے حاصل کرتا ہے 'اس کے ذہن میں (اس علم کے حصول سے) اپنے نفس سے جہالت کو رفع کرنا' جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تعس عبد الدينار و تعس عبد الدرهم تعس عبد الخميصة ، تعس عبد الخميلة ، إن أعطي رضى وإن لم يعط سخط ، تعس وانتكس وإذاشيک فلاانتقش ، طوبىٰ لعبد آخذ بعنان فرسه في سبيل الله أشعث رأسه مغبرة قدماه إن كان في الحراسة كان في الحراسة وإن كان في الساقة كان في الساقة إن استأذن لم يؤذن له وإن شفع لم يشفع“ (صحيح بخاری).

”درہم و دینار اور چادر ولباس کے پرستار ہلاک ہو جائیں ، انہیں دیا جائے تو خوش ہیں نہ دیا جائے تو ناراض ہیں، یہ ہلاک ہو جائیں اور سرنگوں ہو کر گر پڑیں ، اگر انہیں کانٹا چبھے تو کوئی نہ نکالے ، اور اس شخص کیلئے خوشخبری ہے جس نے جہاد کیلئے گھوڑے کی لگام پکڑی ہے ،

....

مقصود نہیں تو وہ بھی اس وعید میں شامل ہے .

ب - اسی طرح وہ لوگ جو نیک اعمال صرف ریاء کاری کیلئے کرتے ہیں .

ج - اسی طرح وہ لوگ جو نیک اعمال تو کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ کسی ایسے کام کے مرتکب ہوتے ہیں جو انہیں دائرہ اسلام سے خارج کر دینے والا ہو' تو ایسا شخص اگر یہ کہے کہ وہ ایماندار اور مومن ہے تو وہ اپنے مقولہ میں سچا نہیں کیونکہ اگر وہ سچا ہوتا تو لازماً عمل کو صرف ایک اللہ تعالی کے لئے خالص کرتا .

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تعس عبد الدينار وعبد الدرهم ......“ الحدیث .

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کی مراد اس بندہ سے ہے جو آخرت کا عمل دنیا کی خاطر کرتا ہے ، آپ ﷺ نے اسے درہم و دینار کا پجاری قرار دیا' تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل بھی شرک ہے ' کیونکہ عبودیت (بندگی و عبادت) کے بھی درجات ہیں انہی میں سے ایک شرک اصغر کا

اس کا سر پراگندہ اور پاؤں خاک آلود ہیں اگر اسے پاسبانی کیلئے کہا جاتا ہے تو وہ پاسبانی کرے اور اگر لشکر کے پیچھے حفاظت پر مامور ہو تو لشکر کے پیچھے رہے اگر وہ جانے کی اجازت مانگے تو اجازت نہ ملے اگر وہ کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے.

اس باب کے مسائل

۱- انسان کا آخرت کے عمل سے دنیا طلب کرنا (مذموم ہے)

۲- سورۃ ھود کی آیت کی تفسیر (جس میں طالب دنیا کی مذمت بیان کی گئی ہے)

۳- (دنیا کے حریص) مسلمان کو " عبد الدینار و عبد الخمیصۃ " درہم و دینار کا بندہ کہا گیا ہے.

۴- درہم و دینار اور کپڑے کے پرستار کی وضاحت یوں کی گئی کہ اگر اسے دیا جائے تو خوش نہ دیا جائے تو ناراض.

۵- ایسے شخص کے بارہ میں آپ ﷺ کی بددعا کہ " تعس وانتکس" "وہ تباہ ہو جائے اور سرنگوں ہو جائے".

۶- اور دوسری یہ بددعا کہ " إذاشیک فلاانتقش " کہ اگر اسے کانٹا چبھے تو نہ نکالا جاسکے.

۷- حدیث میں مذکور صفات کے حامل مجاہد کی تعریف کا بیان ہے.

....

کا درجہ ہے، جب کوئی چیز کسی کو کسی کام پر ابھارے اور رغبت دلائے تو کہا جاتا ہے کہ " عبد هذا الشیٔ " اس نے اس کی پرستش کی، اور یہ بات معلوم ہے کہ بندہ اپنے آقا کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے وہ جس طرف اس کا رخ موڑے وہ اسی طرف مڑ جاتا ہے.

باب: ۳۷

اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال چیزوں کو حرام کرنے میں علماء وامراء کی اطاعت کرنا' ان کو اللہ کے سوا رب تسلیم کرنا ہے

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

" یوشک أن تنزل علیکم حجارة من السماء ، أقول : قال رسول اللہ ﷺ وتقولون : اقال أبو بکر وعمر"

یہ باب اور اس کے بعد آنے والے ابواب میں توحید کے تقاضوں اور کلمہ لا الہ الا اللہ کی گواہی کو ثابت کرنے کے لوازمات کا بیان ہے' علماء کرام کتاب وسنت کی نصوص کو سمجھنے کیلئے وسائل و ذرائع کا کام دیتے ہیں' ان کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے تابع ہوتی ہے' جبکہ مستقل طور پر کسی کی اطاعت کرنا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی جائز نہیں کیونکہ یہ بھی عبادت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے' اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنا فرض و واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے' چنانچہ آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی عبادت سمجھ کر کی جائے گی' فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآأَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾ " اور ہم نے رسول کو صرف اس لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے"۔

ایسے اجتہادی مسائل جن میں کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہ ملتی ہو ان میں علماء کرام کی بات ماننی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ذکر (یعنی علماء) سے سوال کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ ﴾ " اگر تمہیں کسی بات کا علم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لیا کرو" اور اس لئے بھی کہ (ان سے پوچھنے میں) اور بھی مصالح اور فوائد ہیں جن کا شریعت میں لحاظ رکھا گیا ہے۔

(تمہارا یہی حال رہا تو) قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں، میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان سناتا ہوں اور تم (اس کے مدمقابل) ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بات کرتے ہو.

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " عجبت لقوم عرفوا الإسناد و صحته ، يذهبون إلى رأى سفيان "

" مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو حدیث کی سند اور اس کے صحیح ہونے کا علم ہو جانے کے بعد بھی سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے پر عمل کرتے ہیں" حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النور: ٦٣)

....

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

" يوشك أن تنزل عليكم حجارة من السماء أقول : قال رسول الله ﷺ وتقولون : قال أبو بكر وعمر".

" قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں، میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان سناتا ہوں اور تم (اس کے مدمقابل) ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بات کرتے ہو"

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کلام سے ان کی فقاہت کا اظہار ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ایسے فرمان کے مقابلہ میں جسکا معنی و مفہوم واضح ہو کسی دوسرے کے قول کو جس کی کوئی دلیل بھی نہ ہو بطور معارضہ پیش کرنا جائز نہیں خواہ وہ قول ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہی کیوں نہ ہو، اور اگر کوئی ان سے کم درجے کا ہے تو پھر کیونکر اسکا قول پیش کیا جا سکتا ہے؟.

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " عجبت لقوم عرفوا الإسناد و صحته ،

(رسول اللہ ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی فتنہ یا دردناک عذاب نہ آپڑے"

" أتدرى ماالفتنة ؟ الفتنة الشرك ' لعله إذا رد بعض قوله أن يقع فى قلبه شئ من الزيغ فيهلك "

جانتے ہو فتنہ کیا ہے؟ اس سے مراد شرک ہے ' ہوسکتا ہے کہ جو انسان رسول ﷺ کی کسی بات کو چھوڑ دے تو اس کے دل میں کجی آجائے اور وہ ہلاک ہوجائے .

•••

يذهبون إلى رأى سفيان) مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو حدیث کی سند اور اس کے صحیح ہونے کا علم ہوجانے کے بعد بھی سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالی کی رائے پر عمل کرتے ہیں " حالانکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾

" رسول اللہ ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی فتنہ یا دردناک عذاب نہ آپڑے " فتنہ سے مراد شرک کی قسم ہے اور کبھی یہی شرک شرک اکبر کے درجہ تک بھی پہنچ جاتا ہے .

﴿أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾ " یا دردناک عذاب نہ آپہنچے "

(أتدرى ماالفتنة ؟ ......) " کیا تم جانتے ہو فتنہ کیا ہے؟ "

اس سے مراد شرک ہے، ہوسکتا ہے کہ جو انسان رسول ﷺ کی کسی بات کو چھوڑ دے تو اس کے دل میں کجی آجائے اور وہ ہلاک ہوجائے .

یعنی اگر کوئی آدمی آپ ﷺ کے فرمان کو کسی دوسرے کے قول کی بناء پر رد کردیتا ہے .

اللہ تعالی نے یہودیوں کے بارہ میں فرمایا:

﴿ فَلَمَّا زَاغُوْا أَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ " تو جب وہ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالی نے بھی ان

عدی بن حاتم رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا :

﴿ اِتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوْا إِلٰـهًا وَّاحِدًا لَا إِلٰهَ إِلَّاهُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ (التوبة: ٣١)

’’انہوں نے اپنے علماء اور بزرگوں اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اللہ تعالی کے سوا رب بنالیا تھا حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان سے پاک ہے جنہیں وہ شریک ٹھراتے ہیں‘‘۔

(عدی بن حاتم رضی اللہ تعالی کہتے ہیں) میں نے آپ ﷺ سے کہا کہ ہم ان علماء اور بزرگوں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے ، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ أليس يحرمون ما أحل الله فتحرمونه ، ويحلون ما حرم الله فتحلونه ؟ ‘‘

••

کے دلوں کو (اور) ٹیڑھا کردیا ‘‘ یعنی دلائل و براہین کے بیان کرنے اوران کے واضح ہونے کے باوجود وہ صرف اپنے ارادے اور اختیار سے ٹیڑھے ہی رہے ، تو جب وہ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالی نے بطور سزا ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کردیا.

عدی بن حاتم رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا:

﴿ اتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾’’انہوں نے اپنے علماء اور بزرگوں کو اللہ تعالی کے سوا رب بنالیا‘‘ (تو عدی رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں) میں نے آپ ﷺ سے کہا کہ ہم ان علماء اور بزرگوں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے ....الحدیث.

حلت وحرمت میں علماء کی اطاعت کے دو درجے ہیں :

۱ – انسان علماء اور حکمرانوں کی تعظیم کرتے ہوئے دین کے بدلنے میں ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرے ،جس کو وہ حلال قرار دیں وہ بھی ان کی اطاعت اور تعظیم کی وجہ سے اس کی حلت کا

"کیا ایسا نہیں تھا کہ تم اللہ تعالی کی حلال کردہ چیزوں کو ان کے کہنے پر حرام اور اللہ تعالی کی حرام کردہ چیزوں کو ان کے کہنے پر حلال سمجھتے تھے ؟"(عدی رضی اللہ تعالی عنہ) کہتے ہیں میں نے کہا جی ہاں ،آپ ﷺ نے فرمایا :"فتلک عبادتهم ""یہی ان کی عبادت ہے"(مسند احمد و سنن ترمذی .)

اس باب کے مسائل

۱-سورۃ نور کی آیت کی تفسیر (جس میں رسول ﷺ کی نافرمانی سے ڈرایا گیا ہے).

۲ - سورۃ برآءۃ کی آیت کی تفسیر (جس میں علماء اور بزرگوں کو رب بنانے والوں کا تذکرہ ہے).

۳ - اس میں عبادت کے معنی پر تنبیہ کی گئی ہے جس کا عدی رضی اللہ تعالی عنہ نے انکار کیا تھا.

•••

اعتقاد رکھے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ چیز حرام ہے تو یہی وہ انسان ہے جس نے علماء کو اپنا رب مان لیا ہے یہ عمل اللہ تعالی کے ساتھ کفر اکبر ہے ،اور یہی وہ شخص ہے جس نے اطاعت (جو کہ ایک عبادت ہے) کو غیر اللہ کیلئے استعمال کیا ہے.

۲ - حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنے میں وہ کسی عالم یا حکمران کی صرف عملی ناحیے سے اطاعت کرتا ہے یعنی وہ جانتا ہے کہ ایسا کرنے سے وہ نافرمانی کا مرتکب ہو رہا ہے ،اور وہ اس کا اعتراف بھی کرتا ہے لیکن ان سے محبت کی وجہ سے نافرمانی میں ان کی اطاعت کرتا ہے ، یا ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ان کی اطاعت کرتا ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو اس طرح کے گناہ گاروں کا ہے.

شیخ رحمہ اللہ لفظ ،رھبان ، یعنی بزرگوں اور درویشوں کے لفظ سے اہل تصوف اور صوفیوں

۴-عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی اور امام احمد نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کی مثال بیان کی (کہ نبی ﷺ کے فرمان کے مقابلہ میں ان کا قول بھی پیش کرنا جائز نہیں)

۵-- اب حالات اس حد تک بدل چکے ہیں کہ اکثر عوام کے نزدیک بزرگوں اور درویشوں کی عبادت ہی افضل ترین عمل کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور اسے ولایت کا نام دیا جاتا ہے' اسی طرح علم وفلسفہ کے نام پر علماء کی عبادت ہوتی ہے پھر اس قدر حالات بدلے کہ اللہ تعالی کے سوا ان لوگوں کی بھی عبادت کی جانے لگی جو نیک نہ تھے دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ ان لوگوں کی بھی پرستش شروع ہوگئی جو اہل علم نہیں بلکہ جاہل اور ان پڑھ ہیں.

....

کے طریقوں، تصوف میں غلو کرنے والوں اور صوفیوں کے رؤساء کی تعظیم میں غلو کرنے والوں پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں.

کہ یہاں بھی ''رھبان'' یعنی بزرگوں اور درویشوں کی عبادت کی گئی ہے (جو کہ درحقیقت ان کو رب تسلیم کرنا ہے) اور وہ (صوفی اور تصوف اور علماء کی تعظیم میں غلو کرنے والے) بھی اپنے مشائخ' درویشوں اور ان کے اولیاء کی جنہیں وہ اولیاء سمجھتے ہیں دین کو بدلنے میں ان کی اطاعت کرتے ہیں' یہ بھی درویشوں اور اولیاء کو اللہ کے سوا رب بنانے کی ایک قسم ہے.

باب: ۳۸

باب قوله تعالى: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ ......﴾ الآية

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (النساء: ٦٠)

" کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعوی تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) آپ پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) آپ سے پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان رکھتے ہیں (مگر) چاہتے ہیں کہ اپنا فیصلہ طاغوت کے پاس لے کر جائیں حالانکہ انہیں اس طاغوت کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیا گیا اور شیطان انہیں بھٹکا کر دور کی گمراہی میں لے جانا چاہتا ہے"۔

اللہ تعالی کی الوہیت اور اسکی ربوبیت میں اس کی وحدانیت کا اقرار اس بات کا متقاضی ہے کہ حکم کو بھی اسی کے لئے خاص کیا جائے (یعنی صرف اسی کا حکم مانا جائے) اطاعت وفرمانبرداری میں اللہ تعالی کی وحدانیت اور کلمہ " لا إله إلا الله محمد رسول الله " کی گواہی کا اثبات صرف اسی وقت ممکن ہے جب لوگ اس (کتاب) کو جو اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی ہے اپنا فیصل اور حاکم تسلیم کرلیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی نازل کردہ کتاب کے فیصلے کو چھوڑ کر زمانہ جاہلیت کے قوانین وفیصلوں اور خانہ بدوشوں کے فرسودہ نظام کو اختیار کرنا اللہ تعالی کے ساتھ کفر اکبر کے زمرے میں آتا ہے جو کہ کلمہ توحید (لا إله إلا الله) کو توڑ دینے والا ہے۔

امام شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ " تحكيم القوانين " میں لکھا ہے " إن

نیز ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لاَ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ﴾(البقرة:۱۱)

’’ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرتے ہیں‘‘.

....

الكفرالأكبر المستبين تنزيل القانون اللعين منزلة مانزل به الروح الأمين على قلب سيد المرسلين ليكون حكمابين العالمين مناقضة ومحادة لمانزل من رب العالمين‘‘.

’’ ملعون (دنیاوی) قانون کو اس (کتاب) کے قائم مقام بنانا جسے روح الامین جبریل علیہ السلام لے کر اترے ہیں اور اسے سید المرسلین محمد ﷺ کے دل پر اتارا ہے تاکہ وہ (فرسودہ دنیاوی نظام) لوگوں کے درمیان فیصل اور حاکم بن جائے، رب العالمین کی جانب سے جو نازل ہوا اس سے عداوت اور مخالفت کرنے والا بن جائے تو (یادرکھو) یہ کھلا اور واضح کفر اکبر ہے‘‘

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ﴾

’’ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعوی تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) آپ پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) آپ سے پہلے نازل ہوئیں ان سب پر ایمان رکھتے ہیں (مگر) چاہتے ہیں کہ اپنا فیصلہ طاغوت کے پاس لے کر جائیں‘‘.

یہ دلیل ہے کہ وہ اپنے دعوی میں جھوٹے ہیں کیونکہ ایمان اور طاغوت کی جانب اپنے فیصلے کو لے جانا دونوں چیزیں ایک جگہ نہیں ہوسکتیں (یریدون) ’’وہ ارادہ کرتے ہیں ‘‘ یعنی جو لوگ اپنے فیصلوں کو طاغوت کے پاس لے جاتے ہیں ان سے ایمان کی کلی طور پر نفی کے لئے یہ ایک مہم ضابطہ اور بنیادی شرط ہے.

نیز ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ﴾ (الأعراف: ٥٦)

''اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو''.

اور فرمان ربانی ہے:

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ (المائدة: ٥٠)

''کیا پھر یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور جو لوگ (اللہ تعالی پر) یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے''.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به '' (قال النووی حديث صحيح روينا فی كتاب الحجة باسناد صحيح)

'' تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی تمام خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہو جائیں جس کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں''.

(امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے جسے ہم نے کتاب الحجہ میں صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے)

••

کہ وہ ارادہ کرتے ہیں گویا کہ ارادہ شرط ہے جس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے اختیار و چاہت اور رغبت سے اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لے جاتے ہیں اور بالکل کراہت محسوس نہیں کرتے۔

﴿ وَقَدْ أُمِرُوْا أَنْ يَّكْفُرُوْا بِهِ﴾ ''حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس طاغوت سے کفر کریں''یعنی انہیں طاغوت کی جانب فیصلہ لے جانے سے انکار (کفر) کا حکم دیا گیا ہے' اور یہ ایک واجب حکم ہے جو کہ اللہ تعالی کی توحید کی ایک قسم ہے اور اللہ تعالی کی ربوبیت میں تعظیم کی ایک قسم ہے۔

امام شعبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کوئی جھگڑا ہو گیا' یہودی جانتا تھا کہ محمد ﷺ رشوت نہیں لیتے اسلئے اس نے کہا کہ ہم یہ جھگڑا آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جبکہ منافق یہ جانتا تھا کہ یہودی رشوت لیتے ہیں اسلئے اس نے کہا کہ ہم یہ جھگڑا یہود کے پاس لے چلتے ہیں آخر وہ دونوں جہینہ قبیلے کے ایک کاہن سے فیصلہ کروانے پر متفق ہو گئے تو اللہ تعالی نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمادی:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ ....﴾ الآیہ

بعض اہل علم کا یہ بیان ہے کہ یہ آیت ان دو آدمیوں کے بارہ میں نازل ہوئی تھی جن کا آپس میں اختلاف ہو گیا تھا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم یہ معاملہ محمد ﷺ کی عدالت میں پیش کرتے ہیں دوسرے نے کہا نہیں یہ معاملہ کعب بن اشرف (یہودی) کے پاس

....

﴿ وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيْدًا ﴾ " اور شیطان انہیں بھٹکا کر دور کی گمراہی میں ڈالنا چاہتا ہے " اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل (طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانا) شیطان کے لوگوں کو گمراہ کرنے ' وسوسہ ڈالنے اور ان کے لئے اس عمل کو مزین کرنے کی وجہ سے ہے.

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْأَرْضِ قَالُوْا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرتے ہیں".

اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنے اور اسکی شریعت کو ترک کر کے غیر کے قوانین کو نافذ کرنے سے زمین میں فساد برپا ہو گا ' جبکہ اللہ تعالی کی توحید اور اس کی شریعت کو اختیار کرنے سے زمین کی اصلاح ہوتی ہے.

لے چلتے ہیں چنانچہ (وہ نبی اکرم ﷺ سے فیصلہ کروانے کے بعد) عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آگئے ' تو ایک آدمی نے سارا قصہ بیان کردیا تو عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے دوسرے سے پوچھا جس نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر رضامندی کا اظہار نہیں کیا تھا کہ کیا یہ ٹھیک کہہ رہا ہے ؟ تو اس نے کہا جی ہاں ' چنانچہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے تلوار سے اس کا کام تمام کردیا''.

اس باب کے مسائل

۱-سورۃ النساء کی آیت کی تفسیر اور اس میں طاغوت کے مفہوم کی وضاحت.

۲-سورۃ بقرۃ کی آیت ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ﴾ کی تفسیر.

۳-سورۃ اعراف کی آیت ﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا﴾ کی تفسیر.

۴-آیت مبارکہ ﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ﴾ کی تفسیر.

۵-پہلی آیت کی تفسیر میں شعبی رحمہ اللہ کے قول کا ذکر.

۶-سچے اور جھوٹے ایمان کی تفسیر ہے.

۷-عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور منافق کے قصہ کا بیان ہے.

زمین میں فساد شرک کی تمام اقسام کے ذریعے ہوتا ہے ، انہیں قسموں میں سے ایک قسم ''شرك في الطاعة '' اطاعت میں شرک ہے.

اس آیت میں یہ بات وضاحت سے بیان کی گئی ہے کہ منافقین کی یہ خصلت ہے کہ وہ شرک کرتے ہیں ' شرکیہ ذرائع اور اس کی اقسام پر عمل درآمد کرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں.

اور ارشاد باری تعالی ہے :

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾

۸- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت تک ایمان کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تمام تر خواہشات رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں.

••

" کیا پھر یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور جو لوگ (اللہ تعالی پر) یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے".

اہل جاہلیت آپس میں ایک دوسرے پر فیصلہ کرتے ہیں ' یعنی انسان خود قانون سازی کرتا ہے پھر اسے حاکم بنا دیا جاتا ہے ، تو جو شخص جاہلیت کے (فرسودہ) قوانین کو حاکم تسلیم کرتا ہے گویا کہ اس نے انسان کو حاکم تسلیم کیا اور اس کا معنی یہ ہوا کہ اس نے اللہ تعالی کے سوا کسی دوسرے کو اپنا مطاع (جس کی اطاعت کی جائے) بنا لیا ہے ' یا عبادت اطاعت میں اللہ تعالی کا شریک اختیار کر لیا ہے.

باب:۳۹

اسماء وصفات کے منکر کا حکم

ارشاد باری تعالی ہے :

﴿ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمٰنِ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ﴾ (الرعد :۳۰)

''اور وہ لوگ رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں' آپ کہہ دیجئے کہ وہی (رحمٰن) میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میرا اسی پر بھروسہ ہے اور اسی کی جانب میرا پلٹنا ہے''.

کتاب التوحید سے اس باب کی مناسبت دو جہتوں سے ہے :

۱-توحید اسماء وصفات 'توحید عبادت کے دلائل میں سے ہے .

۲- اسماء وصفات میں سے کسی چیز کا انکار ایسا کفر وشرک ہے جو دائرہ اسلام سے خارج کر دینے والا ہے 'جب اللہ تعالی کا کوئی نام یا اس کی کوئی صفت ثابت ہو جائے اور انسان جان لے کہ اللہ تعالی نے اسے اپنے لئے ثابت کیا ہے یا اس کے رسول ﷺ نے اس کیلئے اس صفت کا اثبات کیا ہے پھر وہ (انسان) اس کا انکار کر دے یعنی اس کی اصلا نفی کر دے تو یہ کفر ہے کیونکہ اس نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی ہے .

اور فرمان باری تعالی ہے :﴿وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمٰنِ﴾ ''اور وہ لوگ رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں'' رحمٰن اللہ تعالی کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' کفار اور مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم رحمٰن یمامہ (ایک جگہ کا نام ہے) کے علاوہ کسی اور رحمٰن کو نہیں جانتے گویا کہ انہوں نے اللہ تعالی کے نام ''رحمٰن'' کا انکار کیا 'اور یہ انکار فی نفسہ کفر ہے اس لئے اللہ تعالی نے فرمایا : ﴿ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمٰنِ﴾ ''اور وہ لوگ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں ''یعنی اللہ تعالی کے نام کا.

لفظ'' رحمٰن''صفت رحمت پر مشتمل ہے کیونکہ اللہ تعالی کا ہر نام ہی کسی نہ کسی صفت پر مشتمل

علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ " حدثوا الناس بما یعرفون ، أترید ون ان یکذب اللّٰه و رسوله " "لوگوں کو وہی باتیں بتاؤ جنہیں وہ پہچان سکیں' (جو باتیں ان کے فہم وشعور سے بالا ہوں وہ سنا کر) کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کو جھٹلایا جائے ؟ " (صحیح بخاری)

امام عبدالرزاق معمر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ابن طاؤس سے وہ اپنے باپ طاؤس

....

ہے لھذا اللہ تعالی کا کوئی بھی نام دلالتِ مطابقت کی رو سے دو چیزوں کے مجموعہ پر دلالت کرتا ہے ان میں سے ایک اللہ کی ذات اور دوسری صفت ہے ، ہر اسم انہی دو چیزوں کے مجموعہ پر مشتمل ہے لھذا ہم کہیں گے کہ اللہ تعالی کا ہر اسم کسی نہ کسی صفت پر مشتمل ہے حتی کہ اللہ تعالی کا جلالی نام لفظ "اللہ" بھی یہ اس ذات کا علم اور نام ہے جو معبود برحق ہے اور اہل علم کے دو قولوں میں سے صحیح قول کے مطابق " الإلهة " سے مشتق ہے جس کا معنی عبادت ہے۔

صحیح بخاری میں علی رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے کہ :

" حدثوا الناس بما یعرفون ' أتریدون أن یکذب اللّٰه و رسوله "

علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں لوگوں کو وہی باتیں بتاؤ جنہیں وہ پہچان سکیں' (جو باتیں ان کے فہم وشعور سے بالا ہوں وہ سنا کر) کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کو جھٹلایا جائے ؟ " اس قول میں یہ دلیل ہے کہ بعض معلومات کا کسی کو بتانا درست نہیں ہوتا جیسے توحید اسماء وصفات کی بعض باریکیاں عوام الناس کو سمجھانے کی نہیں ہوتیں ، انہیں تو صرف کتاب وسنت میں مشہور اسماء وصفات پر اجمالا ایمان لانے کا حکم دینا چاہئے ' کیونکہ اسماء وصفات کے انکار کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ اسماء وصفات کے متعلق لوگوں کو ایسی باتیں بیان کی جائیں جو ان کی سمجھ سے بالا تر ہوں' اسلئے ہر مسلمان پر اور خصوصا طالب علم پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو ایسا نہ بنادے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کی تکذیب کریں ، وہ اس طرح (یعنی تکذیب کا سبب یہ ہے) کہ ان کو ایسی باتیں

سے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا جسے صفات الٰہی کے بارہ میں ایک حدیث سن کر یوں کپکپی آگئی گویا کہ اسے یہ حدیث اچھی نہیں لگی تو یہ منظر دیکھ کر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمانے لگے :

''مافرق ھؤلاء یجدون رقۃ عند محکمہ ویہلکون عند متشابہہ''

'' لوگوں کی گھبراہٹ بھی کتنی عجیب ہے کہ اللہ کی محکم آیات سن کر ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور متشابہ آیات سن کر (انہیں نہ مان کر یا شک کر کے) وہ ہلاک ہو جاتے ہیں''

(مسند عبدالرزاق)

اور جب قریش نے رسول اللہ ﷺ کو ''رحمٰن'' کا ذکر کرتے ہوئے سنا تو اس کا انکار کر دیا تب اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی : ﴿ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمٰنِ ﴾ '' اور وہ رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں''.

••

بتائے جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہوں اور ان کی عقلوں کی وہاں تک رسائی ناممکن ہو.

امام عبدالرزاق معمر سے روایت کرتے ہیں وہ ابن طاؤس سے وہ اپنے باپ طاؤس سے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا جسے صفات الٰہی کے بارہ میں ایک حدیث سن کر یوں کپکپی آگئی کہ گویا کہ اسے یہ حدیث اچھی نہیں لگی'' کیونکہ اس نے اس صفت سے اللہ کی مخلوق سے مماثلت یا مشابہت کو سمجھا تو اس نے اس کو ثابت کرنے میں خوف محسوس کیا جبکہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ میں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا تذکرہ سنے تو اسے وہی مقام دے جو تمام صفات کو دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بغیر کیفیت اور بغیر مماثلت و مشابہت کے اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرے اسی وجہ سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ''مافرق ھؤلاء'' کہ ان لوگوں کی گھبراہٹ کا کیا سبب ہے؟ ''یجدون رقۃ عند محکمہ'' یعنی جب وہ ایسی چیز

اس باب کے مسائل

۱- اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں سے کسی چیز کا انکار کرنے سے ایمان ختم ہو جاتا ہے

۲- سورۃ الرعد کی آیت کی تفسیر (جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی صفت پر مشتمل اسم رحمٰن کا ذکر ہے)۔

۳- سامع جس بات کے سمجھنے سے قاصر ہو اس بات کو اس کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے۔ ۴- سابقہ مسئلے کا سبب یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کا باعث بنتا ہے خواہ اس کا ارادہ تکذیب نہ بھی ہو۔

۵- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں سے کسی کا انکار کیا تو یہ انکار اسے ہلاکت سے دوچار کر ڈالے گا۔

سنتے ہیں جسے وہ جانتے ہیں تو ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے "ويهلكون عند متشابهه" یعنی جب وہ کتاب وسنت میں ایسی بات سنتے ہیں جس کو ان کی عقلیں سمجھنے سے قاصر ہیں تو وہاں وہ ہلاک ہو جاتے ہیں، ڈرتے ہیں اور گھبراہٹ محسوس کرتے ہیں، اس صفت کی تاویل کرتے اور اس کے حقیقی معنی کی نفی کر دیتے ہیں یا اس کا سرے سے ہی انکار دیتے ہیں اور یہی چیز گمراہی کے اسباب میں سے ہے۔"المتشابه" یہاں اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا علم بعض سامعین پر مشتبہ ہو جاتا ہے اور وہ اس کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ (ولما سمعت ......) اور جب قریش مکہ نے رسول ﷺ سے رحمٰن کا ذکر سنا تو تب انہوں نے اس کا انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ﴾ "کہ وہ لوگ رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں"۔ اللہ تعالیٰ کے کسی نام یا کسی صفت کا انکار کرنا یعنی اس کی تصدیق نہ کرنا ایک ایسا انکار ہے جو کفر ہے، اور انکارِ تاویل کرنے سے مختلف ہے، تاویل اور الحاد کے کچھ مراتب ہیں جن کا بیان آگے آئے گا، انشاء اللہ۔

باب :۴۰

باب قوله تعالیٰ :
﴿ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا ....﴾ الآية

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَ أَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ﴾ (النحل : ۸۳)

''اور یہ لوگ اللہ تعالی کی نعمتوں کو پہچانتے ہوئے بھی ان کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ ناشکرے ہیں''.

اس آیت کی تفسیر میں مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ انسان کا یوں کہنا کہ یہ مال تو مجھے آباواجداد کی طرف سے ورثہ میں ملا ہے (اللہ تعالی کی نعمت کا انکار ہے).

••

انسان پر یہ جاننا لازم اور ضروری ہے کہ تمام نعمتوں کا حصول اللہ ہی کی جانب سے ہے ،اور توحید کی تکمیل بھی تبھی حاصل ہوگا جب وہ تمام نعمتوں کو اللہ تعالی ہی کی جانب منسوب کریگا ، جبکہ غیرا للہ کی جانب نعمتوں کو منسوب کرنا توحید میں کمی اور نقص کا باعث ہے بلکہ یہ اللہ تعالی کے ساتھ شرک اصغر ہے کیونکہ اس نے غیراللہ کی جانب نعمت کی نسبت کی ہے حالانکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ﴾ '' تمہیں جو بھی نعمت حاصل ہوتی ہے وہ اللہ تعالی ہی کی جانب سے ہے ''.(قال مجاهد : هو قول الرجل . . . .) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مراد انسان کا یوں کہنا ہے : '' کہ یہ مال تو مجھے آباواجداد کی طرف سے ورثہ میں ملا ہے'' تو ایسا کہنا کمال توحید کے منافی ہے اور شرک کی قسموں میں سے ایک قسم ہے کیونکہ اس نے مال کو اپنے آباواجداد کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ درحقیقت یہ مال پہلے اللہ تعالی نے اس کے آباواجداد کو عطا کر کے انعام کیا تھا ، پھر اس مومن پر انعام کیا ،کیونکہ اللہ تعالی نے ہی تقسیم وراثت کو اس تک

عون بن عبداللہ کا قول ہے: کہ "اس سے مراد لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اگر فلاں نہ ہوتا تو ایسے ممکن نہ ہوتا"۔

اور ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ: " اس سے مراد لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ چیز تو ہمارے (باطل) معبودوں کی سفارش سے ہمیں ملی ہے"۔

....

پہنچنے کا ذریعہ بنایا ہے 'اور یہ سب اللہ تعالی کا ہی فضل و کرم اور اسکی نعمت ہے، والد تو صرف ایک سبب ہے جسکی وجہ سے مال تجھ تک پہنچا ہے ،لھذا کسی والد یا کسی صاحب مال کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ وراثت کو اپنی خواہشات کے مطابق تقسیم کرے کیونکہ درحقیقت وہ مال کا مالک نہیں ہے۔

(قال عون بن عبداللّٰہ : یقولون . . . .) عون بن عبداللہ کا قول ہے: " کہ آیت سے مراد لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اگر فلاں نہ ہوتا تو ایسے کبھی نہ ہوتا" جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہوا باز نہ ہوتا تو ہم ہلاک ہوجاتے، یا اسی طرح کے دوسرے الفاظ جس میں کسی چیز کے حصول کو کسی واسطے پر معلق کیا گیا ہو خواہ وہ واسطہ انسان ہو یا جمادات میں سے ہو یا زمین کا ٹکڑا ہو یا اللہ تعالی کی مخلوقات میں سے کوئی مخلوق ہو جیسا کہ پانی، ہوا وغیرہ۔

(قال قتیبة : یقولون ھذا بشفاعة آلھتنا) ابن قتیبہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: " کہ اس سے مراد لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ چیز تو ہمارے (باطل) معبودوں کی سفارش سے ہمیں ملی ہے"

یعنی جب انہیں کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو فوراً اس وقت کو یاد کرتے ہیں جب انہوں نے اولیاء یا انبیاء یا بتوں اور وثنوں کی کچھ عبادت کی تھی اور ان کا قصد کیا تھا اور کہتے ہیں کہ ان معبودوں نے ہماری سفارش کی ہے لھذا ہمیں یہ بھلائی حاصل ہوئی ہے، وہ اپنے (باطل) معبودوں کو تو یاد کرتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ احسان کرنے والا تو حقیقتاً اللہ تعالی ہی ہے، اور اللہ تعالی ان شرکیہ سفارشوں کو جن کا یہ (مشرک لوگ) تذکرہ کرتے ہیں کبھی قبول کرنے والا نہیں ہے

شیخ الاسلام ابوالعباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی نے زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالی عنہ کی اس حدیث: ''إن اللہ تعالی قال: أصبح من عبادی مؤمن بی و کافر''

''اللہ تعالی نے فرمایا: میرے بندوں میں سے کچھ تو مجھ پر ایمان لانے والے ہوئے اور کچھ کفر کرنے والے (یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے) کے بعد یوں فرمایا: '' و ھذا کثیر فی الکتاب یذم سبحانہ من یضیف إنعامہ إلی غیرہ ویشرك بہ''

کہ ''کتاب وسنت میں یہ بات بکثرت وارد ہے، اللہ تعالی ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہیں جو اللہ تعالی کے انعام اور رحمت کو کسی غیر کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اللہ تعالی کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں''.

اس بات کی وضاحت کیلئے بعض اسلاف نے یہ مثال بیان کی ہے: جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہوا بہت خوب تھی ملاح ماہر تھا اور تجربہ کار تھا وغیرہ اقوال جو بہت سے لوگ کہتے رہتے ہیں.

(وقال ابوالعباس - بعد حدیث زید بن خالد) شیخ الاسلام ابوالعباس بن تیمیہ رحمہ اللہ نے زید بن خالد الجہنی رضی اللہ تعالی عنہ کی اس حدیث ''إن اللہ تعالی قال: أصبح من عبادی مؤمن بی و کافر، فأما من قال مطرنا بفضل اللہ ورحمتہ فذالک مؤمن بی وکافر بالکواکب، وأما من قال مطرنا بنوء کذا وکذا فذالک کافر بی ومؤمن بالکواکب''

''اللہ تعالی نے فرمایا: میرے بندوں میں کچھ تو مجھ پر ایمان لانے والے اور کچھ کفر کرنے والے ہوئے جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ تعالی کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش نازل ہوئی یہ تو مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور ستاروں کی تاثیر کا منکر ہے، اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارے کی تاثیر سے ہم پر بارش نازل ہوئی تو یہ میرے ساتھ کفر کرنے والا اور ستاروں کی تاثیر پر ایمان لانے والا ہے'' اس کے بعد یوں فرمایا: '' و ھذا کثیر فی الکتاب یذم سبحانہ من یضیف إنعامہ

اس باب کے مسائل

۱-نعمتوں کو پہچاننے اور ان کا انکار کرنے کی وضاحت .

۲ - اس بات کا علم کہ اللہ کی نعمتوں کے انکار کی یہ صورتیں لوگوں کی زبانوں پر مروج ہیں.

۳ - ایسی باتیں کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار ہے .

۴ - ایک ہی دل میں دو متضاد باتوں (یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار اور اقرار) کا جمع ہونا ثابت ہوتا ہے .

••

إلى غيره ويشرك به " کتاب وسنت میں یہ بات بکثرت وارد ہے ، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے انعام اور رحمت کو کسی غیر کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں .(قال بعض السلف : هو كقولهم .....)اس بات کی وضاحت کیلئے بعض سلف رحمہ اللہ نے یہ مثال بیان کی ہے : جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہوا بہت خوب تھی ملاح ماہر تھا اور تجربہ کار تھا وغیرہ اقوال جو بہت سے لوگ کہتے رہتے ہیں .

یہ بات بہت ہی اہتمام کے لائق ہے کہ لوگوں کو اس پر تنبیہ کی جائے اور انہیں متنبہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بہت ساری نعمتیں ہیں جن کا کوئی شمار نہیں ، لھذا واجب اور لازم ہے کہ نعمتوں کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کیا جائے اور ان کی وجہ سے اسے یاد کیا جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے کیونکہ شکر نعمت کے درجات میں سے یہ بھی ہے کہ نعمتوں کو اسی جانب منسوب کیا جائے جس نے یہ عطا کی ہیں اور یہ اول درجات میں سے ہے ، ارشاد الٰہی ہے : ﴿وأمّا بنعمة ربّك فحدّث﴾ "اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو "یعنی یہ کہئے کہ یہ اللہ کے فضل وکرم کی وجہ سے ہے اور یہ نعمت اس کی جانب سے ہے ، اور اگر کبھی دل کسی مخلوق کی جانب متوجہ ہوا تو گویا کہ وہ شرک کی اس نوع کا مرتکب ہوا جو کہ توحید کے منافی ہے .

باب:۴۱

باب قوله تعالیٰ
﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَّأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَّأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ (البقرة : ۲۲)

''پس دانستہ طور پر کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ''

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

''الأنداد هو الشرك ، أخفى من دبيب النمل على صفاة سوداء في ظلمة الليل وهو أن تقول : والله وحياتک يا فلان ، وحياتي ، وتقول لولا كليبة هذه لآتانا اللصوص ، ولو لا البط في الدار لأتانا اللصوص ، وقول الرجل لصاحبه : ماشاء الله وشئت وقول الرجل لو لاالله و فلان ، لاتجعل فيها فلانا ، هذا كله شرك ''(ابن ابی حاتم)

''انداد سے مراد شرک ہے جو رات کی تاریکی میں سیاہ پتھر پر چلنے والی چیونٹی سے بھی زیادہ مخفی ہے 'شرک یہ ہوتا ہے کہ تم کہو:'' والله وحياتک يا فلان ، وحياتي'' اللہ کی قسم اے فلاں تیری زندگی اور میری زندگی کی قسم ، یا تمہارا یوں کہنا: اگر یہ کتیا نہ ہوتی تو ہمارے گھر

....

حقیقت توحید یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی موجود نہ ہو جسکا کوئی ساجھی اور شریک نہیں ہے ، لھذا غیر اللہ کی قسم اٹھانا جائز نہیں اور نہ ہی یہ کہنا جائز ہے کہ ''ماشاء اللہ وشئت'' ''جو اللہ چاہے اور تم چاہو'' وغیرہ ، ان الفاظ کے استعمال میں صرف یہی مناسب ہے کہ انہیں ایک اللہ کی جانب منسوب کیا جائے۔

میں چور آجاتے ، یا تمہارا یہ کہنا کہ اگر ہمارے گھر میں بطخ نہ ہوتی تو چور آجاتے ، یا یوں کہنا :"ماشاء اللّٰه وشئت" جو اللہ چاہے اور تم چاہو ، یا یوں کہنا : اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں نہ ہوتا تو ....اللہ تعالی کے ذکر کے ساتھ فلاں کے ذکر کو شامل نہ کرو ، یہ سب شرک ہے"۔

عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

" من حلف بغير اللّٰه فقد كفر أو أشرك " (رواه الترمذى وحسنه وصححه الحاكم).

"جس شخص نے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم اٹھائی اس نے کفر کیا یا شرک کا ارتکاب کیا" (اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن کہا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے).

....

یہاں ہمارے لئے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ (ان الفاظ کے استعمال میں) دو درجے ہیں

۱- درجہ کمال : انسان یہ کہے : لو لااللّٰه لما حصل كذا " اگر اللہ تعالی نہ ہوتا تو ایسا نہ ہوتا.

۲- درجہ جواز : انسان یہ کہے : لو لااللّٰه ثم فلان لما حصل كذا" اگر اللہ تعالی اور پھر فلاں نہ ہوتا تو ایسا نہ ہوتا.

یہ بھی توحید ہے کیونکہ اس میں فلاں کو اللہ تعالی کے انعام کے مرتبہ سے نچلے درجے میں رکھا گیا ہے لیکن درجہ کمال نہیں ہے ،اسی لئے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: لا تجعل فيها فلانا " "کہ اللہ تعالی کے ذکر کے ساتھ فلاں کے ذکر کو شامل نہ کرو"۔

اور وہ کلمہ جو بالکل جائز نہیں ہے جس کے بارہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: "هذاكله شرك " "یہ سب شرک کی باتیں ہیں" وہ یہ ہے کہ انسان یہ کہے :" لو لااللّٰه و فلان "

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

" لأن أحلف باللّٰه كاذبا أحب إلى من أن أحلف بغيره صادقا "

"غیر اللہ کی سچی قسم اٹھانے سے اللہ تعالی کی جھوٹی قسم اٹھانا میرے نزدیک زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے"

حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

" لاتقولوا ماشاء اللّٰه وشاء فلان ولكن قولوا ماشاء اللّٰه وحده ثم شاء فلان " (ابو داود بسند صحيح)

" تم یوں نہ کہو کہ جو اللہ تعالی اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہو جو اللہ تعالی چاہے اور پھر جو فلاں چاہے ".

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ یہ کہنا ناپسند کرتے تھے (أعوذ باللّٰه وبک) کہ میں اللہ کی اور تیری پناہ میں آتا ہو(جبکہ یہ کہنا کہ میں اللہ کی پناہ میں اور پھر تمہاری پناہ میں آتا ہوں ، جائز ہے).

اسی طرح لوگوں کا یہ کہنا جائز ہے (لو لا اللّٰه ثم فلان) " کہ اگر اللہ نہ ہوتا اور پھر فلاں نہ ہوتا.. " لیکن تم یہ نہ کہا کرو" لو لا اللّٰه وفلان " کہ اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں نہ ہوتا.

" کہ اللہ اور فلاں نہ ہوتا تو... " کیونکہ لفظ اللہ اور فلان کے درمیان حرف " واؤ " معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مرتبہ میں بغیر کسی فرق کے شراکت کا فائدہ دیتا ہے جبکہ " ثم " یعنی " پھر " مرتبہ یا زمانہ میں پیچھے رہنے (یعنی کم درجہ کا ہونا) کا فائدہ دیتی ہے لھذا واؤ کے ساتھ عطف کرنا شرک اصغر ہے.

(عن عمر بن الخطاب .....) (من حلف بغير اللّٰه) یعنی جس نے غیر اللہ کی قسم

اس باب کے مسائل

۱- انداد' یعنی شریکوں کے بارہ میں سورۃ بقرۃ کی آیت کی تفسیر.

۲- صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شرک اکبر کے بارہ میں نازل شدہ آیت کی تفسیر یوں کرتے تھے کہ وہ شرک اصغر کو بھی شامل ہے.

۳- غیر اللہ کی قسم شرک ہے.

۴- غیر اللہ کے نام کی سچی قسم، اللہ کے نام کی جھوٹی قسم سے زیادہ بڑا گناہ ہے.

۵- ''واوَ'' (اور) اور ''ثم'' (پھر) کے الفاظ میں معنوی فرق ہے.

....

اٹھائی: یمین یعنی قسم کا معنی یہ ہے کہ: حروف قسم واوَ 'با' یا تا' میں سے کسی ایک کیساتھ کسی تعظیم والی ہستی کا ذکر کرے متکلم اور مخاطب کے درمیان کسی کلام کو تاکید والا بنانا ' جبکہ واجب یہ ہے کہ صرف اللہ ہی کے نام سے ہی کلام کو پختہ اور تاکید والا بنایا جاے کیونکہ وہی حقیقتاً تعظیم کے لائق ذات ہے اسی وجہ سے یہاں آپ ﷺ نے فرمایا: '' فقد كفر أو أشرك '' کہ اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا، کیوں؟ اسلئے کہ اس نے مخلوق کی قسم اٹھا کر مخلوق کو بھی تعظیم میں اللہ تعالی کے برابر کردیا' اس کا یہ کفر و شرک شرک اصغر ہے اور کبھی یہ شرک شرک اکبر کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے 'اور وہ اس وقت ہوگا جب عبادت میں مخلوق کو بھی اللہ تعالی کی طرح معظم مانا جائے..

زبانی غیر اللہ کی قسم اٹھانا بھی شرک ہے اگر چہ دل سے یہ قسم نہ اٹھائی گئی ہو جیسا کہ کسی کی زبان سے ہمیشہ نبی ' کعبہ اور امانت' یا ولی وغیرہ کی قسم جاری رہتی ہو 'اگر چہ وہ حقیقی قسم کا ارادہ نہ رکھتا ہو بلکہ یہ اس کا تکیہ کلام بن چکا ہو تب بھی یہ شرک ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ کی تعظیم ہے.

(وقال ابن مسعود :لأن أحلف ....)

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ: '' غیر اللہ کی سچی قسم اٹھانے سے اللہ تعالی کی جھوٹی قسم

اٹھانا میرے نزدیک زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے "۔

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ غیر اللہ کی قسم اٹھانا ایک بہت بڑا گناہ ہے بلکہ وہ شرک ہے جبکہ جھوٹ بھی ایک کبیرہ گناہ ہے لیکن شرک اصغر کبیرہ گناہوں سے بھی بڑا ہے اس لئے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توحید کے ساتھ جھوٹ کو پسند فرمایا جبکہ شرک کے ساتھ سچائی کرنا ناپسند کیا کیونکہ توحید کی نیکی جھوٹ کی برائی سے عظیم اور بڑی ہے اور اس لئے بھی کہ شرک کی برائی جھوٹ کی برائی سے بھی زیادہ قبیح اور بری ہے۔

(وعن حذیفة أن رسول الله ﷺ قال : لا تقولوا : ما شاء الله وشاء فلان)

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : " تم یوں نہ کہو جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے ، یہ نہی تحریم یعنی حرمت کے لئے ہے کیونکہ اللہ کی مشیت و چاہت میں کسی دوسرے کو شریک کرنا اللہ کے ساتھ شرک اصغر ہے ۔

(ولکن قولوا ما شاء الله ثم شاء فلان) " بلکہ یوں کہو ، جو اللہ چاہے اور پھر جو فلاں چاہے " اس لئے کہ " ثم " (پھر) تراخی کا فائدہ دیتا ہے (یعنی دونوں کے درجے میں فرق کا باعث ہے) اور یہ اس وجہ سے کہ بندے کی مشیت تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے ، ارشاد باری تعالیٰ ہے : ﴿ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴾

" اور تم اللہ رب العالمین کے چاہنے کے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے "۔

(وجاء عن ابراهيم النخعي أنه يكره أن يقول : أعوذ بالله وبك)

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ یہ کہنا ناپسند کرتے تھے " أعوذ بالله وبك " کہ میں اللہ کی اور تیری پناہ میں آتا ہوں ، کیونکہ " واؤ " پناہ طلب کرنے میں مشارکت کا تقاضا کرتی ہے ، اور استعاذہ (یعنی پناہ مانگنا) جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس کی دو جہتیں ہیں : ظاہری جہت

اور باطنی جہت ، اوراس سے مراد یہ ہے کہ پناہ طلب کرنا ، کسی ذات کو لازم پکڑنا ، ڈرنا اور رغبت کرنا اور جس سے پناہ طلب کی جارہی ہے اس کی طرف دل کو متوجہ کرنا ، یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہیں ہیں .

سلف صالحین جب لفظ کراہت استعمال کرتے ہیں تو اغلب طور پر اس سے مراد تحریم یعنی حرمت ہوتی ہے ،لیکن کبھی کبھی حرمت کے علاوہ دوسرے معنی کے لئے استعمال ہوا ہے لیکن وہ اس کا استعمال ایسی چیزوں میں کرتے ہیں جس میں نص موجود نہ ہو .

(ويجوز أن يقول : بالله ثم بك) ''اور انسان کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں پھر آپ سے ، کیونکہ اس میں تراخی کا معنی موجود ہے .

(قال : ويقولون : لولا الله ثم فلان ، ولا تقولوا : لولا الله وفلان) ''اور کہا کہ وہ کہا کرتے تھے اگر اللہ نہ ہوتا اور پھر فلاں نہ ہوتا ، اور تم یہ نہ کہا کرو: کہ اگر اللہ اور فلاں نہ ہوتا ''

باب : ۴۲

اللہ تعالیٰ کی قسم پر کفایت نہ کرنے والے شخص کا حکم

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تحلفوا بآبائكم ، من حلف بالله فليصدق ، ومن حلف له بالله فليرض ، ومن لم يرض فليس من الله" (ابن ماجه وسنده حسن)

"اپنے آباء واجداد کی قسمیں نہ اٹھاؤ، جو شخص اللہ کی قسم اٹھائے وہ سچ بولے، اور جس کیلئے اللہ کی قسم اٹھائی جائے وہ راضی ہو جائے اور جو راضی نہ ہو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں"۔

اس باب کے مسائل

۱۔ آباء واجداد کی قسم اٹھانا منع ہے۔ ۲۔ جس شخص کیلئے قسم اٹھائی جائے اسے حکم یہ ہے کہ وہ راضی ہو جائے۔ ۳۔ جو اللہ کی قسم پر بھی راضی نہ ہو اس کیلئے وعید ہے۔

"عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تحلفوا ...." عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اپنے آباء و اجداد کی قسمیں نہ اٹھاؤ۔ جو شخص اللہ کی قسم اٹھائے وہ سچ بولے اور جس کیلئے اللہ کی قسم اٹھائی جائے وہ راضی ہو جائے اور جو راضی نہ ہو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں"۔

یہ حدیث عام ہے اس میں ہر قسم شامل ہے خواہ قاضی کے پاس اٹھائی جائے یا غیر قاضی کے پاس، کیونکہ جس کلام کی بناء پر قسم اٹھائی جا رہی ہے اس پر راضی ہونے کا سبب اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا کسی بندے کے دل میں ہونا اسے ایسا بنا دیتا کہ وہ اللہ کی قسم اٹھانے والے کو سچا مانتا ہے اگر چہ وہ جھوٹا ہی کیوں نہ، مگر صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی وجہ سے وہ اسے نہیں جھٹلائے گا، جبکہ جھوٹی قسم اٹھانیکا وبال اس کے اٹھانے والے پر ہی ہوگا۔ "ومن لم يرض" اور جو کوئی اللہ کی قسم پر بھی راضی نہ ہوا "فليس من الله" اللہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

باب:۴۳

”جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں“ کہنے کا حکم

قتیلہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک یہودی نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا:

”إنکم تشرکون تقولون : ما شاء اللّٰه وشئت وتقولون: والکعبة ، فأمرهم النبی ﷺ إذا أرادو أن یحلفوا أن یقولوا : ورب الکعبة ، وأن یقولوا : ما شاء اللّٰه ثم شئت“ (رواه النسائی وصححه)

تم (مسلمان لوگ شرک کرتے ہو، کہ تم یوں کہتے ہو، ”ما شاء الله وشئت“ جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں۔ نیز تم یہ بھی کہتے ہو ”کعبہ کی قسم“ تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اگر قسم اٹھانی ہو تو کعبہ کی بجائے رب کعبہ کی قسم اٹھائیں اور ما شاء اللہ وشئت کہنے کی بجائے ”ما شاء الله ثم شئت“ کہا کریں، یعنی جو اللہ چاہے اور پھر آپ چاہیں۔ (اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

سنن نسائی میں ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے کہا : ”ما شاء الله وشئت“ جو اللہ چاہیں اور آپ چاہیں، تو آپ نے فرمایا: ”أجعلتنی لله ندا ؟ بل ما شاء الله وحده“ کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرایا ہے؟ بلکہ صرف یہ کہا کرو جو اکیلا اللہ چاہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخیافی بھائی طفیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے خواب دیکھا گویا کہ میں یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزر رہا ہوں میں نے کہا:

••

یعنی یہ لفظ بولنا شرک ہے: اس میں اللہ کی مشیت میں دوسرے کو شریک ٹھہرایا گیا ہے اور یہ شرک اصغر ہے. ”عن قتیلة أن یهودیا أتی النبی ﷺ....“ اس حدیث میں بہت

"إنكم لأنتم القوم، لو لا أنكم تقولون عزير ابن الله قالوا: وإنكم لأنتم القوم، لو لا أنكم تقولون: ما شاء الله وشاء محمد، ثم مررت بنفر من النصارىٰ فقلت إنكم لأنتم القوم لولا أنتم تقولون: المسيح ابن الله: قالوا: وإنكم لأنتم القوم: لولا أنكم تقولون ما شاء الله وشاء محمد، فلما أصبحت أخبرت بها من أخبرت، ثم أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فأخبرته، قال: هل أخبرت بها أحدا؟ قلت: نعم: قال: فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: أما بعد: فإن طفيلاً رأى رؤياً أخبر بها من أخبر منكم، وإنكم قلتم كلمة كان يمنعني كذا وكذا أن أنهاكم عنها، فلا تقولوا: ما شاء الله وشاء محمد، ولكن قولوا: ما شاء الله وحده "

" تم اچھے لوگ ہو اگر عزیر کو اللہ کا بیٹا نہ کہو تو انہوں نے جواباً کہا تم بھی اچھے ہو اگر "ما شاء الله وشاء محمد" کہ جو اللہ اور محمد ﷺ چاہیں نہ کہو، اس کے بعد میرا گزر عیسائیوں کے ایک گروہ کے پاس سے ہوا میں نے کہا کہ تم اچھے لوگ ہو اگر مسیح عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہ کہو تو انہوں نے جواباً کہا تم بھی اگر "ما شاء الله وشاء محمد" نہ کہو تو بہت اچھے ہو، صبح ہوئی تو میں نے یہ خواب کچھ لوگوں سے ذکر کیا، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سارا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا: تم نے یہ خواب کسی کو بتایا بھی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں (پھر آپ خطبہ کیلئے کھڑے) اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا، اما بعد: طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے اور اس نے بعض کو بتایا بھی ہے تم ایک جملہ بولا کرتے ہو، تمہیں اس بات سے روکنے میں میرے لئے فلاں فلاں چیز (شرم) مانع تھی تم " ماشاء الله وشاء محمد" (جو اللہ اور محمد چاہے نہ کہا کرو) بلکہ صرف "ما شاء الله" (جو اللہ چاہے) کہا کرو (سنن ابن ماجہ)

••

سارے فوائد کا بیان ہے جس میں سے ایک یہ ہے کہ کبھی خواہشات کا پجاری بھی حق اور سچ بات کو

اس باب کے مسائل

۱۔ یہودی شرک اصغر سے واقف تھے

۲۔ جب انسان کو اپنی خواہشات کی پیروی کرنا ہو تو وہ حق کو بھی سمجھ لیتا ہے۔

۳۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ''ما شاء اللہ وشاء محمد'' (جو اللہ اور محمد چاہے) کہنے والے کو فرمایا: کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرا دیا ہے تو غور کیجئے جو انسان یہ کلمات کہتا ہے اس کا کیا حکم ہوگا: یا امام المرسلین یا سندی أنت باب الله ومعتمدی

اے سید المرسلین اے میرا سہارا، آپ ہی اللہ (تک پہنچنے) کا دروازہ، اور میرا اعتماد ہیں۔

في دنیای وآخرتي یا رسول الله خذ بیدی

میری دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اے اللہ کے رسول میرا ہاتھ تھام لیجئے

ما یبدل عسر یسرا إلاك یا تاج الحضری

سمجھ لیتا ہے، اگر وہ حق اور سچ کو سمجھ لے (اور وہ دوسرے کو بتائے) تو لازم اور واجب ہے کہ اس سے وہ بات قبول کی جائے، کیونکہ مسلمان پر یہ واجب ہے کہ وہ حق کو قبول کرے جہاں سے بھی ملے خواہ وہ کسی یہودی یا عیسائی کی جانب سے ہو ''وله أيضا عن ابن عباس: أن رجلا .... '' الحدیث.

''ولابن ماجه عن الطفیل ۔ أخی عائشة لأمها ۔ قال: رأیت كأني أتیت .....'' اس حدیث میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ شہوات نفس کا پجاری یا باطل مذہب کا پیروکار کبھی صاحب حق پر رد کرتا ہے کہ اس (حق والے) کے پاس بھی باطل ہے جیسا کہ اس کے اپنے پاس باطل ہے۔ جب وہ (صاحب حق) ایسی بات کا سامنا کرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ تعصب کو چھوڑ کر حق کی پیروی کرے اور حق کو صرف اسلئے رد نہ کرے کہ حق بتانے والا بذات خود باطل مذہب کی پیروی کرنے والا ہے.

اے حضر کے تاج تیرے سوا میری مشکل کو کوئی آسان نہیں بنا سکتا.

۴۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ کلمہ کہنا "ما شاء الله وشاء محمد" شرک اکبر نہیں کیونکہ آپ نے فرمایا "یمنعنی کذا وکذا" (اگر یہ شرک اکبر ہوتا تو اس کے بیان میں کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی تھی).

۵۔ نیک خواب وحی کی ایک قسم ہیں.

۶۔ کبھی کبھار خواب بھی شرعی احکام کا سبب بن جاتے ہیں.

••

یہ شرک اصغر کے مسائل میں سے ہے جیسا کہ حدیث کے آخر میں آپ ﷺ کے فرمان میں وضاحت ہے فرمایا: "قلتم كلمة كان يمنعني كذا وكذا أن أنهاكم عنها" "تم ایک ایسا جملہ کہتے ہو کہ فلاں فلاں چیز مجھے (شرم) مانع تھی کہ میں تم کو اسے سے منع کروں، شرک فی الالفاظ" یعنی لفظوں کے استعمال میں شرک کی ممانعت درجہ بدرجہ وارد ہوئی ہے جبکہ شرک اکبر سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابتداء رسالت میں مکمل طور پر ایک ہی مرتبہ منع فرمادیا تھا، اس کے انکار اور ممانعت کے بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں۔ جبکہ لفظوں میں شرک کبھی اس کی ممانعت میں مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے (تو اس کے بیان کو مؤخر کر دیا جاتا ہے) یہی دعوت دین پہنچانے میں فقاہت اور سمجھداری کا مظاہرہ ہے کہ سب سے پہلے مہم چیز کو بیان کیا جائے پھر اس کے بعد والی پھر اس کے بعد والی کہ بعض چیزوں کو بعض چیز پر مؤخر کیا جائے تاکہ مصلحت عظمیٰ کی تکمیل ہو سکے، جبکہ شرک اکبر کی موجودگی میں کسی قسم کی مصلحت موجود نہیں رہتی (لھذا اس کے بیان میں تاخیر نہیں کی گئی).

باب: ۴۴

زمانے کو گالی دینا اللہ کو ایذا پہنچانا ہے

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴾ (الجاثیة : ۲۴)

''اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ ہم (یہاں) مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہمیں مار دیتا ہے، اور انہیں حقیقت کا کچھ علم نہیں، وہ محض گمان سے کام لیتے ہیں''۔

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

''يؤذيني ابن آدم، يسب الدهر، وأنا الدهر، أقلب الليل والنهار'' (صحیح بخاری)

'' آدم کا بیٹا زمانے کو گالی دے کر (برا بھلا کہہ کر) مجھے ایذا دیتا ہے، کیونکہ میں ہی زمانہ (کا خالق و مالک) ہوں دن، رات کو میں تبدیل کرتا ہوں'' ایک روایت میں ہے:

''لا تسبوا الدهر فإن الله هو الدهر'' ''زمانے کو گالی نہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ (کا

زمانے کو گالی دینا ان الفاظ میں سے ہے جو جائز نہیں، اس سے بچنا لازم ہے، اور ایسے کلمات کا استعمال کمال توحید کے منافی ہے اور جاہل لوگ بکثرت اس کے مرتکب ہوتے ہیں، کیونکہ جب ان کے ساتھ کسی وقت میں ناخوشی کا واقعہ پیش آ جاتا ہے تو وہ اس زمانے کو گالی دیتے ہیں اسے برا بھلا کہتے ہیں برائی کو اسی کی جانب منسوب کرتے ہیں اور اس دن، سال یا مہینہ پر لعنت کرتے ہیں

خالق و مالک) ہے"

اس باب کے مسائل

۱۔ زمانے کو گالی دینے کی ممانعت ہے۔

۲۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے زمانے کو گالی دینے کو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا قرار دیا ہے۔

۳۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "فإن الله هو الدهر" اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے" میں غور وفکر کرنا چاہئے۔

۴۔ کبھی کبھی انسان سب وشتم کا مرتکب ہو جاتا ہے حالانکہ اس کے دل میں یہ ارادہ نہیں ہوتا۔

....

یہ بات بلا شک وبلا ریب ہے کہ یہ گالی زمانے کو نہیں جاتی کیونکہ زمانہ تو کچھ نہیں کرتا بلکہ زمانے (یعنی وقت) میں کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس زمانے کو پھیرنے والا اور اسے مقدر کرنے والا ہے چنانچہ گالی دینے والا اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کا باعث بن جاتا ہے۔ اور زمانے کو گالی دینے کے بھی درجات ہیں سب سے بڑا درجہ زمانے کو لعنت کرنا ہے۔

سالوں کو قحط سے موصوف کرنا، دن کو سیاہ دن کہنا، یا کسی خاص مہینے کو منحوس کہنا وغیرہ زمانے کو گالی دینے میں شامل نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں قید کا ذکر ہے یعنی فلان دن اس پر منحوس ہے، یا فلان دن اس کیلئے سیاہ ہے، اس وصف کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس دن میں اس پر جو شدت واقع ہوئی اس دن کی یہ صفت ہے اور وہ بھی صرف اس کلام کرنے والے پر، گویا کہ وہ اپنی حالت بتارہا ہے وہ زمانے کی برائی یا تعریف ذکر نہیں کررہا۔

وقول اللہ تعالیٰ : ﴿ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾

''اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہے ہم (یہاں) مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہمیں ہلاک کر دیتا ہے''.

حادثات کو زمانے کی جانب منسوب کرنا یہ توحید کے دشمن مشرکین کی عادت ہے، اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ توحید پرستوں کی خصلت یہ ہے کہ وہ اشیاء کو اللہ کی جانب منسوب کرتے ہیں

(وفي الصحيح عن أبي هريرة عن النبي ﷺ...) صحیح بخاری میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نبی اکرم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

"يؤذيني ابن آدم يسب الدهر وأنا الدهر" ''ابن آدم زمانے کو گالی دیکر مجھے ایذا دیتا ہے حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں''

"وأنا الدهر" ''میں زمانہ ہو ں'' اس کا یہ مطب نہیں کہ دہر اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، بلکہ اسے اس کے ماقبل جملے پر مرتب کیا گیا ہے وہ ہے "يسب الدهر" کہ وہ زمانے کو گالی دیتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ زمانہ تو نہ کسی چیز کا مالک ہے اور نہ وہ کچھ کرسکتا ہے، لہذا زمانے کو گالی دنیا اللہ کو گالی دینا ہے کیونکہ زمانے میں اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں اپنی حکمت سے تصرف فرماتے ہیں "أقلب الليل والنهار" '' میں ہی دن اور رات کو پھیرتا اور تبدیل کرتا ہوں''

دن اور رات ہی زمانہ ہیں اور اللہ ہی وہ ذات ہے جو انہیں تبدیل کرتا ہے، دن اور رات کے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں، لہذا ان دونوں کو گالی دینا ان کے تبدیل کرنے والے کو گالی دینے کا باعث ہے.

باب:۴۵

قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) لقب اختیار کرنے کی شرعی حیثیت

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"إن أخنع اسم عند الله رجل تسمى ملك الأملاك، لا مالك إلا الله"

(صحیح بخاری)

" اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے گھٹیا اور حقیر وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو شہنشاہ بلوائے، درحقیقت اللہ کے سوا کوئی بادشاہ نہیں"۔

....

شیخ رحمہ اللہ نے اس باب میں اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ ایسے اسماء جن کے معانی اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہیں انہیں اختیار کرنا جائز نہیں اور توحید اسی بات کی متقاضی ہے کہ ان اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ہی موصوف کیا جائے اور ان کو اسی کے ساتھ خاص کیا جائے۔

"فی الصحیح عن أبی هريرة عن النبی ﷺ قال: إن أخنع"

صحیح بخاری میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "إن أخنع" یعنی سب سے گھٹیا اور حقیر "اسم عند الله رجل تسمى ملك الأملاك لا مالك إلا الله" وہ آدمی ہے جو اپنے آپ کو شہنشاہ کہلوائے، حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی بادشاہ نہیں۔

"لا مالك إلا الله" میں حصر ہے یعنی ملک و بادشاہی صرف ایک اللہ کیلئے ہے، اس حدیث میں بھی یہ بیان ہوا ہے کہ بندے کیلئے بھی وہ لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے جو اللہ کیلئے خاص ہے (مثلاً مالک ہونا) جتنی بھی املاک ہیں سب کا مالک اللہ ہے اور املاک (اشیاء) بہت زیادہ ہیں، اور بشر پر اس کا اطلاق صرف ایسے ہوتا کہ وہ فلاں معین چیز کا مالک ہے نہ کہ ہر چیز کا مالک، اور اسی طرح لفظ "مُلک" (پیش کے ساتھ) اس کا معنی ہے حکم کو نافذ کرنا اور غلبہ پانا، اور یہ بھی (بشر کیلئے)

سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ : ''ملک الاملاک سے مراد شاہان شاہ یعنی شہنشاہ ہے''

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: ''أغيظ رجل على الله يوم القيامة وأخبثه''

قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے زیادہ مغضوب اور سب سے بڑا خبیث وہ ہے جو اپنے آپ کو شہنشاہ کہلوائے۔

''أخنع'' کا معنی گھٹیا اور حقیر ترین ہے۔

اس باب کے مسائل

۱۔ ملک الاملاک، یعنی شہنشاہ لقب اختیار کرنے کی ممانعت۔

۲۔ اسی طرح کے دیگر القاب بھی ممنوع ہیں جیسا کہ سفیان رحمہ اللہ نے وضاحت فرمائی۔

۳۔ اس قسم کے الفاظ کے استعمال پر وارد سخت کلمات کو سمجھنا اور ان پر غور کرنا چاہیے، یہ بات قطعی ہے کہ اس کا حقیقی معنی دل میں مقصود نہیں ہے لیکن تب بھی یہ ناپسندیدہ اور ممنوع ہے۔

۴۔ یہ سمجھنا چاہیے کہ اس قسم کے الفاظ اور القاب صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت کے پیش نظر اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

زمین کے کچھ حصہ پر ممکن ہے، ساری زمین میں نہیں، تو جو کسی چیز کا مالک ہو اس کیلئے لفظ مالک استعمال کرتے ہیں ملکیت کے معنی میں اور اگر حکم کے نفاذ اور غلبہ کا معنی مقصود ہو تو پھر ملک اور اسی جگہ کی طرف منسوب کرکے جس پر اس کا غلبہ ہے اور کہا جاتا ہے:

''ملک دولة كذا'' وہ فلاں ملک کا فرمانروا ہے، وغیرہ۔

اور مطلقاً شہنشاہ کا استعمال صرف اللہ وحدہ کے لئے زیب دیتا ہے، توحید کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ یہ نام کسی کو نہ سونپا جائے اور کسی کے لئے بھی اس نام سے رضامندی کا اظہار نہ کیا جائے حتی

کہ اگر آپ بعض کتابوں میں (کسی غیر اللہ کے لئے) ایسا لکھا ہوا دیکھیں تو اس کو اسی طرح بعینہٖ نقل نہ کریں۔

(قال سفیان: مثل شاهان شاه، وفي رواية أغيظ رجل ....)

سفیان رحمہ اللہ نے کہا (اس طرح کے نام ممنوع ہیں)، جیسے شہنشاہ ہے۔

ایک اور روایت میں یہ لفظ ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے زیادہ مغضوب اور سب سے بڑا خبیث وہ ہے (جو اپنے آپ کو شہنشاہ کہلواتا ہے) اس آدمی کے سبب سے بڑا خبیث اور مغضوب علیہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے یہ نام اختیار کرکے اپنے آپ کو اللہ جیسا قرار دیا ہے۔

باب :۴٦

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی تعظیم اور اس وجہ سے (کسی کے) نام کی تبدیلی

ابو شریح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی کنیت ''ابو الحکم'' تھی ، یعنی فیصلہ کرنے والا ، تو آپ ﷺ نے فرمایا :

"إن الله هو الحكم ، وإليه الحكم ، فقال : إن قومي إذا اختلفوا في شيء أتوني ، فحكمت بينهم ، فرضي كلا الفريقين ، فقال : ما أحسن هذا ! فمالك من الولد ؟ قال : شريح ومسلم عبد الله ، قال : فمن أكبرهم ؟ قلت : شريح ، قال : فأنت أبو شريح " (ابو داود)

''حکم'' تو اللہ تعالیٰ ہے اور حکم بھی اسی کا (نافذ ہوتا) ہے ، تو ابو شریح نے کہا کہ میری قوم میں جب اختلاف پیدا ہو جائے تو وہ میرے پاس آتے ہیں ، میں ان کا فیصلہ کر دیتا ہوں جس پر دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں ، آپ ﷺ نے فرمایا : یہ کیسی اچھی بات ہے ! پھر فرمایا : تیرے بیٹے کون کون سے ہیں ؟ تو میں نے کہا : شریح ، مسلم اور عبداللہ ۔ آپ نے پوچھا ان میں سے بڑا کون ہے ؟ میں نے کہا : شریح ، آپ نے فرمایا : پھر تم ابو شریح ہو''۔

اس باب میں اسماء الٰہی کے ان آداب کی طرف راہنمائی کی گئی ہے جو توحید پرست آدمی کے دل وزبان سے صادر ہونے چاہئیں ، ان آداب واحترام میں سے بعض مستحب ہیں اور بعض واجب ۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفات کا احترام یہ ہے کہ ان کی حقارت وتذلیل نہ کی جائے اور ان سے غیر اللہ کو متصف نہ کیا جائے ۔

(عن أبي شريح أنه كان يكنى أبا الحكم) ''ابو شریح سے منقول ہے کہ ان کی کنیت

اس باب کے مسائل

۱- اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مکمل احترام کرنا (کہ انہیں کسی دوسرے کے لئے استعمال نہ کرنا) خواہ ان کے معنی مقصود نہ بھی ہوں۔

۲- اللہ تعالیٰ کے اسماء کا احترام کرتے ہوئے غیر درست ناموں کو تبدیل کرنا چاہیے

۳- کنیت رکھنے کے لئے سب سے بڑے بیٹے کا نام استعمال کرنا چاہیے۔

••

ابوالحکم تھی"

" الحکم " اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی کو جنا ہے اور نہ خود وہ جنا گیا ہے، لھذا کسی آدمی کا ابوالحکم کنیت رکھنا بالکل غیر مناسب ہے، اور ایک دوسرے نا حیہ سے بھی یہ کنیت رکھنا ممنوع ہے وہ یہ کہ ""حکم"" کا معنی ہے: دو جھگڑنے والوں کے درمیان انتہا درجے کا (درست) فیصلہ کرنے والا، اور یہ اسی سے ممکن ہے جس کا حکم چلتا ہے، بندہ بھی حاکم و فیصل ہوتا ہے لیکن اس کا حاکم ہونا اللہ تعالیٰ کے تابع ہے، اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے ان کے نام پر انکار فرمایا:

(فقال له النبي ﷺ : إن الله هو الحكم) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا" کہ "حکم" تو اللہ تعالیٰ ہے۔

(هو) یہ ضمیر عماد یا ضمیر فصل ہے، اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں، اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ خبر کو پہلے (مذکور) لفظ کے ساتھ خاص کر دیتی ہے۔

(واليه الحكم) یعنی "اسی کا حکم چلتا ہے نہ کہ غیر کا، اسی لئے لفظ "حکم" جو کہ حکم کی ساری انواع وصفات کو شامل ہے، اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے۔ پھر اس آدمی نے اپنا نام "ابو الحکم" رکھے جانے کی وجہ بتائی۔

(فقال : إن قومی إذا اختلفوا فی شیء أتونی فحکمت بینهم ، فرضی کلا الفریقین ، فقال : ما أحسن هذا).

''اس نے کہا کہ میری قوم میں جب اختلاف پیدا ہو جائے تو وہ میرے پاس آتے ہیں ، میں ان کا فیصلہ کر دیتا ہوں ، جس پر دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں ، آپ ﷺ نے فرمایا : یہ کیسی اچھی بات ہے '' یعنی دو جھگڑنے والوں کے مابین صلح کروا دینا کتنا اچھا عمل ہے .

سوال : کیا وہ ان کے درمیان شریعت کے مطابق فیصلہ کرتا تھا ، یا کہ اپنی رائے سے ؟

جواب : وہ اپنی رائے سے ان کے درمیان فیصلہ کرتا تھا .

(فقال : ما أحسن هذا ؟ فما لک من الولد ، قلت : شریح ومسلم وعبد الله ، قال : فمن أکبرهم ؟ قلت : شریح ، قال : فأنت أبو شریح)

'' آپ نے فرمایا : یہ کیسی اچھی بات ہے ! پھر فرمایا : تیرے بیٹے کون کون سے ہیں ؟ میں نے کہا : شریح ، مسلم اور عبداللہ ، پھر آپ نے پوچھا ، ان میں سے بڑا کون ہے ؟ میں نے کہا : شریح ، آپ نے فرمایا : پھر تم ابو شریح ہو'' .

لهذا ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے آداب میں سے یہ ہے کہ انسان کسی کا نام '' حکم '' یا '' حاکم '' نہ رکھے ، ہاں اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے والا ہے تو اس پر '' حاکم '' کا اطلاق جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے شخص کو جو اس کی شریعت کے مطابق فیصلے کرتا ہے ، اسے حاکم کے لقب سے متصف کیا ہے .

باب : ۴۷

اللہ تعالیٰ، قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ سے استہزاء کرنے والے شخص کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴾ (التوبة : ٦٥)

"اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یوں ہی آپس میں ہنس بول رہے تھے ، کہہ دیجئے کہ اللہ ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں"

ابن عمر رضی اللہ عنہما ، محمد بن کعب ، زید بن اسلم اور قتادہ رحمہم اللہ سے منقول ہے ، ان سب کی روایات آپس میں مل گئی ہیں (یعنی ان کے الفاظ مختلف ہیں لیکن مفہوم ایک ہے) :

غزوہ تبوک میں ایک منافق نے کہا . "ہم نے پیٹ کے پجاری ، زبان کے جھوٹے ، اور میدان جنگ میں سب سے زیادہ بزدل ، ان علم والوں سے بڑھ کر اور کوئی نہیں دیکھے ، اس

توحید کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو مطیع و فرمانبردار بنالے ، اور (اللہ تعالیٰ کی باتوں کو) قبول کرے اور (اس کی) تعظیم کرے .

ایسی چیز کے ساتھ مذاق کرنا جس میں اللہ کا ذکر ہو ، یا قرآن کے ساتھ ، یا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا ، حقیقت توحید کے منافی و معارض اور اسے توڑ دینے والا عمل ہے ، کیونکہ ایسا کرنا تعظیم کے منافی ہے ، لھذا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اکبر ہے ، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ، اس کے رسول ، یا قرآن مجید میں سے کسی ایک کے ساتھ ہنسی مذاق کرے ، یا اس کو حقیر

کی مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قراء صحابہ کرام تھے ۔

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا : کہ تو جھوٹا ہے بلکہ تو تو منافق ہے ، میں تمہاری بات نبی اکرم ﷺ کو ضرور بتاؤں گا ، چنانچہ عوف رضی اللہ عنہ بتانے کی غرض سے آپ کے پاس گئے ، مگر ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے وحی نازل ہو چکی تھی ۔ وہ منافق بھی معذرت کرنے کے لئے آپہنچا ، آپ اونٹنی پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے تھے ، وہ منافق بولا یا رسول اللہ ﷺ ! ہم لوگ تو محض دل بہلانے کے لئے ایسی بات چیت اور سواروں کی سی باتیں کر رہے تھے تا کہ سفر کی مشقت طے کر سکیں (اور بوریت محسوس نہ ہو) ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں : وہ منظر اب بھی میرے سامنے ہے گویا کہ وہ شخص آپ کی اونٹنی کے کجاوے کی رسی کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور پتھر اس کے پاؤں کو ہٹا رہے ہیں اور وہ کہتا جا رہا ہے کہ : ہم تو محض بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے ، اور رسول اللہ ﷺ اس سے فرما رہے تھے :

" کیا اللہ ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں ؟ آپ اس کی طرف التفات فرماتے تھے نہ اس سے بڑھ کر کچھ اور کہتے تھے "

....

جانے ، اگر کوئی دین سے استہزاء کرے تو وہ اس حکم میں شامل نہیں ہے ، کیونکہ دین کے ساتھ مذاق کرنا اس کی ایک الگ تفصیل ہے : اگر تو استہزاء کرنے والے کا مقصد براہ راست دین اسلام ہے تو یہ کفر ہے ، اگر اس گالی دینے والے ، یا لعنت کرنے والے ، یا دین سے استہزاء کرنے والے کا مقصد اس شخص کا دین ہے جس کا وہ مذاق اڑا رہا ہے اور دین اسلام اس کی مراد نہیں ہے تو پھر اس کا استہزاء سابقہ تین چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی نہیں ہے (یعنی وہ کفر نہیں ہے) .

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ

اس باب کے مسائل

۱- اس باب کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ جو کوئی بھی اللہ، رسول ، قرآن مجید یا آپ کے صحابہ کا مذاق اڑائے تو وہ کافر ہے.

۲- جو بھی ایسی بات کرے خواہ کوئی بھی ہو اس آیت کی روشنی میں اس پر کفر کا حکم لگے گا.

۳- چغلی کرنے اور اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے لئے نصیحت کرنے میں نمایاں فرق ہے.

۴- اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز عفو و درگزر اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے میں بھی فرق ہے.

۵- بعض عذر نا قابل قبول ہوتے ہیں.

تَسْتَهْزِءُونَ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ﴾

"اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے ، کہہ دیجئے ! اللہ ، اس کی آیات اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں ، تم عذر مت پیش کرو ، تم نے ایمان لانے کے بعد (یہ بات کرکے) کفر کا ارتکاب کیا ہے".

یہ آیت مبارکہ اللہ تعالیٰ ، اس کے رسول اور اس کی آیات سے استہزاء کرنے والے کے بارے میں نص اور دلیل ہے (آیات سے مراد اللہ تعالیٰ کی شرعی آیات یعنی قرآن مجید ہے) کہ استہزاء کرنے والا کافر ہے ، اور اس کا یہ عذر کچھ فائدہ نہ دے گا کہ وہ تو ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہا تھا ، بلکہ وہ کافر ہے . یہ آیت مبارکہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ، کیونکہ اہل توحید سے کبھی بھی حقیقی استہزاء کا صدور نہیں ہوتا.

باب : ۴۸

باب قوله تعالىٰ : ﴿ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ ....﴾ الآية

ارشاد الٰہی ہے :

﴿ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ إِلٰى رَبِّيْ إِنَّ لِيْ عِنْدَهُ لَلْحُسْنٰى فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴾ (فصلت : ٥٠)

" اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا ، اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت (کبھی) آئیگی . اور اگر میں واقعی اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو میرے لئے وہاں بھی خوشحالی ہے ، پس کفر کرنے والوں کو ہم ضرور بتائیں گے کہ وہ کیا کام کرتے رہے اور انہیں ہم سخت عذاب سے دوچار کریں گے "

مجاہد رحمہ اللہ آیت مبارکہ میں ﴿ هذالي ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ " هذا بعملي وأنا محقوق به " (یعنی اس کا کہنا ہوگا) کہ " یہ مال و دولت تو میری محنت و کاوش کا نتیجہ ہے اور میں اس کا مستحق ہوں "

....

(قال مجاهد : هذا بعملي وأنا محقوق به) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

' یہ مال و دولت تو میری محنت و کاوش کا نتیجہ ہے اور میں اس کا مستحق ہوں " . یعنی میں اس کا مستحق ہوں اور اللہ تعالیٰ نے یہ مال و دولت دے کر مجھ پر کوئی فضل و احسان نہیں کیا ، کیونکہ میں اس انعام کا حقدار اور مستحق تھا .

آیت مبارکہ میں جو وصف بیان کیا گیا ہے اس میں لوگوں کی دو قسمیں داخل و شامل ہیں .

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں " یرید من عندی " اس کی مراد یہ کہ یہ تو میرا ہی مال ہے۔

آیت مبارکہ: ﴿ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِيٓ ﴾ "کہ یہ مال مجھے میرے علم کی بدولت ملا ہے" کی تفسیر میں قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" علی علم منی بوجوه المكاسب " "کہ یہ مال مجھے کمائی کے تمام گر جاننے کی بدولت ملا ہے"

••

۱- وہ شخص جو اشیاء کی نسبت اللہ کو چھوڑ کر صرف اپنی طرف کرتا ہے۔

۲- دوسرا وہ شخص جو اپنے استحقاق کی بناء پر کسی چیز کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے یعنی وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ پر لازم ہے کہ وہ اسے یہ چیز عطا کرے، کیونکہ وہ اس کا مستحق ہے جیسا کہ بعض متکبر اور غرور پسند لوگ کرتے ہیں۔

انسان کا عمل کرنا ایک سبب ہے کبھی یہ سبب پیچھے رہ جاتا ہے (یعنی عمل کے باوجود کچھ نتیجہ نہیں نکلتا) اور کبھی یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اثر انداز ہوتا ہے، لھذا خلاصہ کلام یہ ہے کہ (بندے کو جو کچھ حاصل ہوتا) وہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

(وقوله : ﴿ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِيٓ ﴾ "کہ یہ مال مجھے میرے علم کی بدولت ملا ہے" قال قتادة : علی علم منی بوجوه المكاسب) "کہ یہ مال مجھے کمائی کے تمام گر جاننے کی بدولت ملا ہے"

ایسی بات عموماً ان بہت سے لوگوں سے صادر ہوتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال دار بنایا ہے اور وہ بہت بڑی تجارتیں کرنے والے ہیں، آپ دیکھے گے کہ ان میں کوئی چیزوں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، مثلاً وہ یہ کہتا ہے کہ میرے پاس کمائی کا بہت علم اور وسیع تجربہ ہے وغیرہ (یعنی اس

دوسرے مفسرین نے کہا : " علم من الله أني له أهل " کہ " یہ مال و دولت مجھے اس لئے ملا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کا اہل ہوں " .

اور مجاہد رحمہ اللہ کے قول کا معنی بھی یہی ہے " أوتيته على شرف " " یہ مال مجھے میری بزرگی و شرف کی بناء پر ملا ہے .

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا :

" إن ثلاثة من بني اسرائيل : أبرص ، أقرع ، وأعمىٰ ، فأراد الله أن يبتليهم ، فبعث إليهم ملكا فأتىٰ الأبرص ، فقال : أى شيء أحب إليک ؟ قال : لون حسن ، وجلد حسن ، ويذهب عني الذى قد قذرني الناس به ، قال : فمسحه ، فذهب عنه قذره ، وأعطي لونا حسنا وجلدا حسنا . قال : فأى المال أحب إليک ؟ قال : الإبل أو البقر - شک إسحاق - فأعطي ناقة عشراء ، وقال : بارك الله لک فيها .

قال : فأتى الأقرع ، فقال : أى شيء أحب إليک ؟ قال : شعر حسن ، ويذهب عني الذى قد قذرني الناس به ، قال : فمسحه ، فذهب عنه ، وأعطي شعرا حسنا ، قال : أى المال أحب إليک ؟ قال : البقر - أوالإبل - فأعطي بقرة حاملا ، و قال : بارك الله لک فيها .

قال : فأتى الأعمىٰ ، فقال : أى شيء أحب إليک ؟ قال : أن يرد الله إلي بصري ، فأبصر الناس ، فمسحه فرد الله عليه بصره ، قال : فأى المال أحب إليک ؟ قال : الغنم ، فأعطي شاة والدا ، فأنتج هذان ، وولد هذا ، فكان لذا واد من الإبل ، ولهذا واد من البقر ، ولهذا واد من الغنم .

قال : ثم إنه أتى الأبرص في صورته وهيئته ، فقال : رجل مسكين وابن

کی بدولت مجھے سب کچھ ملا ہے . اور جب وہ کسی منصب پر فائز ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ منصب تو مجھے

سبیل ، قد انقطعت بی الحبا ل فی سفری ، فلا بلاغ لی الیو م إلا باللہ ، ثم بک ، أسألک ۔ بالذی أعطا ك اللون الحسن والجلد الحسن والمال ۔ بعیرا أتبلغ به فی سفری ، فقال : الحقوق کثیرة ، فقال له : کأنی أعرفک ، ألم تکن أبرص یقذرك الناس ، فقیرا ، فأعطاك الله عزوجل المال ؟ فقال : إنما ورثت هذاا لمال کابرا عن کابر ، فقال : إن کنت کاذبا ، فصیرك الله إلی ما کنت ، قال : ثم إنه أتی الأقرع فی صورته ، فقال له : مثل ما قال لهذا ، ورد علیه مثل ما رد علیه هذا ، فقال ، إن کنت کا ذبا ، فصیرك الله إلی ما کنت ، قا ل : وأتی الأعمیٰ فی صورته فقال : رجل مسکین وابن سبیل ، قد انقطعت بی الحبا ل فی سفری ، فلا بلاغ لی الیوم إلا بالله ثم بک ، أسألک بالذی رد علیک بصرك شاة أتبلغ بها فی سفری ، فقا ل : قد کنت أعمیٰ ، فرد الله إلی بصری ، فخذ ما شئت ، ودع ما شئت ، فو الله لا أجهدك الیوم بشیء أخذته لله ، فقال : أمسک مالک ، فإنما ابتلیتم ، فقد رضی الله عنک ، وسخط علی صاحبیک " (بخاری ومسلم)

”بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے ، ایک کوڑھا ، دو سرا گنجا اور تیسرا اندھا ۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کی غرض سے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا ، وہ فرشتہ ابرص (برص کے مریض یعنی سفید کوڑھ والے) کے پاس آیا اور اس سے پوچھا تمہیں کونسی چیز سب سے زیادہ پسند ہے ؟ مریض نے کہا : اچھا رنگ ، خوبصورت جلد اور یہ کہ مجھ سے یہ بیماری رفع ہو جائے جس کی بناء پر لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں ، فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری رفع ہوگئی ، اسے اچھا رنگ اور خوبصورت جلد مل گئی ، فرشتے نے پھر پوچھا تمہیں کونسا مال زیادہ پسند ہے ؟ اس نے کہا:

....

میری محنت ومشقت کی وجہ سے ملا ہے ۔

پھر مصنف رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک لمبی حدیث ذکر کی ہے ، جس سے وجہ دلالت واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تین آدمیوں کو صحت وعافیت عطا کی اور ان کو اپنے فضل

گائے یا اونٹ (حدیث کے راوی کو شک ہے کہ ان دونوں لفظوں میں سے اس نے کون سا لفظ کہا) چنانچہ اسے حاملہ اونٹی دی گئی اور فرشتے نے اسے دعا دی " بارك الله لک فيها " اللہ تعالیٰ تیرے لئے اس اونٹنی میں برکت فرمائے۔

پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ تجھے کونسی چیز زیادہ پسند ہے ؟ اس نے کہا خوبصورت بال اور یہ کہ مجھ سے یہ بیماری رفع ہو جائے، جس کی بناء پر لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری ختم ہوگئی اور اسے خوبصورت بال مل گئے، فرشتے نے اس سے پوچھا تمہیں کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: اونٹ یا گائے، چنانچہ اسے ایک حاملہ گائے دی گئی اور فرشتے نے اسے دعا دی: " بارك الله لک فيها " اللہ تعالیٰ تیرے لئے اس گائے میں برکت فرمائے۔

پھر فرشتہ نابینا شخص کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے ؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی لوٹا دے تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں، فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اللہ نے اس کی بینائی لوٹا دی، فرشتے نے کہا تمہیں کون سا مال زیادہ پسند ہے ؟ اس نے کہا: بکریاں، چنانچہ اسے ایک حاملہ بکری دی گئی، پھر کچھ عرصہ بعد اونٹنی، گائے اور بکری نے خوب بچے جنم دئے، چنانچہ (سابقہ کوڑھ والے شخص کی) اونٹوں سے ایک وادی بھر گئی اور گائے والے کے پاس بھی گائے اور بکری کا میدان بھر گیا۔

پھر وہ فرشتہ کوڑھے شخص کے پاس اسی کی پہلی شکل وصورت اختیار کر کے آیا اور کہا کہ میں مسکین، غریب آدمی ہوں میرا زادراہ ختم ہوگیا ہے، آج اللہ کی مدد، پھر آپ کے تعاون کے بغیر گھر نہ پہنچ سکوں گا، جس اللہ نے آپ کو خوبصورت رنگ، خوبصورت جلد اور اس قدر

••

سے غنی فرمایا، لیکن جب ان کو عافیت مل گئی تو ان میں سے دو شخصوں نے نعمت واحسان کو اپنے نفس

مال کثیر عطا کیا ہے اس کے نام پر ایک اونٹ مانگتا ہوں تاکہ میں اس پر سفر کر کے گھر پہنچ سکوں. اس آدمی نے کہا : میری ضرورتیں بہت زیادہ ہیں (میں تمہیں اونٹ نہیں دے سکتا) تو فرشتے نے کہا : غالبا میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں ، کیا تو ابرص (کوڑھا) نہ تھا لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے اور تو انتہائی غریب تھا ، تو اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ سب چیزیں عطا فرمائیں ، وہ بولا : یہ مال تو مجھے آباؤ اجداد سے وراثت میں ملا ہے ، فرشتے نے کہا اگر تو اس بات میں جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے پہلے جیسا بنا دے.

پھر فرشتہ گنجے کی پہلی شکل وصورت میں اس کے پاس آیا اور اسے بھی وہی باتیں کہیں جو کوڑھے سے کہیں تھیں تو اس نے بھی وہی جواب دیئے ، تو فرشتے نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا.

پھر فرشتہ نابینا شخص کی پہلی شکل وصورت میں اس کے پاس آیا اور اس سے کہا : کہ میں مسکین ، غریب آدمی ہوں میرا زادراہ ختم ہوگیا ہے ، آج اللہ کی مدد ، پھر آپ کے تعاون کے بغیر گھر نہ پہنچ سکوں گا ، جس اللہ نے آپ کو بینائی عطا کی اس کے نام پر ایک بکری کا سوال ہے تاکہ اپنا سفر مکمل کرسکوں تو اس نے کہا : میں واقعی پہلے نابینا تھا ، اللہ نے مجھے میری بینائی لوٹا دی ، جتنا چاہو لے لو ، اور جو چاہو چھوڑ دو ، اللہ کی قسم ! آج اللہ کے نام پر جو کچھ لینا چاہو لے جاؤ ، میں تمہیں کچھ نہ کہوں گا ، فرشتے نے کہا : اپنا مال اپنے پاس رکھو ، یہ تو تم لوگوں کی ایک آزمائش تھی ، اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہوا اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہوگیا".

....

کی جانب منسوب کیا اور تیسرے نے اسے اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کیا تو اللہ تعالیٰ نے تیسرے کو بہترین بدلہ عطا فرمایا ، اس پر اپنی نعمت کو دوام بخشا ، جبکہ دوسرے دونوں آدمیوں کی سرزنش کی. یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس پر چاہتا ہے انعام کرتا ہے اور پھر وہ نعمت کو ثابت رکھتا ہے اور اسے دوام

اس باب کے مسائل

۱- آیت مبارکہ کی تفسیر (جس میں ناشکرے انسان کو وعید سنائی گئی ہے).

۲- اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ﴾ کی تفسیر کا بیان ہے.

۳- اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ إِنَّمَا أُوْتِيْتُهُ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ﴾ کی تفسیر کا بھی بیان ہے.

۴- تین افراد کے اس عجیب واقعہ میں جو عظیم عبرتیں پوشیدہ ہیں، ان کی طرف اشارہ ہے.

بخشتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اسے پھیر دیتا ہے اور ختم کر دیتا ہے.

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بقاء کے اسباب میں سے یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی تعظیم کرے اور یہ جانے کہ فضل ونعمت اور عطا، اللہ کے ہاتھ میں ہے اور نعمت اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے اور توحید کی تکمیل بھی اس سے ہوتی ہے کہ انسان یہ علم رکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، اللہ تعالیٰ پر اس کا کوئی حق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جو کہ پروردگار ہے وہ اپنے بندوں سے اپنی بندگی، شکر اور تعظیم کا حق رکھتا ہے اور یہ کہ وہ اسی کو یاد کریں اور نعمتوں کو اسی کی جانب منسوب کریں.

باب: ۴۹

باب قوله تعالىٰ : ﴿ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ .....﴾ الآية

فرمان الٰہی ہے:

﴿ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ (الأعراف : ۱۹۰)

"جب اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح اور تندرست بچہ عطا کیا تو انہوں نے اس عنایت میں دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا، پس اللہ تعالیٰ ان شرکیہ باتوں سے جو وہ کرتے ہیں، بلند تر ہے"

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " اتفقوا على تحريم كل اسم معبد لغير الله، كعبد عمرو، وعبد الكعبة وما أشبه ذلك، حاشا عبد المطلب "

"اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نام میں غیر اللہ کی عبدیت کا اظہار ہو وہ حرام ہے مثلاً عبدعمرو، عبدالکعبہ وغیرہ ہیں، البتہ عبدالمطلب اس سے مستثنی ہے (کیونکہ اس کا معنی غلام کا ہے یہ اس معنی میں مستعمل نہیں جو اللہ کے عبد سے مراد ہوتا ہے)۔

....

(وقال ابن حزم: اتفقوا على تحريم كل اسم معبد لغير الله: كعبد عمرو، وعبد الكعبة، وما أشبه ذلك، حاشا عبد المطلب)۔

"اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نام میں غیر اللہ کی عبدیت کا اظہار ہو وہ حرام ہے مثلاً عبدعمرو، عبدالکعبہ وغیرہ ہیں، البتہ عبدالمطلب اس سے مستثنی ہے (کیونکہ اس کا معنی غلام کا ہے یہ اس معنی میں مستعمل نہیں جو اللہ کے عبد سے مراد ہوتا ہے)۔

یعنی ان کے علم کے مطابق اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غیر اللہ کی عبدیت (بندگی)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

" لما تغشا ھا آدم حملت ، فأتاھما إبلیس فقال : إني صاحبکما الذی أخرجتکما من الجنة ، لتطیعانني ، أولأجعلن له قرني إیل فیخرج من بطنک فیشقه ، فقال : ولأفعلن ، ولأفعلن ، یخوفھما ، سمیاه عبد الحارث ، فأبیا أن یطیعاه ، فخرج میتا ، ثم حملت ، فأتاھما ، قال لھما مثل قوله ، فأبیا أن یطیعا ، فخرج میتا ، ثم حملت ، فأتاھما ، فذکرلھما ، فأدرکھماحب الولد ، فسمیا ہ

....

حرام ہے ، بلکہ وہ تمام انبیاء کرام کی شریعتوں میں حرام تھی ، کیونکہ اس میں نعمت کی اضافت غیر اللہ کی جانب ہے ، اور اسی طرح اس میں اللہ تعالیٰ کے رب اور معبود ہونے کے اعتبار سے اس کی بے ادبی اور گستاخی بھی ہے اور لوگوں کو غیر اللہ کی بندگی سے موسوم کرنا معنی کے اعتبار سے غلط بھی ہے .

(حاشا عبد المطلب) " سوائے عبد المطلب کے " یعنی اہل علم کا اس نام کی حرمت پر اتفاق نہیں ہے ، بعض اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ عبد المطلب نام رکھنا مکروہ ہے حرام نہیں ، لیکن یہ قول درست نہیں ، کیونکہ جس دلیل سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ استدلال مناسب نہیں ، اور وہ دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے : " أنا النبي لا کذب ، أنا ابن عبدالمطلب "

" میں اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ہوں ، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں " . یہ آپ کی طرف سے ایک خبر ہے اور خبر دینے میں مخلوق کی عبدیت کی غیر خالق کی طرف اضافت براہ راست نہیں ہوتی ، کیونکہ إخبار کا باب انشاء وابتداء کے باب سے زیادہ وسیع ہوتا ہے جیسا کہ یہ بات معروف ہے .

اور رہا یہ اشکال کہ بعض صحابہ کرام کا نام بھی عبد المطلب کے نام سے منقول ہے تو محققین رواۃ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ صحابہ میں جن کا نام عبد الطلب منقول ہے صحیح بات یہ ہے کہ ان کا نام مطلب ہے یعنی عبد کے بغیر ، لیکن عبد المطلب نام مشہور ہونے کی وجہ سے نقل کرنے والوں نے عبد المطلب نقل کر دیا ، لھذا نقل کرنے میں خطا واقع ہوئی ہے .

عبدالحارث فذلک قولہ : ﴿ جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا ﴾ (ابن ابی حاتم)

جب آدم وحواء علیہما السلام آپس میں ملے تو حوا حاملہ ہوگئیں ، ابلیس ان کے پاس آیا اور کہنے لگا : میں وہی ہوں جسنے تمہیں جنت سے نکالا ہے ، میری بات مانو ورنہ میں اس کے سر پر بارہ سینگا کے دوسینگ بنادوں گا جسکی وجہ سے یہ بچہ تمہارا پیٹ چیر کر نکلے گا ، میں (یہ) کردوں گا ، میں (وہ) کردوں گا ، ایسی باتیں کر کے ان کو خوب ڈرایا دھمکایا اور کہا کہ تم اس بچے کا نام عبدالحارث رکھنا ، لیکن آدم وحوا علیہما السلام نے اس کی بات نہ مانی ، چنانچہ بچہ مردہ پیدا ہوا . حوا علیہا السلام دوبارہ حاملہ ہوئیں تو شیطان نے آکر پھر وہی باتیں کہیں ، لیکن آدم وحوا علیہما السلام نے اس کی کوئی بات نہ مانی اور بچہ پھر مردہ پیدا ہوا ، جب حوا تیسری مرتبہ حاملہ ہوئیں تو شیطان پھر آدھمکا اور وہی باتیں کرنے لگا ، چنانچہ ان کے دل میں بچے کی محبت پیدا ہوئی تو انہوں نے بچے کی ولادت کے بعد اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا ، اللہ تعالیٰ کے فرمان : ﴿ جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ ﴾ کا یہی معنی ہے "

(وعن ابن عباس فی الآیۃ قال : لماتغشاھا آدم حملت ....)

عام اہل سلف کا یہ قول ہے کہ آیت مبارکہ میں جو قصہ منقول ہے وہ آدم اور حوا علیہما السلام کے متعلق ہے ، اسی بات پر شیخ رحمہ اللہ نے اعتماد کیا ہے .

(وقولہ : صالحا) یعنی تخلیق کے اعتبار سے اسے درست اور صحیح سالم بنایا ، اور اسی طرح اس کو ان دونوں کے لئے فائدہ مند ہونے کے اعتبار سے صالح بنایا .

(شرکاء) یہ شریک کی جمع ہے ، عربی لغت میں شرکہ کا معنی دو آدمیوں کا کسی ایک چیز میں شریک ہونا ہے ، چنانچہ انہوں نے شیطان کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے بچے کا نام عبدالحرث رکھ کر ، اللہ تعالیٰ نے ان کو جو کچھ عطا کیا تھا اس میں انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا ارتکاب کیا ،

ابن ابی حاتم ہی میں صحیح سند کے ساتھ قتادہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام نے شیطان کا صرف کہا ہی مانا تھا اس کی عبادت نہ کی تھی۔

نیز ابن ابی حاتم ہی میں صحیح سند کے ساتھ مجاہد رحمہ اللہ سے آیت مبارکہ ﴿ لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا ﴾ کی تفسیر میں مروی ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام کو خدشہ تھا کہ مبادا ہمارا بچہ انسان نہ ہو۔

حسن بصری اور سعید رحمہما اللہ وغیرہ سے اسی طرح کے اقوال منقول ہیں۔

اس باب کے مسائل

۱- ہر وہ اسم جس میں غیر اللہ کی عبدیت کا اظہار ہو وہ حرام ہے۔

۲- آیت مبارکہ کی تفسیر (جس میں شرکیہ ناموں سے منع کیا گیا ہے)۔

اور حارث، ابلیس کا دوسرا نام ہے، یہ آدم وحوا علیھما السلام کی پہلی غلطی نہ تھی بلکہ وہ اس سے قبل بھی معصیت میں واقع ہو چکے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"خدعھما مرتین" کہ شیطان نے ان کو دو مرتبہ دھوکہ دیا، اور یہی سلف رحمہم اللہ کے ہاں معروف ہے، لھذا اللہ تعالی کے فرمان: ﴿ شُرَكَاءَ فِيْمَا اٰتَاهُمَا ﴾ "اللہ نے جو کچھ انہیں دیا اس میں انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرا دیا"۔

اس سے مراد اطاعت میں کسی دوسرے کی شراکت ہے اور یہ بات معروف ہے کہ ہر معصیت کا مرتکب شیطان کا اطاعت گزار ہے اور انسان سے جو بھی معصیت سرزد ہوتی ہے اس میں "شرك فى الطاعة" کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوتا ہے، اس (معصیت) سے ان دونوں (آدم وحوا علیہما السلام) کے مرتبہ ومقام میں کچھ کمی واقع نہیں ہوئی، اور نہ ہی اس کا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کیا (والعیاذ باللہ)۔ بلکہ یہ تو "شرك فى الطاعة" کی ایک نوع ہے جیسا کہ اہل علم کے ہاں یہ بات معروف ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے صغیرہ معاصی کا سرزد

۳- قصہ مذکورہ میں جس شرک کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف نام کی حد تک تھا، حقیقی شرک نہ تھا.

۴- کسی کے ہاں صحیح وتندرست بیٹی پیدا ہو تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے.

۵- اسلاف امت "شرك في الطاعة" (اطاعت میں شرک) اور "شرك في العبادة" (عبادت میں شرک) میں فرق کرتے تھے.

....

ہونا ممکن ہے، کیونکہ وہ اس پر مستمر نہیں رہتے بلکہ وہ فورا جلدی سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور توبہ کر لیتے ہیں؛ اور پھر گناہ کر لینے کے بعد، اطاعت وعبادت میں ان کی حالت پہلے سے بھی زیادہ بہتر اور عظیم ہو جاتی ہے، یہ امر بھی اہل علم کے ہاں معروف ہے. یہاں شرک سے مراد شرک فی الطاعہ ہے نہ کہ شرک اصغر، وہ اس بات سے بالکل پاک ومبرا ہیں.

باب: ۵۰

باب قوله تعالىٰ : ﴿ وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ....﴾ الآية

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ أَسْمَائِهِ ﴾

'' اور اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں پس تم اسے انہی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں الحاد (کج روی اختیار) کرتے ہیں ''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ يُلْحِدُوْنَ فِيْ أَسْمَائِهِ ﴾ کی تفسیر میں منقول ہے کہ '' الحاد سے مراد شرک ہے ، اور ان ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ مشرکین نے (اپنے بتوں کے نام)''اللات'' لفظ الٰہ سے اور ''عزی '' العزیز سے اُخذ کئے ہیں '' (ابن ابی حاتم)

••

اللہ تعالیٰ کے فرمان : ﴿ وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى ﴾ (ولله) میں لام لام استحقاق ہے ، کہ اسماء حسنیٰ جو اچھائی اور خوبصورتی میں اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں اور وہی ان کا مستحق ہے .

﴿ فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ یہ حکم ہے ، کہ تم اسے انہی ناموں کے ساتھ پکارو . اور یہاں دعا سے مراد : ثنا اور عبادت ہے ، لھذا ہم اس کی عبادت کرتے ہیں اس کے ان اسماء حسنیٰ کو وسیلہ بناتے ہوئے اور ان بلند صفات کو جن پر یہ اسماء مشتمل ہیں ، اسی طرح یہاں دعا کی تفسیر ، سوال کرنے اور مانگنے سے بھی کی گئی ہے یعنی جب ہمیں کوئی طلب یا حاجت ہو تو ہمیں اسے پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور قصد کرنا چاہیے ، اور ہماری حاجت کے مطابق اس کے جو نام ہیں ان کے وسیلہ سے مانگنا چاہیے ، یہ دونوں تفسیریں درست اور صحیح ہیں .

اور اعمش رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے کہ الحاد سے مراد یہ ہے کہ" وہ اللہ کے ناموں میں ایسے نام داخل کر جاتے ہیں جو اس میں شامل نہیں ہیں "

....

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ فَادْعُوهُ بِهَا ﴾ میں باء، باء وسیلہ ہے یعنی ان ناموں کا وسیلہ پکڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرو۔

﴿ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ﴾ "اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں"

یعنی مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے اسماء میں الحاد کرنے والوں کی حالت سے دوری اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد سے مراد یہ ہے کہ ان اسماء کے معانی و حقائق سے روگردانی کی جائے اور ان سے وہ چیزیں مراد لی جائیں جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہیں، اور الحاد کے کئی مراتب ہیں۔

(ذكر ابن ابى حاتم عن ابن عباس ﴿ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ﴾: يشركون .

) وعنه : سموااللات من الإله ، والعزى من العزيز وعن الأعمش : يدخلون فيها ما ليس منها) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ﴾ کی تفسیر میں منقول ہے کہ" الحاد سے مراد شرک ہے، اور ان ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ مشرکین نے (اپنے بتوں کے نام)"اللات" لفظ الٰہ سے اور" عزیٰ" العزیز سے اخذ کئے ہیں" (ابن ابی حاتم)

اور اعمش رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے کہ الحاد سے مراد یہ ہے کہ" وہ اللہ کے ناموں میں ایسے نام داخل کر جاتے ہیں جو اس میں شامل نہیں ہیں "

الحاد کے مراتب:

۱- اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کے مراتب میں سے ایک مرتبہ یہ ہے کہ بشری معبودوں کو اللہ

اس باب کے مسائل

۱- اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء کا اثبات ہے۔

۲- اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں۔

۳- اسماء حسنیٰ کے ذریعہ اللہ سے دعا کرنے کا حکم بھی ہے۔

۴- جو جاہل اور ملحد ان کا انکار کریں ان سے معارضہ نہیں کرنا چاہیے۔

۵- اس میں اسماء الٰہی میں الحاد کی تفسیر کا بھی بیان ہے۔

۶- جو الحاد کرتے ہیں ان کے لئے وعید کا بیان بھی ہے۔

تعالیٰ کے ناموں سے موسوم کیا جائے جیسے مشرکین نے اپنے بت کا نام ''اللات'' رکھا اور یہ لفظ اِلٰہ سے ماخوذ ہے اور عزیٰ عزیز سے وغیرہ۔

۲- اور الحاد کا ایک مرتبہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لے بیٹا تسلیم کیا جائے، جیسا کہ نصاریٰ کا حال ہے۔

۳- اور الحاد کا ایک مرتبہ یہ بھی ہے کہ اسماء وصفات کا کلی طور پر انکار کردیا جائے یا ان میں بعض کا انکار کیا جائے، جیسا کہ غلو کرنے والے (متعصب) جہمیوں کا نظریہ ہے۔ وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ اس کی صفات میں سے کسی صفت پر سوائے وجود اور موجود کے۔

۴- اور یہ بھی الحاد ہی کی ایک قسم ہے کہ اللہ کے اسماء کے جو معانی اور حقائق ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا واجب ہے ان سے اعراض اور روگردانی کرنا، ان کی تاویل کرنا اور ان کو ظاہری معانی سے پھیر کر ایسے معانی مراد لینا جو غیر مناسب ہیں۔

اسماء وصفات پر ایمان لانے کے بارے میں علماء سلف رحمہ اللہ کا یہ قاعدہ وضابطہ ہے کہ ہمیں

ان کو ان کے حقیقی معانی سے پھیر کر ان کی تاویل نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی کوئی مجازی معنی مراد لینا چاہیے، وغیرہ، جیسا کہ معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ اور دوسرے گروہ کرتے ہیں. ہم نے یہاں الحاد کی بعض اقسام کا ذکر کیا ہے، جب یہ بات طے ہے کہ الحاد کی کئی قسمیں ہیں تو پھر یہ بات واضح ہوگئی کہ الحاد بسا اوقات کفر کے درجے تک پہنچ جاتا ہے اور بسا اوقات بدعت کے درجہ تک، جیسا کہ ہم نے اس کی کئی حالتوں کا ذکر کیا ہے، الحاد کی جو آخری حالت ہم نے ذکر کی ہے وہ بدعت کے درجہ کی ہے اس کے مرتکبین کفر کے درجہ تک نہیں پہنچتے، الحاد کے مباحث بہت طویل ہیں کیونکہ یہ موضوع اسماء وصفات سے متصل وملحق ہے اور یہ موضوع (کتب عقیدہ میں) اسماء وصفات کے مبحث میں معروف و موجود ہے.

باب: ۵۱

"السلام علی اللہ" کہنے کی ممانعت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نماز میں ہم جب نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہوتے تو " السلام علی الله من عباده ، السلام علی فلان وفلان " " اللہ تعالیٰ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلام ہو اور فلاں وفلاں شخص پر بھی سلام ہو " کہتے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

" لا تقولوا : السلام على الله ، فإن الله هو السلام " (صحیح بخاری)

"السلام علی اللہ" (اللہ پر سلام ہو) نہ کہا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود سلام (یعنی سلامتی والا ہے)"

....

" السلام علی الله " کہنا اس لئے ناجائز ہے کہ اس سے تحقیق توحید میں نقص واقع ہوتا ہے، توحید واجب حق ادا اسی سے ہوگا جب یہ کلمہ ادا نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے بندوں سے بے پرواہ ہے اور بندے بذاتہ محتاج اور فقیر ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴾

"اے لوگو! تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے پرواہ تعریف کیا ہوا ہے" یعنی سلامتی کے محتاج یہ لوگ ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ۔

(فی الصحیح عن ابن مسعود رضی الله عنه قال : كنا إذا كنا مع النبی ﷺ فی الصلاة قلنا : السلام على الله من عباده ، السلام على فلان وفلان)

"صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نماز میں ہم جب نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہوتے تو " السلام على الله من عباده ، السلام على فلان وفلان " " اللہ

اس باب کے مسائل

۱- ''سلام'' کی تفسیر کا بیان ہے.

۲- یہ کلمہ مسلمانوں کا ایک دوسرے کے لئے تحفہ ہے.

۳- یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا درست نہیں.

۴- اس میں یہ کلمہ اللہ کے لئے استعمال نہ کرنے کی علت کا بھی بیان ہے.

۵- نبی اکرم ﷺ کا اپنے صحابہ کو اس تحیہ کی تعلیم دینا جو اللہ کے لئے لائق اور زیبا ہے یعنی " التحیات لله والصلوات ....".

تعالیٰ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلام ہو اور فلاں وفلاں شخص پر بھی سلام ہو'' کہتے تھے''

صحابہ کرام ایسا اس لئے کہا کرتے تھے کہ وہ اسے تحیہ سمجھتے تھے. اس شریعت میں تحیہ معنی کے ساتھ مرتبط ہے پس ''السلام علی اللہ من عبادہ'' کا ان کے نزدیک یہ مطلب تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی جانب سے اس کے لئے تحفہ وتحیہ ، اگر چہ ارادے ونیت کے اعتبار سے یہ معنی درست وصحیح ہے ، لیکن لفظا یہ کلام درست نہیں ، یعنی "السلام علی الله" کا مطلب یہ ہوگا کہ بندوں کی جانب سے اللہ پر سلامتی نازل ہو ، اور یہ مطلب بلا شک وشبہ باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی ربوبیت میں ، اس کے اسماء وصفات میں بندوں پر جو واجب ہے اس میں بے ادبی کا مظاہرہ ہے ، اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا : (لا تقولوا : السلام على الله ، فإن الله هو السلام) ''کہ "السلام علی الله" نہ کہا کرو ، اللہ تعالیٰ تو خود سلام (سلامتی والا) ہے ، یعنی آپ نے انہیں منع فرمادیا اور یہ نہی حرمت پر دلالت کرتی ہے کہ ایسا کہنا حرام ہے.

باب :۵۲

اے اللہ اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے کہنے کا حکم

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لا يقل أحدكم : اللهم اغفر لي إن شئت ، اللهم ارحمني إن شئت ، ليعزم المسألة فإن الله لا مكره له " (صحيح بخاری)

" تم میں سے کوئی بھی یوں دعا نہ کرے ، یا اللہ اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے ، یا اللہ اگر تو چاہتا ہے تو مجھ پر رحم فرما ، بلکہ اللہ تعالیٰ سے پورے وثوق سے سوال ودعا کرے ، کیونکہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو مجبور کرنے والا اور اس پر دباؤ ڈالنے والا نہیں ہے ۔

" یا اللہ اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے " اس جملے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس جملے کا کہنے والا اپنی بخشش کروانے سے مستغنی اور بے پرواہ ہے گویا کہ وہ عاجزی انکساری نہیں چاہتا اور اسے کوئی محتاجگی بھی نہیں ہے ، یہ تو متکبرین اور اللہ سے روگردانی کرنے والوں کا عمل ہے ، اسی وجہ سے اس جملہ میں توحید کا صحیح معنوں میں حق معدوم ہے ، اور اللہ کی ربوبیت کے بارے میں بندے پر جو ایمان لانا واجب ہے اس میں اس کی نفی ہے ، جبکہ واجب ولازم تو یہ ہے کہ انسان اپنے فقر وفاقہ اور محتاجگی کو اپنے رب کے سامنے ظاہر کرے اور یہ کہ اسے اللہ کی بخشش سے بے پرواہی نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے مستغنی نہیں ہے ، اس کی درگزری ، اور اس کے کرم وفضل کا محتاج ہے اسی بناء پر اس حدیث کو یہاں ذکر کیا گیا ہے ۔

(في الصحيح عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال : لا يقل أحدكم : اللهم اغفرلي إن شئت ، اللهم ارحمني إن شئت ، ليعزم المسألة)

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

ایک دوسری روایت میں ہے کہ :

" ولیعظم الرغبة فإن الله لا یتعاظمه شيء أعطاه " (صحیح مسلم)

" اور چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑی رغبت اور بڑی خواہش کرے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی چیز بڑی نہیں ہے "

اس باب کے مسائل

۱ - دعا میں استثناء کی ممانعت ، یعنی یوں کہنا جائز نہیں کہ یا اللہ اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے .

۲ - دعا میں استثناء کی ممانعت کی علت کا بھی بیان ہے .

۳ - دعا پورے وثوق سے کرنے کا حکم دیا گیا ہے .

۴ - اللہ تعالیٰ سے بڑی رغبت اور بڑی خواہش کرنے کا حکم دیا گیا ہے .

۵ - اللہ تعالیٰ سے بڑی خواہش کیوں کرنی چاہیے اس کی علت کا بھی بیان ہے .

....

" تم میں سے کوئی بھی یوں دعا نہ کرے ، یا اللہ اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے ، یا اللہ اگر تو چاہتا ہے تو مجھ پر رحم فرما ، بلکہ اللہ تعالیٰ سے پورے وثوق سے سوال و دعا کرے "

یعنی اللہ تعالیٰ سے پختہ ارادے و اعتماد ، محتاجگی اور عاجزی وانکساری سے سوال کرے ، نہ کہ متکبر اور بے پرواہ کی طرح سوال کرے .

(فإن الله لا مكره له) کیونکہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو مجبور کرنے والا نہیں ہے ، یعنی کوئی بھی اس کو مجبور نہیں کرسکتا ، کیونکہ وہ مکمل طور پر ہر چیز سے بے پرواہ ہے ، اس کی عزت ، اس کا تسلط اور اس کا غلبہ ہر چیز پر مکمل ہے اور یہی چیز اسماء وصفات کے آثار میں سے ہے .

(ولمسلم : ولیعظم الرغبة فإن الله لا یتعاظمه شيء أعطاه)

''اور چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑی رغبت اور بڑی خواہش کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی چیز بڑی نہیں ہے''

اعتراض : آپ ﷺ نے (بیمار آدمی کے حق میں) فرمایا :

''طہور اِن شاء اللہ'' ''اگر اللہ نے چاہا تو یہ (بیماری) تمہارے لے پاکیزگی کا باعث ہوگی . اس جملہ میں '' اِن شاء اللہ'' استعمال کیا گیا ہے .

جواب : یہ جملہ بنیادی طور پر دعائیہ نہیں بلکہ یہ تو ایک خبر ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یہ بیماری تمہارے لئے پاکیزگی کا باعث ہوگی ،لھذا دونوں حدیثوں میں فرق ہے .

باب : ۵۳

"عبدی وأمتی" میرا بندہ اور میری بندی کہنے کی ممانعت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" لا يقل أحدكم : أطعم ربك ، وضیء ربك ، وليقل : سيدی ومولای ، ولا يقل أحدكم : عبدی وأمتی ، وليقل فتاي وفتاتی وغلامی " (صحیح بخاری)

'' تم میں سے کوئی (اپنے غلام سے) یوں نہ کہے کہ اپنے رب کو کھانا کھلا ، اپنے رب کو وضو کرا ، بلکہ یوں کہے : میرا سردار ، میرا آقا ۔ اور تم میں سے کوئی (اپنے غلام کو) یوں مخاطب نہ کرے : میرا بندہ اور میری بندی ، بلکہ یوں کہے : میرا خادم ، میری خادمہ اور میرا غلام '' ۔

....

میرا بندہ اور میری بندی کہنے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ انسان کی اللہ تعالیٰ کے لئے بندگی (عبودیت) ایک حقیقی بندگی ہے ، چاہے زبردستی ہو یا اختیاری ، اور یہ واضح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی پالنے والا ، پروردگار اور ہر شیء میں تصرف کا مالک ہے .... لھذا انسان کا اپنے غلام کو کہنا یہ میرا بندہ ہے اور یہ میری بندی ہے ، اس میں بندگی کی نسبت انسان کی طرف ہے ، اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کے واجبی ادب واحترام کے کمال اور ربوبیت کی تعظیم کے منافی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے مخلوق کی بندگی کے حق کو ختم کرتا ہے ، اسی لئے اکثر اہل علم کے نزدیک اس لفظ کا استعمال ناجائز ہے اور بعض کے ہاں مکروہ ۔

(فی الصحیح عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال : لا يقل أحدكم : أطعم ربك ، وضیء ربك)

'' صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

'' تم میں سے کوئی (اپنے غلام سے) یوں نہ کہے کہ اپنے رب کو کھانا کھلا ، اپنے رب کو وضو کرا ''

اس باب کے مسائل

۱- " عبدی وأمتی " (میرا بندہ اور میری بندی) کہنے کی ممانعت .

۲- کوئی غلام اپنے آقا کو " ربی " میرا رب نہ کہے ، اور نہ کوئی غلام کو یوں کہے "أطعم ربک " کہ اپنے رب کو کھانا کھلا .

۳- آقا کو تعلیم دی گئی کہ وہ " فتای ، وفتاتی وغلامی " (میرا خادم ، میری خادمہ اور میرا غلام) کے الفاظ استعمال کرے .

۴- غلام کو تعلیم دی گئی کہ وہ " سیدی ومولای " (میرا آقا و میرا سردار) کے الفاظ استعمال کرے .

••

اس حدیث مبارک میں وارد شدہ نہی کے بارہ میں اہل علم کے ہاں اختلاف ہے : بعض کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لئے ہے اور بعض نے کہا نہی سے مراد کراہت ہے کیونکہ یہ ادب کے بارے میں ہے .

جبکہ صحیح بات یہ ہے " میرا بندہ ، میری بندی اور یہ کہنا کہ اپنے رب کو وضو کرا ، وغیرہ درست د جائز نہیں ، البتہ رب کی نسبت غیر مکلف (یعنی غیر حسی) چیزوں کی طرف کرنے میں کوئی حرج نہیں ، مثلاً " رب الدار " گھر کا مالک کہنا وغیرہ وغیرہ . کیونکہ غیر مکلف چیزوں میں عبودیت (بندگی) کا تصور نہیں پایا جاتا .

(ولیقل : سیدی و مولای) " بلکہ اسے یوں کہنا چاہیے : میرا سردار ، اور میرا آقا " اللہ تعالیٰ ہی سید (سردار) مطلق ہے ، لیکن نسبت کے ساتھ لفظ سید کو بشر کے لئے استعمال کرنا جائز ہے کیونکہ انسان کے لئے بھی اس کی اپنی شان کے برابر سیادت (سرداری) موجود ہے ، جبکہ اللہ تعالیٰ کے لئے تو کامل سیادت ہے جو تمام مخلوقات پر حاوی ہے .

۵- ان الفاظ کے استعمال سے مراد تحقیق توحید پر تنبیہ کرنا ہے حتی کہ الفاظ میں بھی اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے .

••

(ومولای) ''میرا آقا'' بعض اہل علم نے اس حدیث کی روشنی میں انسان کے لئے ''مولای '' کا لفظ استعمال کرنے کی اجازت دی ہے ، اور بعض نے اسے مکروہ جانا ہے جبکہ صحیح قول یہی ہے کہ '' سیدی و مولای ''کا اطلاق بشر پر کرنا جائز ہے ، کیونکہ بشر کے پاس بھی سیادت اور ولایت موجود ہے جو اس کے شایان شان ہے ، اور یہ لفظ '' ربک ، عبدی وأمتی '' (تیرا رب ، میرا بندہ اور میری بندی) کہنے کے برابر نہیں ہے .

(ولا یقل أحدکم : عبدی وأمتی ، ولیقل : فتای وفتاتی وغلامی)

''اورتم میں سے کوئی (اپنے غلام کو) یوں مخاطب نہ کرے : میرا بندہ اور میری بندی ، بلکہ یوں کہے : میرا خادم ، میری خادمہ اور میرا غلام''.

باب : ۵۴

جو اللہ کے نام پر سوال کرے اسے خالی ہاتھ نہ لوٹایا جائے

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" من استعاذ بالله فأعيذوه ، ومن سأل بالله فأعطوه ، ومن دعاكم فأجيبوه ، ومن صنع إليكم معروفا فكافئوه ، فإن لم تجدوا ما تكافئونه ، فا دعوا له حتى تروا أنكم قد كافأتموه " (ابوداو ،نسائی وسندہ صحیح)

"جو شخص اللہ کا واسطہ دے کر پناہ طلب کرے ، اسے پناہ دو ، اور جو شخص اللہ کے نام پر سوال کرے اسے (کچھ نہ کچھ) دو ، اور جو شخص تمہاری دعوت کرے ، اس کی دعوت قبول کرو ، اور جو شخص تمہارے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرے ، تم بھی اسے اس کا بدلہ دو ، اگر تم بدلہ نہ دے سکو تو اس کے حق میں اس قدر دعا کرو کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے"

جب کوئی آدمی اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرے تو سوال کئے جانے والے شخص کو اللہ کی تعظیم کرتے ہوئے اسے خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹانا چاہیے .

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور محققین کی ایک جماعت کا یہ کہنا ہے : کہ

سائل جب اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کسی خاص شخص سے کسی خاص چیز کے بارے میں سوال کرے تو اسے خالی ہاتھ لوٹانا حرام ہے ، یعنی : مثلاً کوئی بالخصوص آپ سے سوال کرتا ہے اور اللہ کا واسطہ دے کر آپ سے مدد طلب کرتا ہے اور آپ اس کی حاجت و ضرورت کو پورا کرنے پر طاقت بھی رکھتے ہوں (تو پھر ایسے شخص کو آپ کا خالی ہاتھ لوٹانا حرام ہے).

اور اگر وہ کسی مخصوص شخص کی بجائے فلاں وفلاں وفلاں سے مانگتا ہے تو ایسے شخص کو دینا مستحب ہے .

اگر سائل اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہے اور یہ بات معروف ہے کہ سائل جھوٹا آدمی ہے

اس باب کے مسائل

۱- جو اللہ کا واسطہ دے کر پناہ طلب کرے، اسے پناہ دینی چاہیے۔

۲- جو اللہ کے نام پر سوال کرے، اسے کچھ نہ کچھ دینا چاہیے۔

۳- اگر کوئی شخص دعوت کرے تو اس کی دعوت کو قبول کرنا چاہیے۔

۴- کسی کے حسن سلوک کا بدلہ دینا چاہیے۔

۵- جو شخص کسی کے حسن سلوک کا بدلہ نہ دے سکے وہ اس کے حق میں دعا کردے تو یہی اس کا بدلہ ہے۔

۶- محسن کے حق میں اس قدر دعا کرے کہ اسے یقین ہو جائے کہ اب بدلہ چکایا جا چکا ہے۔

تو ایسے شخص کو دینا مباح ہے۔

(عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: من استعاذ بالله فأعيذوه)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص اللہ کا واسطہ دے کر پناہ طلب کرے، اسے پناہ دو" کیونکہ اس نے سب سے بڑی ذات کا واسطہ دے کر پناہ طلب کی ہے۔

(ومن سأل بالله فأعطوه ومن دعاكم فأجيبوه) "اور جو شخص اللہ کے نام پر سوال کرے، اسے (کچھ نہ کچھ) دو اور جو شخص تمہاری دعوت کرے، اس کی دعوت قبول کرو"۔

سبھی اہل علم کا یہ قول ہے کہ یہ حدیث دعوت ولیمہ کے بارے میں ہے، جبکہ دوسری تمام دعوتوں کو قبول کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

﴿ ومن صنع إليكم معروفا فكا فئوه ﴾ ’’اور جو شخص تمہارے ساتھ حسن سلوک کرے، اسے اس کا بدلہ دو‘‘ یعنی اسی جیسا سلوک کرو، یہ اس وجہ سے تاکہ دل پاک صاف ہوجائے، اس کی نیکی دیکھ کر دل میں اس کی طرف کسی قسم کا جھکاؤ اور اس کے لئے عاجزی وانکساری پیدا نہ ہو، اسی لئے آپ نے فرمایا:

﴿ فإن لم تجدوا ما تكا فئونه فا دعوا له حتى تروا أنكم قد كا فأتموه ﴾

’’اگر تم بدلہ نہ دے سکو تو اس کے حق میں اس قدر دعا کرو کہ تمہیں یقین ہوجائے کہ تم نے اس کا بدل چکا دیا ہے‘‘ یہ وہ مقامات و مراتب ہیں جن کا ادراک اہل اخلاص اور توحید کا حق ادا کرنے والے لوگ ہی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور آپ سب کو ان لوگوں میں سے بنائے۔ آمین

باب: ۵۵

اللہ کا واسطہ دے کر صرف جنت کا سوال کرنا چاہیے

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا يسأل بوجه الله إلا الجنة" (ابوداود)

"اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوائے جنت کے اور کچھ نہ مانگا جائے"

اس باب کے مسائل

۱- اللہ کا واسطہ دے کر سب سے بڑے مطلوب و مقصود (جنت) کے سوا کچھ مانگنے کی ممانعت ہے۔

۲- اللہ تعالیٰ کی صفت وجہ یعنی چہرہ مبارک کا اثبات ہے۔

....

اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات کی تعظیم کی وجہ سے اس کے نام کا واسطہ دے کر صرف جنت ہی کا سوال کرنا چاہیے۔

(عن جابر رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "لا يسأل بوجه الله إلا الجنة" (ابوداود))

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوائے جنت کے اور کچھ نہ مانگا جائے"

اس حدیث مبارک میں بیان کردہ نفی دراصل نہی مؤکد ہے (یعنی اس عمل سے تاکیدا منع کیا گیا ہے) "وجہ اللہ" اللہ تعالیٰ کا چہرہ مبارک، یہ اس کی ذاتی صفات میں سے ایک صفت ہے جو اس کی عظمت وجلالت کے شایان شان ہے، ہم اس لفظ "وجہ" کا معنی تو جانتے ہیں لیکن اس کا کامل واکمل معنی اور اس کی کیفیت کا علم، اس صفت کے جاننے والے (اللہ تعالیٰ) اور اس سے متصف

ہونے والی ذات بابرکت کے سپرد کرتے ہیں، لیکن اس صفت کو عدم تمثیل و تعطیل کے قاعدہ پر ثابت کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾

''اس جیسی کوئی چیز نہیں حالانکہ وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے''۔

(إلا الجنة) ''اللہ کا واسطہ دے کر سوائے جنت کے اور کچھ نہ مانگا جائے'' کیونکہ یہی سب سے عظیم مقصود و مطلوب ہے، لھذا اللہ تعالیٰ کی ذات، اور اس کے چہرہ مبارک، اس کی صفات میں سے کسی صفت یا اس کے اسماء حسنیٰ میں سے کسی اسم کا واسطہ دے کر کسی حقیر اور رردی چیز کا سوال کرنا نامناسب ہے، بلکہ سب سے بڑے اور عظیم مقصود و مطلوب کا ہی سوال کرنا چاہیے جیسا کہ جنت، یا اسی کی جنس، یا اس کے لوازمات کا سوال ہے۔ تاکہ سوال، وسیلہ سوال (یعنی جس کا واسطہ دیا گیا ہے) سے مناسبت رکھنے والا ہو، اور یہی اس باب کا معنی و مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی تعظیم کرنا توحید کے لوازمات میں سے ہے۔

باب: ٥٦

کلمہ ''لو'' یعنی اگر کہنے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَقُولُونَ لَوْكَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ﴾ (آل عمران : ۱۵۴)

''وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے بس میں کچھ ہوتا تو یہاں قتل نہ ہوتے''

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ أَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ﴾ (آل عمران : ۱۶۸)

''یہ لوگ ہیں جو خود تو (گھروں میں) بیٹھے رہے اور اپنے (ان) بھائیوں کی نسبت (جنہوں نے اللہ کی راہ میں جانیں قربان کیں) کہنے لگے کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو مارے نہ جاتے''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''احرص على ما ينفعك واستعن بالله ، ولا تعجزن ، وإن أصابك شيء فلا تقل : لو أني فعلت لكان كذا وكذا ، ولكن قل : قدر الله وما شاء فعل ، فإن لو تفتح عمل الشيطان'' (صحيح بخاری)

....

مصنف علیہ الرحمہ نے یہ باب اس لئے باندھا ہے کہ بہت سے لوگ اپنے افعال کے اعتبار سے (جب وہ ان کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتے تو) تقدیر پر اعتراض کرتے ہیں، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر وہ کچھ کرتے تو معاملہ کچھ اور ہوتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر فعل و عمل اور اس کے نتیجہ کو مقدر کرنے والا ہے اور ہر چیز اس کی حکمت کے عین موافق ہے۔

(وقول الله تعالى : ﴿ يقولون لو كان لنا من الأمر شيء مَّا قتلنا هٰهنا ﴾)

''اس چیز کی حرص کرو جو تمہارے لئے مفید ہو ، اور صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور عاجز ہو کر نہ بیٹھ جاؤ ، اور اگر تمہیں کوئی مصیبت آ پہنچے تو یوں نہ کہو کہ اگر میں یہ کر لیتا تو یوں ہو جاتا ، بلکہ یوں کہو'' یہ اللہ کا فیصلہ ہے اس نے جو چاہا سو کیا ، اس لئے کہ ''اگر'' کہنا شیطانی عمل و دخل کا سبب بنتا ہے''

(وقوله : ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ أَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ﴾)

'' وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے بس میں کچھ ہوتا تو یہاں قتل نہ ہوتے ''

نیز فرمان الٰہی ہے :

'' یہ لوگ ہیں جو خود تو (گھروں میں) بیٹھے رہے اور اپنے (ان) بھائیوں کی نسبت (جنہوں نے اللہ کی راہ میں جانیں قربان کیں) کہنے لگے کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو مارے نہ جاتے ''

کلمہ ''لو'' (یعنی اگر) کا استعمال ایسے معاملہ میں جو گزرے ہوئے زمانہ میں واقع ہو چکا ہے ناجائز اور حرام ہے ، اس کی دلیل یہ ہے کہ ''اگر'' کہنا یہ منافقین کی خصلت ہے (جیسا کہ آیت مبارکہ میں ذکر ہے) اور یہی اس کی حرمت کی دلیل ہے .

(في الصحيح عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال : "احرص على ما ينفعك واستعن بالله ، ولا تعجزن ، وإن أصابك شيء فلا تقل ")

''اس چیز کی حرص کرو جو تمہارے لئے مفید ہو ، اور صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور عاجز ہو کر نہ بیٹھ جاؤ ، اور اگر تمہیں کوئی مصیبت آ پہنچے تو یوں نہ کہو ''

اس حدیث مبارک میں نہی تحریم کے لئے ہے .

("لو أني فعلت لكان كذا وكذا ، ولكن قل : قدر الله وما شاء فعل ، فإن لو تفتح عمل الشيطان ")

اس باب کے مسائل

۱- سورۃ آل عمران کی دو آیتوں کی تفسیر (جن میں کلمہ ''اگر'' کہنے والوں کا تذکرہ ہے.

۲- کسی مصیبت و پریشانی کے موقع پر کلمہ ''اگر'' کہنے کی صراحتاً ممانعت ہے.

۳- ''اگر'' کہنے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اس سے شیطان کے عمل و دخل کا دروازہ کھلتا ہے.

۴- اس میں اچھی گفتگو کرنے کی راہنمائی کی گئی ہے.

۵- مفید چیز کا شوق و حرص کرنے اور اس سلسلے میں اللہ سے مدد مانگنے کا حکم ہے.

۶- اس کے برعکس عاجز بن کر بیٹھ رہنے سے منع کیا گیا ہے.

'' کہ اگر میں یہ کر لیتا تو یوں ہو جاتا ، بلکہ یوں کہو'' یہ اللہ کا فیصلہ ہے اس نے جو چاہا سو کیا ، اس لئے کہ ''اگر'' کہنا شیطانی عمل و دخل کا سبب بنتا ہے ''

اسی طرح اس کلمہ ''اگر'' کا استعمال دل کو کمزور اور عاجز بنا دیتا ہے ،کلمہ ''اگر'' یا ''کاش'' یا اسی طرح کے دوسرے الفاظ اس وقت حرام ہونگے جب ان کے ذریعے گزرے ہوئے زمانہ میں کسی کام پر افسوس اور حسرت کا اظہار کیا جائے ، جبکہ کلمہ ''اگر'' کو زمانہ مستقبل میں کسی خیر کے کام پر اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہوئے اور اسباب خیر کو استعمال کرتے ہوئے کہنا جائز ہے.

باب : ۵۷

ہوا اور آندھی کو گالی دینے کی ممانعت

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لا تسبوا الريح ، فإذا رأيتم ما تكرهون ، فقولوا : اللهم إنا نسألك من خير هذه الريح ، وخير ما فيها ، وخير ما أمرت به ، ونعوذبك من شره هذه الريح ، وشر ما فيها ، وشر ما أمرت به " (اسے ترمذی نے صحیح کہا ہے)

'' ہوا کو گالی نہ دو ، جب تم ناپسند (ہوا) دیکھو تو یہ دعا پڑھو : اللهم إنا نسألك من خير هذه الريح .... الخ ، اے اللہ ! ہم تجھ سے اس ہوا اور جو اس میں ہے اور جس کا اسے حکم دیا گیا ہے ، کی بہتری اور بھلائی کا سوال کرتے ہیں اور (اے اللہ !) ہم اس ہوا کے شر اور جو شر اس میں ہے اور جس شر کا اسے حکم دیا گیا ہے ، سے تیری پناہ مانگتے ہیں ''۔

....

ہوا کو گالی دینا زمانے کو گالی دینے کی طرح ہے ، دراصل یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اذیت کا باعث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہواؤں کو جیسے چاہتے ہیں پھیرتے ہیں ۔

حدیث مبارک میں وارد شدہ نہی تحریم کے لئے ہے ، ہوا کو گالی دینا ، اسے لعنت کرنا ایک ہی حکم میں ہے ، البتہ ہوا کو شدت اور سختی سے متصف کرنا ، یا اس کے ان اوصاف کو ذکر کرنا جن میں وہ نازل ہونے والوں پر مصیبت و برائی کا باعث بنی ہے ، (یہ) گالی دینے میں شامل نہیں ہے ۔

(عن أبي بن كعب رضى الله عنه أن رسول الله ﷺ قال : لا تسبوا الريح)

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

'' ہوا کو گالی نہ دو ''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہواؤں کو جہاں چاہتا ہے بھیج دیتا ہے اور جس جگہ سے

اس باب کے مسائل

۱- ہوا کو گالی دینے کی ممانعت.

۲- اس بات کی طرف راہنمائی کی گئی ہے کہ جب انسان ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اسے نفع مند چیز کا سوال کرنا چاہیے.

۳- اس میں یہ بھی راہنمائی کی گئی ہے کہ ہوا اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے.

۴- اس میں یہ بھی بیان ہے کہ ہوا کو کبھی بھلائی اور کبھی شر (نقصان) کا حکم دیا جاتا ہے.

چاہتا ہے پھیر دیتا ہے، گویا کہ وہ (ہوائیں) اللہ کے حکم کی پابند ہیں، اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(فإذا رأيتم ما تكرهون فقولوا :) "جب تم ناپسندیدہ (ہوا) دیکھو تو یہ دعا پڑھو:

" اللهم إنا نسألك من خير هذه الريح و خير ما فيها ، وخير ما أمرت به ، ونعوذبك من شر هذه الريح وشرما فيها ، و شرما أمرت به "

" اے اللہ! ہم تجھ سے اس ہوا اور جو اس میں ہے اور جس کا اسے حکم دیا گیا ہے، کی بہتری اور بھلائی کا سوال کرتے ہیں اور (اے اللہ!) ہم اس ہوا کے شر اور جو شر اس میں ہے اور جس شر کا اسے حکم دیا گیا ہے، سے تیری پناہ مانگتے ہیں".

باب : ۵۸

باب قوله تعالىٰ : ﴿ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ....﴾ الآية

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ﴾ (آل عمران : ۱۵۴)

''وہ اللہ کے بارے میں (ایام) جاہلیت کے ناحق گمان کرتے ہیں ، کہتے ہیں کہ کیا ہمیں بھی کسی چیز کا اختیار ہے ؟ آپ کہہ دیجئے سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں ، یہ لوگ اپنے دلوں کے بھید آپ کو نہیں بتاتے ، کہتے ہیں کہ اگر ہمیں بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے ، آپ ان سے کہہ دیں کہ تم اگر اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی قسمت میں قتل ہونا لکھا ہوا تھا وہ لازماً اپنے مقتل کی طرف چل کھڑے ہوتے ''.

اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت اور اپنے اسماء وصفات میں کامل واکمل ہے اور اس کے کمال میں سے یہ ہے کہ وہ جو بھی کام کرتا ہے وہ انتہا درجے کی حکمت سے پُر ہوتا ہے ، اس کے کاموں میں اس کی حکمت یہی ہے کہ وہ ہر چیز کو اس کی مناسب وموزوں جگہ پر رکھتا ہے جو کہ بعد میں اچھے انجام کا باعث بنتی ہے ، لھذا اس کی کمال کی وجہ سے بندوں پر واجب ہے کہ وہ اس کے ساتھ سچا اور اچھا گمان کریں ، اس کے کمال رحمت ، کامل عدل اور تمام حکمت سے یہ ہے کہ اس کے بارے میں اہل جاہلیت جیسا برا گمان اور نقص کا خیال نہ کیا جائے جو کہ بسا اوقات اساس توحید کے منافی ہوتا ہے

ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَلظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ﴾ (الفتح : ٦)

”جو لوگ اللہ کے بارے میں بدگمانیاں رکھتے ہیں دراصل انہیں پر برائی کا پھیرا ہے“

ابن قیم رحمہ اللہ پہلی آیت کے بارے میں فرماتے ہیں (زیر نظر آیت میں لوگوں کے جس جاہلانہ ناحق گمان کا ذکر ہے) اس کی تفسیر یہ ہیکہ وہ یہ گمان کرنے لگے تھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا اور اسکا معاملہ یعنی اس کی دعوت عنقریب مٹ جائے گی اور یہ کہ جو مصیبت مسلمانوں کو آئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر وحکمت سے نہ تھی۔

اور ناحق گمان کی یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ یہ لوگ اللہ کی تقدیر، حکمت اور رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کا انکار کرتے تھے اور سمجھتے تھے یہ دین تمام ادیان پر غالب نہیں آئے گا۔

منافقین اور مشرکین کا یہی برا گمان ہے جس کا ذکر سورہ الفتح کی اس آیت مبارکہ میں ہوا ہے: ﴿ اَلظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ﴾

”جو لوگ اللہ کے بارے میں بدگمانیاں رکھتے ہیں دراصل انہیں پر برائی کا پھیرا ہے“

اور یہ برا گمان اس لئے ہے کہ یہ ایسا گمان ہے جو اللہ تعالیٰ کی بابرکت ذات کے منافی ہے، جیسا

....

اور بسا اوقات کمال توحید کے۔

وہ اپنے شرک کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں یا یہ بات ان کے ذہنوں میں کارفرما ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال (نعوذ باللہ) افعال حق نہیں ہیں اور یہی تفسیر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی ہے کہ: ﴿ یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ ﴾ ”وہ کہتے ہیں کہ کیا ہمارے اختیار میں بھی کچھ ہے؟“

اس میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حکمت کا انکار کیا گیا ہے۔

کہ یہ اس کی حکمت ، اس کی حمد اور اس کے سچے وعدے کے بھی خلاف ہے ، پس جو شخص یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ باطل کو حق پر دائمی غلبہ دے گا اور اس وجہ سے حق مٹ جائے گا ، یا یہ سمجھے کہ یہ فیصلہ اللہ کی قضاء وقدر سے نہیں ہوا ، یا یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر قابل تعریف حکمت تامہ پر مبنی نہیں بلکہ یہ سمجھے کہ یہ محض اس کی مشیت ہے تو یہی وہ گمان ہے جو کافروں کا گمان ہے ، پس ان کافروں کے لئے جہنم کی آگ کا عذاب ہے، اور اکثر لوگ اپنے اور غیروں سے متعلقہ کاموں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوء ظن رکھتے ہیں ، اس بدگمانی سے صرف وہی لوگ سلامت رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ، اس کے اسماء وصفات اور اس کی حکمت وحمد کے اسباب کو پہنچانتے ہیں ، لھذا ہر عقلمند شخص کو جو اپنی بھلائی چاہتا ہو ، چاہیے کہ وہ مذکورہ بالا باتوں کا اہتمام کرے اور اللہ کے حضور اپنی اس بدگمانی اور سوء ظنی کی معافی مانگے اور توبہ واستغفار کرے .

اور اگر آپ لوگوں کی باتوں پر غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ اکثر لوگ تقدیر کے بارے میں ملامت کرنے اور بے راہ روی کا شکار ہیں اور تقدیر کا شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فلاں کام یوں ہونا چاہیے تھا اور فلاں یوں ، اس طرح بعض لوگ کسی قدر کم کہتے ہیں تو بعض بہت زیادہ ، آپ بھی اپنے نفس کا جائزہ لیجئے کہ کیا آپ اس بدگمانی سے بچے ہوئے ہیں ؟

فإن تنج منها تنج من ذی عظیمة وإلا فإنی لا إخالک ناجیا

اگر آپ اس سے محفوظ ہیں تو آپ ایک بہت بڑی بات سے بچے ہوئے ہیں ، وگرنہ میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس سے بچے ہوئے ہوں .

(وقوله : ﴿ اَلظَّانِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ﴾

" جو لوگ اللہ کے بارے میں بدگمانیاں رکھتے ہیں دراصل انہیں پر برائی کا پھیرا ہے "

ابن قیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ سلف رحمہم اللہ نے جاہلانہ ناحق بدگمانی کی تفسیر تین چیزوں میں سے

اس باب کے مسائل

۱- سورہ آل عمران کی آیت مبارکہ تفسیر (جس میں اللہ کے بارے میں براگمان رکھنے والوں کا تذکرہ ہے).

۲- سورہ فتح کی آیت مبارکہ کی تفسیر (جس میں براگمان رکھنے والوں پر ہی برا اثر پڑنے کا تذکرہ ہے).

....

ایک چیز کے ساتھ کی ہے اور وہ تینوں ہی درست اور صحیح ہیں:

۱-تقدیر کا انکار کرنا ۲- اللہ تعالیٰ کی حکمت کا انکار کرنا

۳- اللہ تعالیٰ کی مدد کا انکار کرنا جو اس کے رسول کے لئے ہو یا اس کے دین کیلیے ہو یا اس کے نیک بندوں کے لئے ہو.

(وأكثر الناس يظنون بالله ظن السوء فيما يختص بهم ....)

"اور اکثر لوگ اپنے اور غیروں سے متعلقہ کاموں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءظن رکھتے ہیں، اس بدگمانی سے صرف وہی لوگ سلامت رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے اسماء وصفات اور اس کی حکمت وحمد کے اسباب کو پہچانتے ہیں، لھذا ہر عقلمند شخص کو جو اپنی بھلائی چاہتا ہو، چاہیے کہ وہ مذکورہ بالا باتوں کا اہتمام کرے اور اللہ کے حضور اپنی اس بدگمانی اور سوءظنی کی معافی مانگے اور توبہ وا ستغفار کرے.

اور اگر آپ لوگوں کی باتوں پر غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ اکثر لوگ تقدیر کے بارے میں ملامت کرنے اور بے راہ روی کا شکار ہیں اور تقدیر کا شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فلاں کام یوں ہونا چاہیے تھا اور فلاں یوں، اس طرح بعض لوگ کسی قدر کم کہتے ہیں تو بعض بہت زیادہ، آپ بھی اپنے نفس کا جائزہ لیجئے کہ کیا آپ اس بدگمانی سے بچے ہوئے ہیں؟

۳- بدگمانی کی بے شمار اقسام ہیں جن کا کوئی اعداد و شمار نہیں .

۴- اس بدگمانی سے صرف وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی پہچان کے ساتھ ساتھ اپنے نفس کی معرفت سے بھی بہرہ مند ہو .

فإن تنج منها تنج من ذی عظیمة وإلا فإنی لا إخالک ناجیا

اگر آپ اس سے محفوظ ہیں تو آپ ایک بہت بڑی بات سے بچے ہوئے ہیں ، وگرنہ میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس سے بچے ہوئے ہوں .

لھذا ان باتوں سے ثابت ہوا کہ اس بدگمانی کا اصل سبب ، اللہ تعالیٰ جس چیز کا مستحق ہے اس سے اور اس نے اپنے بندوں پر جو صبر و تحمل وغیرہ واجبات عائد کئے ہیں ان سے لاعلمی اور عدم معرفت ہے

بہت سے لوگ ظاہراً سب کچھ تسلیم کرتے ہیں لیکن باطن میں ان کے دل بھی جاہلانہ بدگمانی اور سوء اعتقاد میں ملوث ہیں ، لھذا مومن پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں اپنے دل کو ہر ناحق بدگمانی سے پاک صاف رکھے ، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں ان (اسماء وصفات) کے آثار کی تعلیم حاصل کرے تاکہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں صرف یہی اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ برحق ہے اس کا ہر فعل برحق ہے چاہے اسے (بندے کو) کوئی بڑی مصیبت ہی کیوں نہ لاحق ہو .

باب ۵۹

منکرین تقدیر کا بیان

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "والذی نفس ابن عمر بیده لو کان لأحدهم مثل أحد ذهبا ثم أنفقه في سبيل الله ماقبله الله منه حتى يؤمن بالقدر - ثم استدل بقول النبي ﷺ: " الإيمان أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الأخر وتؤمن بالقدر خيره وشره " (صحيح مسلم)

تقدیر: چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کے سابقہ علم' اوراس کا لوح محفوظ میں انہیں لکھ دینے' اس کی عام مشیت' اوراس کا چیزوں اوران کے ساتھ قائم ہونے والی صفات کو پیدا کرنے کا نام ہے' بندوں کے افعال کو پیدا کرنا بھی اسی میں سے ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اللہ خالق کُلِّ شَیْءٍ﴾ "اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے" یعنی بندوں کا بھی اوران کے افعال کا بھی' کسی کے بارہ میں اس وقت تک ایمان بالقدر کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ ان تمام چیزوں پر ایمان نہیں لاتا اورانہیں تسلیم نہیں کرلیتا' کیونکہ نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں.

تقدیر کے انکار کی دو قسمیں ہیں:

۱ - وہ انکار جو کفر ہے انسان کو توحید اور دین سے خارج کر دیتا ہے' یہ اس وقت ہے جب انسان چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کے سابقہ علم کی نفی کرے یا لوح محفوظ میں اس علم کے لکھے ہونے کی نفی کرے.

۲ - تقدیر کا وہ انکار جو کفر سے کم درجہ کا ہے' یعنی ایسا کرنا بدعت ہے جو کمال توحید کے منافی ہے اور یہ اس وقت ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی عام مشیت کا انکار کرے یا اللہ تعالیٰ کے ہر چیز کا خالق ہونے کا انکار کرے.

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جان ہے اگر کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کردے تو اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے، پھر انہوں نے اپنی اس بات پر بطور دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا: ''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ' اسکے فرشتوں، اس کی کتابوں' اس کے رسولوں' قیامت کے دن اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے''۔

••

(و قال ابن عمر: والذی نفس ابن عمر بیده لو کان لأحدهم مثل أحد ذهبا ثم أنفقه فی سبیل الله ماقبله الله منه حتی یؤمن بالقدر) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جان ہے اگر کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کردے تو اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے''

کیوں؟ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال صرف مسلمان سے ہی قبول کرتا ہے ' اور جو تقدیر کا منکر ہو اور اس پر ایمان نہ رکھتا ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے لھذا اس کا کوئی عمل مقبول نہ ہوگا خواہ وہ احد پہاڑ کے برابر سونا ہی خرچ کرے۔

(ثم استدل بقول النبی ﷺ : الإیمان أن تؤمن بالله وملائکته وکتبه ورسله والیوم الأخر وتؤمن بالقدر خیره وشره) پھر انہوں نے اپنی اس بات پر بطور دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا: ''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ' اسکے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے''

یہ تقدیر کا اچھا یا برا ہونا ابن آدم کے لئے ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے فعل کے اعتبار سے تو اسکے

عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا:

"یا بنی ! إنک لن تجد طعم الإیمان حتی تعلم أن ما أصابک لم یکن لیخطئک ' وما أخطأك لم یکن لیصیبک ' سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : إن أول ماخلق اللہ القلم 'فقال له اکتب فقال رب !وما ذا اکتب؟ قال اکتب مقادیر کل شئ حتیٰ تقوم الساعة ' یا بنی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : من مات علی غیر ھذا فلیس منی " (سنن ابی داود و مسند احمد)

" بیٹا تو اس وقت تک لذت ایمان سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا جب تک یہ یقین نہ کرلے کہ جو (تکلیف) تجھے پہنچنے والی ہے وہ تجھ سے کبھی ٹل نہیں سکتی اور جو نہیں پہنچی وہ کبھی تم تک پہنچ نہیں سکتی ' میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

" اللہ تعالی نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے لکھنے کا حکم دیا اس نے کہا اے میرے رب ! کیا لکھوں ؟ اللہ تعالی نے فرمایا: قیامت تک آنیوالی ہر چیز کی تقدیر لکھ دے "

بیٹا ! میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا : جو شخص اس عقیدے کے علاوہ کسی دوسرے عقیدے پر مرا وہ میری امت میں سے نہیں "

تمام افعال ہی خیر اور بھلائی کا باعث ہیں کیونکہ وہ سبھی اسکی بڑی اور عظیم حکمتوں کے عین موافق ہیں

(و عن عبادة بن الصامت أنه قال لإبنه یا بنی ! إنک لن تجد طعم الإیمان حتی تعلم أن ما أصابک لم یکن لیخطئک ' وما أخطأك لم یکن لیصیبک).

عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا: بیٹا تو اس وقت تک لذت ایمان سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا جب تک یہ یقین نہ کرلے کہ جو (تکلیف) تجھے پہنچنے والی ہے وہ تجھ سے کبھی ٹل نہیں سکتی اور جو نہیں پہنچی وہ کبھی تم تک پہنچ نہیں سکتی.

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ تقدیر کے معاملات سے فارغ ہوا جا چکا ہے ' اور یہ چیزیں بھی

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے: ''إن أول ماخلق الله تعالى القلم فقال له اكتب فجرى فى تلك الساعة ماهو كائن إلى يوم القيامة'' اللہ تعالی نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے لکھنے کا حکم دیا چنانچہ اس نے اسی وقت قیامت تک ہونے والی ہر چیز لکھ دی''

ابن وھب کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فمن لم يؤمن بالقدر خيره و شره أحرقه الله بالنار'' ''جو شخص اچھی و بری تقدیر پر ایمان نہیں لایا اللہ تعالی اسے جہنم کی آگ میں جلائے گا''۔

ابن دیلمی رحمہ اللہ تعالی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: ''أتيت أبي بن كعب رضي الله تعالى عنه فقلت له: في نفسي شئ من القدر، حدثني بشئ لعل الله يذهبه من قلبي، فقال: لو أنفقت مثل أحد ذهبا ماقبله الله منك حتى تؤمن بالقدر و تعلم أن ما أصابك لم يكن ليخطئك، وماأخطأك لم يكن ليصيبك ولو مت على غير هذا لكنت من أهل النار، قال فأتيت عبدالله بن مسعود و حذيفة بن اليمان، وزيد بن ثابت رضي الله تعالى عنهم فكلهم حدثني ذلك عن النبي ﷺ'' (حديث صحيح رواه الحاكم في صحيحه)

'' میں ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا میرے دل میں تقدیر کے بارہ میں کچھ خدشات ہیں آپ کوئی حدیث بیان فرمائیں تا کہ اللہ تعالی میرے دل سے ان خدشات کو دور کر دے تو انہوں نے فرمایا: اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دو تو تمہارا یہ عمل اس وقت تک مقبول نہ ہوگا جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ گے اور

....

ایمان بالقدر کا حصہ ہی ہیں کہ تم ایمان لاؤ کہ اللہ تعالی نے تمہیں خود مختار بنایا ہے مجبور و بے بس نہیں بنایا کیونکہ تبھی تو تمہیں مکلف بنایا گیا ہے۔

یقین نہ کر لو کہ جو (تکلیف) تمہیں پہنچنے والی ہے وہ تم سے ٹل نہیں سکتی اور جو نہیں آنے والی وہ تم تک پہنچ نہیں سکتی' اگر تمہارا عقیدہ اس کے خلاف ہوا اور تم اسی حالت میں مر گئے تو تم جہنمی ہو گے"

ابن دیلمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں عبداللہ بن مسعود' حذیفہ بن یمان' اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے بھی نبی اکرم ﷺ کی اس طرح حدیث بیان فرمائی۔ (یہ حدیث صحیح ہے اور اسے حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے)

اس باب کے مسائل

۱- تقدیر پر ایمان لانا فرض ہے۔

۲- اس میں تقدیر پر ایمان لانے کی کیفیت کا بیان ہے۔

۳- تقدیر پر ایمان نہ لانے والے شخص کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔

۴- جو شخص تقدیر پر ایمان نہ لائے وہ حقیقی ایمان سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔

۵- اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا اس کا بیان۔

....

(سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: إن أول ماخلق اللہ القلم' فقال له اکتب فقال رب وما ذا أکتب؟ قال اکتب مقادیر کل شئ حتیٰ تقوم الساعة)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

" اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے لکھنے کا حکم دیا اس نے کہا اے میرے رب! کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قیامت تک آنیوالی ہر چیز کی تقدیر لکھ دے"۔

اس حدیث مبارک میں کتابت تقدیر کے مراتب کی دلیل ہے' اور آپ کا یہ فرمانا: (إن أول ماخلق اللہ القلم) محققین کے نزدیک اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ یہاں پر'

۶ - اس چیز کا بھی بیان ہے کہ اس قلم نے اسی وقت سے لے کر تا قیامت ہونے والے تمام امور لکھ ڈالے۔

۷- تقدیر پر ایمان نہ لانے والے سے نبی اکرم ﷺ نے بیزاری ولا تعلقی کا اظہار فرمایا ہے۔

۸-سلف صالحین شبہات پیدا ہونے کی صورت میں اہل علم کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان کے بابت ان سے پوچھا کرتے تھے۔

۹ - اہل علم نے (تقدیر کے متعلق) ان کے تمام شبہات کا جواب دے کر ان کا ازالہ کر دیا ہے اور اپنے دلائل کو براہ راست رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے۔

''أول'' ظرفیہ ہے جو کہ حین کا معنی دے رہا ہے' تو معنی یہ ہوا کہ ''جس وقت اللہ تعالی نے قلم کو پیدا فرمایا'' ورنہ مخلوقات میں پیدائش کے اعتبار سے سب سے پہلی چیز عرش ہے۔

باب ۶۰

تصویریں بنانے والوں کا حکم

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"ومن أظلم ممن ذهب يخلق كخلقي ، فليخلقوا ذرة أو ليخلقوا حبة أو ليخلقوا شعيرة" (بخاری و مسلم)

" اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری مخلوق جیسی مخلوق بنانے کی کوشش کرتا ہے یہ لوگ ایک ذرہ یا ایک دانہ یا ایک جو ہی بنا کر دکھلائیں"

••

اس باب کا معنی یہ ہے کہ تصویر بنانے والوں کے بارہ میں جو ... ہے اس کا بیان۔

مصور: اس آدمی کو کہتے ہیں جو اپنے ہاتھ سے کسی چیز کی معروف صورت میں تصویر بنائے تصویر کی دو جہتیں ہیں

۱۔ تصویر بنانے میں اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے، اس کی صفت اور اس کے نام میں مشابہت ومماثلت اختیار کرنا ہے۔

۲۔ یہ تصویر شرک کا ذریعہ و وسیلہ ہے کیونکہ اکثر مشرکین کا شرک تصویری جہت سے صادر ہوا، لھذا توحید کا حق تب ہی ادا ہوگا جب تصویروں کو باقی نہ رہنے دیا جائے کیونکہ تصویر مشرکین کی اپنی عبادت میں شرک کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔

(عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: قال الله عزوجل: ومن أظلم ممن ذهب يخلق كخلقي)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" أشد الناس عذابا يوم القيامة الذين يضاهئو ن بخلق الله " (بخاری و مسلم)

" قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو پیدا کرنے اور بنانے میں اللہ تعالی کی مشابہت کرتے ہیں"

....

" اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری مخلوق جیسی مخلوق بنانے کی کوشش کرتا ہے، پھر اللہ تعالی نے انہیں عاجز کرتے ہوئے فرمایا: (فليخلقو ا ذرة ، أو ليخلقو: حبة أو ليخلقوا شعيرة)" یہ لوگ ایک ذرہ، یا ایک دانہ یا ایک جو ہی بنا کر دکھلائیں"

جو شخص اللہ تعالی جیسی مخلوق پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے (یہ اس کے گمان کے مطابق ہے ورنہ حقیقت میں اللہ جیسی مخلوق پیدا کرنے پر کوئی بھی قادر نہیں ہے) گویا کہ وہ اپنے آپ کو اللہ سے تشبیہ دیتا ہے لھذا وہ مخلوق میں سب سے بڑا ظالم ٹھہرا۔

(ولهما عن عائشة رضى الله تعالى عنها أن رسول الله ﷺ قال : أشد الناس عذابا يوم القيامة الذين يضاهئو ن بخلق الله)

بخاری و مسلم میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو پیدا کرنے اور بنانے میں اللہ تعالی کی مشابہت کرتے ہیں"

تصویر بنانے میں اللہ تعالی کی مشابہت دو حالتوں میں کفر اکبر کا درجہ رکھتی ہے۔

۱- کسی بت کی تصویر بنائے تا کہ اس کی پرستش کی جائے اور اسے معلوم بھی ہو کہ اس کی پرستش کی جائیگی تو یہ اللہ تعالی کے ساتھ کفر اکبر ہے۔

۲- وہ کسی بت کی تصویر بنائے اور یہ خیال کرے کہ یہ اللہ تعالی کی تخلیق سے زیادہ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

" كل مصور في النار يجعل له بكل صورة صورها نفس يعذب بها في جهنم " (بخاری ومسلم)

" ہر تصویر بنانے والا جہنم میں جائیگا اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے بدلے ایک جان بنائی جائے گی جس کے ذریعہ اس (مصور) کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا"۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک اور روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" من صور صورة في الدنيا كلف أن ينفخ فيها الروح وليس بنافخ " (بخاری ومسلم)

....

خوبصورت اور بہترین ہے' اور یہی وہ حالت ہے جس کے بارہ میں حدیث وارد ہوئی ہے' اور اس حکم میں وہ بھی داخل ہوگا جو تصویر بنانے میں بالعموم مشابہت اختیار کرتا ہے، مثلاً جو شخص اپنے ہاتھ سے تصویر کاری کرتا ہے، یا کسی مجسمہ کو تراشتا ہے (یہ عمل مشابہت میں تو شامل ہے) لیکن اسے ملت و دین سے خارج نہیں کرتا، بلکہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک ہے جس کا مرتکب ملعون ہے اس کیلئے آگ کی وعید ہے۔

(ولهما عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما سمعت رسول الله ﷺ يقول: كل مصور في النار يجعل له بكل صورة صورها نفس يعذب بها في جهنم)

بخاری ومسلم میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: " ہر تصویر بنانے والا جہنم میں جائیگا اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے بدلے ایک جان بنائی جائے گی جس کے ذریعہ اس (مصور) کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا"۔

اس حدیث مبارک میں لفظ" نفس " سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تصویر سے مراد وہ تصویر ہے جو کسی ذی روح کی ہو چاہے حیوانات یا آدمی، اس لیئے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان احادیث میں جس

" جس شخص نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی اسے قیامت کے دن اس بات کا حکم دیا جائے گا کہ وہ اس تصویر میں روح پھونکے، مگر وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا"

ابوالھیاج رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے کہا " ألا أبعثک علی ما بعثنی علیه رسول الله ﷺ أن لا تدع صورة إلا طمستها ولا قبرا مشرفا إلا سویته " (صحیح مسلم)

"کیا میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا وہ یہ کہ ہر ایک تصویر کو مٹا دو اور جو بھی قبر اونچی ہو اسے زمین کے برابر کر دو".

اس باب کے مسائل

۱۔ تصویر بنانے والوں کے بارہ میں سخت وعید ہے.

۲۔ تصویر بنانے کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بڑی بے ادبی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو میری مخلوق

....

قدر وعید وارد ہوئی ہے وہ صرف ان تصاویر کے بارہ میں ہے جو روح پر مشتمل ہوں (یعنی حیوانات کی، یا انسانوں کی تصاویر میں).

(ولھما عنه مرفوعا: من صور صورة فی الدنیا کلف أن ینفخ فیھا ولیس بنافخ)

بخاری و مسلم میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعا مروی ہے کہ "جس شخص نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی اسے قیامت کے دن اس بات کا حکم دیا جائے گا کہ وہ اس تصویر میں روح پھونکے، مگر وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا"

کیونکہ روح کا مالک تو صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہ صرف اسی کے قبضہ میں ہے.

(ولمسلم عن أبی الھیاج قال: قال لی علی رضی الله تعالی عنه ألا أبعثک

جیسی مخلوق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

۳- اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مخلوق کی عاجزی و کمزوری کا بیان ہے' فرمایا: یہ لوگ ایک ذرہ یا ایک دانہ یا ایک جو ہی بنا کر دکھلا دیں۔

۴- اس بات کی صراحت ہے کہ تصویر بنانے والوں کو سخت عذاب ہوگا۔

۵- اللہ تعالیٰ ہر تصویر کے بدلے ایک جان پیدا کرے گا جس کے ذریعے تصویر بنانے والے (فوٹوگرافر) کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔

۶- مصور (فوٹوگرافر) کو تصویر میں روح پھونکنے کا مکلّف کیا جائے گا۔

۷- اس میں یہ بھی وضاحت ہے کہ تصویر جہاں بھی ہو اسے مٹا دینے کا حکم ہے۔

علی ما بعثنی علیه رسول الله ﷺ أن لا تدع صورة إلا طمستها ولا قبرا مشرفا إلا سويته)

صحیح مسلم میں ابوالھیاج رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ مجھے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "کیا میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تھا وہ یہ کہ ہر ایک تصویر کو مٹا دو اور جو بھی قبر اونچی ہو اسے زمین برابر کر دو"۔

اس حدیث مبارک میں حرمت تصویر کے دو اسباب میں سے دوسرے سبب کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ یہ تصویریں شرک کے وسائل و ذرائع میں سے ایک وسیلہ و ذریعہ ہیں' اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ: آپ نے تصویر مٹانے اور بلند قبر کو برابر کرنے' ان دونوں چیزوں کو ایک ہی حکم میں جمع فرمایا ہے' جبکہ بلند قبر کو باقی رکھنا شرک کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے اور اسی طرح (حکم کے اکٹھا ہونے کی وجہ سے) تصویر کا باقی رہنا بھی شرک کے وسائل و ذرائع میں سے ایک وسیلہ و ذریعہ ہے۔

باب .٦١

کثرت سے قسم اٹھانے کا حکم

ارشاد باری تعالی ہے :

﴿ وَاحْفَظُوْا أَيْمَانَكُمْ ﴾ (المائدة : ٨٩) " اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو"

ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

" الحلف منفقة للسلعة ممحقة للكسب " (بخاری ومسلم)

" قسم سامان کو رائج کردینے والی ہے لیکن برکت کو نیست و نابود کر دیتی ہے" .

سلمان رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" ثلاثة لايكلمهم الله ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم ' أشيمط زا ن ' وعائل مستكبر ' ورجل جعل الله بضاعته لايشترى إلا بيمينه ولا يبيع إلا بيمينه "

••

کثرت سے قسم اٹھانا اور کمال توحید دونوں چیزیں ایک شخص میں جمع نہیں ہوسکتیں' جس شخص کے دل میں توحید کامل ہو یا وہ کمال کے قریب ہو تو ایسا شخص اللہ تعالی کو اپنی قسموں کا ذریعہ نہیں بناتا' یعنی وہ قسم جو اٹھانے والے نے قسم کی نیت سے اٹھائی ہو ' البتہ لغو قسم (جو بغیر نیت کے ہو اور تکیہ کلام کے طور پر ہو) معاف ہے ،لیکن مستحب یہی ہے کہ توحید پرست انسان اللہ تعالی کا اکرام کرتے ہوئے اپنی زبان و دل کو لغو قسموں سے پاک صاف رکھے.

(عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول : الحلف منفقة للسلعة وممحقة للكسب) ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: قسم سامان کو بیچنے رائج کردینے والی ہے لیکن برکت کو نیست و نابود کر دیتی ہے .

تین قسم کے لوگ ایسے ہیں (قیامت کے دن) جن سے اللہ تعالیٰ نہ تو بات کرے گا اور نہ ہی انہیں (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا '۱ - بوڑھا زانی '۲ - متکبر فقیر '۳ - اور ایک وہ آدمی جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا مال سمجھا ہوا ہے کہ اس کی قسم ہی سے خریدتا ہے اور اس کی قسم ہی سے بیچتا ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" خير أمتي قرني ثم الذين يلونهم ' ثم الذين يلونهم ' قال عمران : فلا أدري أذكر بعد قرنه مرتين أو ثلاثا ؟ " ثم إن بعد كم قوم يشهدون ولا يستشهدون ويخونون ولا يؤتمنون ' وينذرون ولا يوفون ' ويظهر فيهم السمن " (صحيح مسلم)

....

اس کا سبب یہ ہے کہ یہ ایک قسم کی اس سزا ہے کیونکہ اس پر جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم واجب تھی اس نے اسے ادا نہیں کیا۔

(عن سلمان رضي الله تعالى عنه أن رسول الله ﷺ قال :ثلاثة لا يكلمهم الله ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم ' أشيمط زان) سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں (قیامت کے دن) جن سے اللہ تعالیٰ نہ تو بات کرے گا اور نہ ہی انہیں (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا '۱ - بوڑھا زانی " یعنی وہ شخص جس پر بڑھاپا چھا جائے لیکن اس کا دل زنی سے چمٹا ہوا ہو (وعائل مستكبر ' ورجل جعل الله بضاعته لا يشترى إلا بيمينه ولا يبيع إلا بيمينه) ۲ - متکبر فقیر '۳ - اور ایک وہ آدمی جس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا مال سمجھا ہوا ہے کہ قسم ہی سے خریدتا ہے اور قسم ہی سے بیچتا ہے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنا مال بناتا ہے وہ مذموم ہے اور وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔

" میری امت کا سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے ' پھر وہ جو اس کے بعد ہوگا ' پھر وہ جو اس کے بعد ہوگا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ آپ ﷺ نے اپنے زمانے کے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا یا کہ تین کا ؟ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: پھر تمہارے بعد ایسے لوگ ہونگے جو بغیر طلب کئے گواہی دیں گے ' خائن ہونگے ' امانت دار نہ ہونگے نذر مانیں گے تو پوری نہیں کریں گے ' اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا".

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"خير الناس قرني ' ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ' ثم الذين يلونهم ' ثم يجيئ قوم تسبق شهادة أحدهم يمينه ' ويمينه شهادته "(صحيح مسلم)

سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں ' پھر جو ان کے بعد آئیں گے ' پھر جو ان کے بعد آئیں گے ' پھر اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جن کی گواہی قسم سے پہلے اور قسم گواہی سے پہلے ہوگی.

(وفي الصحيح عن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله ﷺ خير امتي قرني ....)الحدیث.

صحیح مسلم میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا زمانہ بہترین زمانہ ہے ....)الحدیث.

(وفيه عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه أن النبي ﷺ قال : خير الناس قرني ' ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ' ثم يجيئ قوم تسبق شهادة أحدهم يمينه ' ويمينه شهادته)

صحیح مسلم میں ہی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اس باب کے مسائل

۱- قسموں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔

۲- یہ بتایا گیا ہے کہ قسم سامان فروخت کرنے کا ذریعہ تو ہے لیکن اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ ۳- ایسے شخص کیلئے سخت وعید ہے جو سامان خریدتے اور بیچتے وقت خواہ مخواہ قسمیں اٹھاتا ہے۔

۴- اس میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر چہ اسباب گناہ چھوٹے ہی ہوں مگر (استمرار کی وجہ سے) صغیرہ گناہ بھی کبیرہ بن جاتے ہیں۔

۵- ان لوگوں کی مذمت کا بیان ہے جو طلب کیئے بغیر ہی قسمیں اٹھاتے ہیں۔

۶- نبی اکرم ﷺ نے پہلے تین قرون یا چار قرون کی تعریف کی ہے اور پھر اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کی پیش گوئی فرمائی۔

۷- ان لوگوں کی مذمت کا بھی بیان ہے جو گواہی طلب کیئے بغیر ہی گواہی دینے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔

۸- اسلاف چھوٹے بچوں کو گواہی اور عہد پر قائم رہنے کیلئے مارا کرتے تھے۔

سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں' پھر جو ان کے بعد آئیں گے' پھر جو ان کے بعد آئیں گے' پھر اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جن کی گواہی قسم سے پہلے اور قسم گواہی سے پہلے ہوگی۔

(قال إبراهيم: كانوا يضربوننا على الشهادة والعهد ونحن صغار)

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ بچپن میں ہمارے بزرگ ہمیں گواہی اور عہد پر قائم رہنے کے لئے مارا کرتے تھے'') اس میں یہ بیان ہے کہ سلف صالحین رحمہ اللہ تعالی اپنی اولاد کو اللہ تعالی کی تعظیم کرنے کا ادب سکھلاتے تھے۔

باب ۶۲

اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ یعنی ضمانت دینے کا حکم

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴾ (النحل: ۹۱)

" اور جب تم اللہ تعالی سے عہد (واثق) کرو تو اس کو پورا کرو اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو، تم اللہ تعالی کو اپنے اوپر ضامن بنا چکے ہو اللہ تعالی تمہارے تمام افعال سے باخبر ہے"۔

بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو بڑی فوج پر یا کسی دستے پر امیر مقرر فرماتے تو اسے اللہ تعالی سے ڈرنے اور اپنے ہم سفر مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی وصیت کرتے اور فرماتے:

....

(ذمة الله وذمة نبيه) کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کا عہد (امانت و ضمان)۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا ﴾

" اور جب تم اللہ تعالی سے عہد (واثق) کرو تو اس کو پورا کرو اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو۔

آیت مبارکہ میں لفظ" عهد " کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ اس سے مراد عقود یعنی وہ عہد و پیمان اور معاملات ہیں جو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں' اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس

"أغزو بسم الله فی سبیل الله .... اتصیب فیهم حکم الله أم لا "

" اللہ تعالی کے راستے میں اس کا نام لے کر لڑنا ہر اس شخص سے لڑنا جو اللہ تعالی کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے' لڑائی کرنا خیانت نہ کرنا' بدعہدی نہ کرنا' مثلہ نہ کرنا' (یعنی کسی مقتول کے اعضاء نہ کاٹنا) بچوں کو قتل نہ کرنا' جب مشرک دشمن سے تمہارا سامنا ہو تو انہیں تین باتوں کی پیش کش کرنا' اگر وہ ان میں سے کوئی ایک مان لیں تو منظور کر لینا اور جنگ سے رک جانا۔

۱- سب سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا اگر وہ اسے قبول کر لیں تو اسے منظور کر لینا اور پھر انہیں دار کفر سے دار اسلام کی طرف ہجرت کی دعوت دینا اور انہیں بتانا کہ وہ ہجرت کریں گے تو انہیں وہ سب حقوق حاصل ہونگے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور جو بار مہاجرین کو برداشت کرنا پڑتا ہے انہیں بھی برداشت کرنا پڑے گا' اور اگر وہ ہجرت سے انکار کر دیں تو پھر یہ لوگ ان بدوی مسلمانوں کی طرح ہونگے جن پر اللہ تعالی کا حکم جاری ہے اور انہیں مال غنیمت یا مال فئی سے کوئی حصہ نہیں ملے گا' الا یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں۔

۲- اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو پھر ان سے جزیہ طلب کرنا' اگر وہ جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں تو قبول کر لینا اور جنگ سے رک جانا۔

....

سے مراد قسم ہے' لھذا عقد یعنی عہد و پیمان ہو یا قسم ہو اللہ تعالی کے حق کی تعظیم کرتے ہوئے انہیں پورا کرنا واجب ہے کیونکہ جس نے کسی چیز پر اللہ تعالی کی قسم اٹھائی گویا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے اپنے معاملے کی وفاء کو اللہ کا نام لیکر پختہ بنایا ہے تو جب وہ اس کی مخالفت کرے گا اور اسے توڑے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اللہ تعالی کی تعظیم نہیں کی۔

(وعن بریدة رضی الله تعالی عنه قال کان رسول الله ﷺ اذا أمر أمیرا علی جیش أو سریة أوصاه فی خاصته بتقوی الله ومن معه من المسلمین خیرا فقال أغزوا..

۳۔ اگر وہ جزیہ دینے سے انکار کر دیں تو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر ان سے لڑائی کرنا،
اور تم قلعہ بند دشمن کا محاصرہ کرو اور دشمن چاہے کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی امان اور تحفظ اور ضمانت دے دو تو ایسا ہرگز نہ کرنا ' بلکہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے امان دینا اس لئے کہ اگر تم اپنا یا اپنے ۔ساتھیوں کا ذمہ (امان) توڑ دو تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ توڑنے سے کم تر ہوگا ' اور جب تم کسی قلعہ بند دشمن کا محاصرہ کرو اور وہ چاہے کہ تم اسے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اتار دو ، تو ایسا بھی نہ کرنا بلکہ ان کو اپنے حکم پر اتارنا کیونکہ تمہیں کیا علم کہ تم ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو پہنچ سکو گے یا کہ نہیں ؟ ''

....

.... إذا حاصرت أهل حصن فأرادوك أن تجعل لهم ذمة الله وذمة نبيه فلاتجعل لهم ذمة الله وذمة نبيه ...... الخ رو ه مسلم)

بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ '' رسول اللہ ﷺ جب کسی کو بڑی فوج پر یا کسی دستے پر امیر مقرر فرماتے تو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اپنے ہم سفر مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی وصیت کرتے اور فرماتے: اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس کا نام لے کر لڑنا.

اور اگر تم قلعہ بند دشمن کا محاصرہ کرو اور دشمن چاہے کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی امان اور تحفظ اور ضمانت دے دو تو ایسا ہرگز نہ کرنا ' بلکہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے امان دینا اس لئے کہ اگر تم اپنا یا اپنے ساتھیوں کا ذمہ (امان) توڑ دو تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ توڑنے سے کم تر ہوگا.

اور جب تم کسی قلعہ بند دشمن کا محاصرہ کرو اور وہ چاہے کہ تم اسے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اتار دو تو ایسا بھی نہ کرنا بلکہ ان کو اپنے حکم پر اتارنا کیونکہ تمہیں کیا علم کہ تم ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو پہنچ سکو گے یا کہ نہیں ؟ .(اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

اس باب کے مسائل

۱- اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے ذمہ (امان و پناہ) اور مسلمانوں کے ذمہ میں فرق ہے۔

۲- اس میں یہ راہنمائی موجود ہے کہ جب دو خطرناک صورتیں درپیش ہوں تو ان میں سے جو کم خطرناک ہو اسے اختیار کرنا چاہئے۔

۳- آپ ﷺ کا یہ فرمان "أغزو بسم الله فی سبیل الله" اللہ کی راہ میں اسی کا نام لے کر جہاد کرنا چاہئے۔

۴- آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ جو اللہ تعالی کے ساتھ کفر کا مرتکب ہو اس سے لڑائی کرو۔

۵- نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: کہ اللہ تعالی سے مدد طلب کرو اور کافروں سے لڑائی کرو۔

اس حدیث میں واضح طور پر یہ دلالت موجود ہے کہ اللہ تعالی کی تعظیم کرنی چاہئے اور انسان کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالی اور اسکے نبی محمد ﷺ کا ذمہ (عہد و امان) نہ دے بلکہ انہیں اپنا ذمہ دے۔

اس حدیث مبارک میں اہل توحید اور ان طلبہ کیلئے جو اس (دینی) علم کا اہتمام کرنے والے ہیں اور لوگ بھی انہیں جانتے ہیں کہ یہ علم کا اہتمام کرنے والے ہیں یہ تنبیہ کہ ان سے جلدی میں ایسے الفاظ یا افعال صادر نہ ہوں جو اس بات کی دلیل ہوں کہ یہ (طلبہ) اس علم پر عمل پیرا نہیں ہیں، لھذا (اے طالب علم) آپ کے لئے لازم ہے کہ آپ یاد رکھیں کہ لوگ آپ کی جانب دیکھ رہے ہیں بالخصوص آج کے زمانہ میں جو کہ فتنوں اور شبہات کا زمانہ ہے، وہ آپ کی جانب دیکھتے ہیں کہ

۶ - اللہ تعالی اور علماء کے فیصلے میں فرق ہے .

۷- اس سے یہ ثابت ہوا کہ بوقت ضرورت صحابی بھی کوئی حکم یا فیصلہ کرے تو وہ بھی نہیں جانتا کہ یہ حکم اور فیصلہ اللہ تعالی کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں .

آپ ہی حامل توحید وسنت ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ جب بھی کوئی معاملہ کریں تو ایسی چیز کے ساتھ کریں جس میں اللہ رب العزت کی تعظیم ہو، اور آپ ایسا بن کے دکھائیں کہ آپ کے اللہ تعالی کی تعظیم کرنے کی وجہ سے وہ بھی اللہ تعالی کی تعظیم کرنے لگیں، اور قسم اور اللہ تعالی کے ذمہ کو مت توڑیں، اور نہ ہی گواہی دینے یا معاملہ کرنے میں کسی کا خوف کریں، کیونکہ یہ آپ جس دین اور علم کے حامل ہیں اس کے اثر کو کم کرنے والی چیز ہے .

باب ۶۳

اللہ تعالی پر قسم اٹھانے کا حکم

جندب بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

" قال رجل واللہ لا یغفر اللہ لفلان ' فقال اللہ عزوجل : من ذا الذی یتألی علی أن لا أغفر لفلان ؟ إنی قد غفرت لہ وأحبطت عملک " (صحیح مسلم)

اللہ تعالی پر قسم اٹھانے کی دو صورتیں ہیں :

۱- اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے 'تکبر اور سرکشی کرتے ہوئے اللہ تعالی پر قسم اٹھانا یہاں تک کہ وہ اپنے لئے اللہ تعالی پر حق سمجھتا ہے 'اور یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالی اس کی پسند کے مطابق فیصلہ کریں گے ، تو قسم کی یہ صورت کمال توحید کے منافی ہے اور بسا اوقات اساس توحید کے بھی منافی ہوتی ہے ۔

۲- اللہ تعالی کے لئے عاجزی اور انکساری اور اپنے آپ کو حقیر اور اسی کا محتاج سمجھتے ہوئے اللہ تعالی پر قسم اٹھائی جائے 'تو یہ وہ قسم ہے جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے :

(إن من عباد اللہ من لو أقسم علی اللہ لأبرہ) " کہ اللہ تعالی کے بعض نیک اور صالح بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالی پر قسم اٹھالیں تو اللہ تعالی ان کی قسم کو پورا فرما دیتے ہیں " اور یہ اس وجہ سے کہ اس نے اللہ تعالی پر حسن ظن اور اعتماد کیا ہے ۔

(عن جندب بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما قال رسول اللہ ﷺ قال رجل واللہ لا یغفر اللہ لفلان ' فقال اللہ عزوجل : من ذا الذی یتألی علی أن لا أغفر لفلان ؟)

جندب بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

ایک آدمی نے کہا اللہ کی قسم ! اللہ تعالی فلاں کی مغفرت نہیں کرے گا ، اللہ تعالی نے فرمایا :

ایک آدمی نے کہا اللہ کی قسم ! اللہ تعالی فلاں کی مغفرت نہیں کرے گا ، اللہ تعالی نے فرمایا: یہ کون ہوتا ہے جو مجھ پر قسم اٹھاتا ہے کہ میں فلاں کی مغفرت نہیں کرونگا (جاؤ) میں نے اس کی مغفرت کردی اور تیرے (یعنی قسم اٹھانے والے کے) اعمال ضائع کردئے.

ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں ہے کہ:

" إن القائل رجل عابد ، قال أبو هريرة رضى الله تعالى عنه ، تكلم بكلمة أوبقت دنياه وآخرته "

" یہ قسم اٹھانے والا ایک عابد وزاھد شخص تھا ' ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ اس نے صرف ایک کلمہ کہا جس نے اس کی دنیا وآخرت تباہ کر کے رکھ دی".

اس باب کے مسائل

۱- اللہ تعالی پر قسم اٹھانا سخت منع ہے.

۲- جہنم کی آگ انسان کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے.

۳- اور جنت بھی انسان کے اتنی ہی قریب ہے.

۴- اس حدیث میں نبی ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان کی تصدیق وتائید ہے "إن

یہ کون ہوتا ہے جو مجھ پر قسم اٹھاتا ہے کہ میں فلاں کی مغفرت نہیں کرونگا.
یہ فلاں شخص ایک فاسق اور گناہ گار انسان تھا تو اس عابد وزاہد شخص نے قسم اٹھائی اور اپنے نفس کی تعظیم کی اور یہ خیال کیا کہ وہ اللہ تعالی کی عبادت کرکے اس مقام ومرتبہ کو پہنچ چکا ہے کہ وہ اللہ تعالی کے افعال میں دخل اندازی کرسکتا ہے اور یہ کہ وہ جو کچھ بھی طلب کرے اللہ تعالی اسے خالی نہیں لوٹائیں گے ' اور یہی بات حقیقت عبودیت (بندگی) کے منافی ہے.
چنانچہ اللہ تعالی نے اس کی سرزنش فرمائی اور فرمایا:

الرجل ليكلم كلمة .... الخ "

کہ بسا اوقات انسان کوئی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے جس سے اس کی دنیا و آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔

۵- بسا اوقات انسان کی کسی ایسے سبب سے بخشش ہو جاتی ہے جو اس کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

....

(من ذا الذی یتألی علی) کون ہے جو مجھ پر قسم اٹھاتا ہے لفظ "إيلاء" "إلية" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے تکبر کرتے ہوئے قسم اٹھانا (ألا أغفر لفلان إني قد غفرت له و أحبطت عملک) کہ میں فلاں کی مغفرت نہیں کروں گا (جاؤ) میں نے فلاں کی مغفرت کر دی اور تیرے اعمال تباہ کر دیے۔

یعنی اللہ تعالی نے برے آدمی کی مغفرت فرمادی اور اس عابد و زاہد شخص کے اعمال تباہ کر دیے، اس سے یہ بات کس قدر واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کی تعظیم کی مخالفت کرنا اور توحید باری تعالی کی مخالفت کرنا کتنا بڑا جرم ہے۔

باب ۶۴

اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر سفارشی بنانے کی ممانعت

جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

" یارسول اللہ ﷺ هلكت الأنفس ،وجاع العيال ، وهلكت الأموال فاستسق لنا ربک ، فإنا نستشفع بالله عليک وبک على الله ، فقال النبی ﷺ سبحان الله سبحان الله فمازال يسبح حتى عرف ذلک في وجوه أصحابه ثم قال النبی ﷺ ويحک أتدرى ماالله ؟ إن شأن الله أعظم من ذلک ، إنه لا يستشفع بالله على أحد " و ذكر الحديث (ابو داود)

" یارسول اللہ ﷺ جانیں تلف ہوگئیں ، بچے بھوکے مر گئے اور مال برباد ہو گئے ، آپ ہمارے لئے اپنے رب سے بارش کی دعا فرمائیں ہم اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور بطور سفارشی پیش کرتے ہیں ، آپ ﷺ نے (اس کی بات سن کر) سبحان اللہ، سبحان اللہ (اللہ تعالیٰ پاک ہے) کہا آپ بدستور سبحان اللہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ

....

اس باب کا معنی یہ ہے کہ مخلوق تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو بطور واسطہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور یہ کمال توحید کے منافی ہے۔

(عن جبير بن مطعم رضی الله تعالى عنه قال جاء أعرابي إلى النبي ﷺ فقال يارسول الله ﷺ هلكت الأنفس ،وجاع العيال ، وهلكت الأموال فاستسق لنا ربک ، فإنا نستشفع بالله عليک وبک على الله)

جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بدوی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ جانیں تلف ہوگئیں ، بچے بھوکے مر گئے اور مال برباد ہو گئے ، آپ

اس کا اثر صحابہ کرام کے چہروں سے ظاہر ہونے لگا' پھر آپ نے فرمایا: افسوس ہے تجھ پر کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالی کیا ہے؟ (یعنی اس کا کیا مقام اور اس کی کیا شان ہے؟) اللہ تعالی کی شان وقدر اس سے کہیں بلند ہے (جیسا تو نے سمجھا) اسے کسی کے سامنے سفارشی کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا''.

اس باب کے مسائل

۱-آپ ﷺ نے اس بدوی پر ناگواری کا اظہار فرمایا جس نے اللہ تعالی کو آپ پر بطور سفارشی پیش کیا تھا.

۲-بدوی کی بات سن کر آپ ﷺ کا چہرہ اس قدر متغیر ہو کہ اس کے آثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے چہروں پر بھی ظاہر ہوئے.

۳-نبی اکرم ﷺ نے بدوی کی دوسری بات ''ونستشفع بک علی اللہ'' کہ

ہمارے لئے اپنے رب سے بارش کی دعا فرمائیں ہم اللہ تعالی کو آپ کے پاس اور آپ کو اللہ تعالی کے حضور بطور سفارشی پیش کرتے ہیں.

اللہ تعالی کو سفارشی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالی کو آپ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ بناتے ہیں یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے دعا کریں' اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی کی عظمت وشان اس سے کہیں زیادہ اور بلندتر ہے اور مخلوق اپنے پروردگار کے مقابلہ میں گری پڑی اور حقیر وذلیل ہے.

(فقال النبی ﷺ سبحان اللہ سبحان اللہ فمازال یسبح)

''آپ ﷺ نے (اس کی بات سن کر) سبحان اللہ سبحان اللہ (اللہ تعالی پاک ہے) کہا آپ بدستور سبحان اللہ پڑھتے رہے''یعنی آپ بار بار سبحان اللہ پڑھتے تاکہ اللہ تعالی کی پاکیزگی اور

ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور سفارشی پیش کرتے ہیں ' پر نکیر نہیں فرمائی.

۴ - اس میں سبحان اللہ کے مفہوم و معنی کی طرف بھی اشارہ ہے.

۵ - یہ بھی ثابت ہو کہ مسلمان (صحابہ کرام) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے بارش کی دعا کروایا کرتے تھے.

••

اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو اور ہر برے وصف سے اللہ تعالیٰ کی تقدیس ہر نقص و کمی کے شائبہ اور برے ظن سے اللہ تعالیٰ کی نزاہت کو بیان کریں.

(حتی عرف ذلک فی وجوه أصحابه ثم قال النبی ﷺ ویحک أتدری ما اللہ ؟ إن شأن اللہ أعظم من ذلک' إنه لا یستشفع باللہ علی أحد)

(اس کی بات سن کر آپ کا چہرہ اس قدر متغیر ہو کہ) اس کا اثر صحابہ کرام کے چہروں سے ظاہر ہونے لگا ' پھر آپ نے فرمایا: افسوس ہے تجھ پر کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے ؟ (یعنی اس کا کیا مقام اور اس کی کیا شان ہے ؟) اللہ تعالیٰ کی شان و قدر اس سے کہیں بلند ہے.

باب .٦٥

نبی اکرم ﷺ کا گلشن توحید کی حفاظت فرمانا اور شرک کے راستوں کو بند کرنا

عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں :

" انطلقت في وفد بني عامر إلى رسول الله ﷺ فقلنا أنت سيدنا ' فقال السيد الله تبارك وتعالى ' قلنا: وافضلنا فضلا ،وأعظمنا طولا فقال قولوا بقولكم أو بعض قولكم ' ولا يستجر ينكم الشيطان " (ابو داود و سنده جيد)

" میں بنو عامر کے وفد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے کہا آپ ہمارے سردار ہیں آپ نے فرمایا : سردار تو صرف اللہ تبارک وتعالی ہی ہے پھر ہم نے کہا آپ مقام و مرتبہ میں ہم سب سے افضل ہیں اور بہت زیادہ احسان کرنے والے ہیں آپ نے فرمایا : جو تم کہتے ہو یا اس طرح کی بعض (مناسب) باتیں کہتے رہو (لیکن خیال رکھنا) شیطان تمہیں کہیں پھانس نہ لے ".

••

(عن عبد الله بن الشخير رضى الله تعالى عنه قال انطلقت في وفد بني عامر إلى رسول الله ﷺ فقلنا أنت سيدنا ' فقال السيد الله تبارك وتعالى)

عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں :

" میں بنو عامر کے وفد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے کہا آپ ہمارے سردار ہیں آپ نے فرمایا : سردار تو صرف اللہ تبارک وتعالی ہی ہے.

آپ ﷺ سید ولد آدم یعنی آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار ہیں اس کے باوجود آپ نے فرمایا سردار تو صرف اللہ تعالی ہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کس قدر گلستان توحید کی

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ چند لوگوں نے کہا:

''یا رسول اللّٰه ﷺ یا خیرنا ، ابن خیرنا ، وسیدنا وابن سیدنا، فقال : یاأیها الناس قولو ا بقولکم ولا یستهوینکم الشیطان ، أنا محمد بن عبداللّٰه ورسوله ماأحب أن ترفعونی فوق منزلتی ألتی أنزلنی اللّٰه '' (سنن النسائی)

'' اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اے ہم میں سب سے بہتر اور بہتر انسان کے بیٹے اے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے، آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو: جو تم باتیں کہتے ہو کہتے رہو کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے 'میں محمد ﷺ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں مجھے یہ بات پسند نہیں کہ تم مجھے میرے اس مرتبہ و مقام سے بڑھا دو جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے''.

حفاظت فرمائی ہے اور شرک کی طرف جانے والے تمام راستوں کو بند کیا ہے تو انہیں راستوں میں سے ایک راستہ یہ بھی ہے کہ الفاظ میں مبالغہ کرنا (اس حدیث میں آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمادیا).

کسی انسان کو سید کہہ کر مخاطب کرنا اور اس کی جمع کے صیغے کی طرف نسبت کہ تو ہمارا سردار ہے یہ انتہائی شدید جملہ ہے، اہل علم کے نزدیک کسی انسان کیلئے لفظ'' السید'' الف لام کے ساتھ استعمال کرنا شدید مکروہ ہے کیونکہ الف لام کی موجودگی میں اس سے سیادت و سرداری کے تمام معانی سمجھے جاتے ہیں اور اسی طرح آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو لوگ بعض اولیاء کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں جیسا کہ'' السید بدوی '' ہے وہ لوگ لفظ (السید) کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کے ہاں تو ''السید'' کیلئے عبودیت (بندگی) کا بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے اور ان کے نزدیک سید سے مراد سید بدوی ہے.

(قلنا: وأفضلنا فضلا وأعظمنا طولا فقال قولوا بقولکم أو بعض قولکم ولایستجرینکم الشیطان ، رواه ابو داود بسند جید)

اس باب کے مسائل

۱- آپ ﷺ نے لوگوں کو مبالغہ آمیزی سے ڈرایا ہے۔

۲- اس میں یہ بیان ہے کہ لوگ جسے " أنت سیدنا " (تو ہمارا سردار ہے) کہیں تو اسے جواب میں کیا کہنا چاہئے۔

ہم نے کہا آپ مقام و مرتبہ میں ہم سب سے افضل ہیں اور بہت زیادہ احسان کرنے والے ہیں آپ نے فرمایا: جو تم کہتے ہو یا اس طرح کی بعض (مناسب) باتیں کہتے رہو (لیکن خیال رکھنا) شیطان تمہیں کہیں پھانس نہ لے۔ اسے ابو داود رحمہ اللہ نے جید سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

یہ اس لئے کہ ان کلمات میں براہ راست مدح و ثناء ہے اور یہ شیطان کی جانب سے ہے یہاں تک کہ وہ بھی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا شروع کر دیتا ہے چنانچہ پھر ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ جو کوئی بھی (لا حول ولا قوة إلا باللہ) نہیں پڑھتا، اپنے نفس کو حقیر، عاجز اور منکسر نہیں سمجھتا تو وہ ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے اور اسے ناگہانی آفت آ پڑتی ہے۔

(وعن أنس رضی اللہ تعالی عنه أن أناسا قالوا یا رسول اللہ ﷺ یا خیرنا و ابن خیرنا ....) الحدیث۔

اس حدیث میں لوگوں نے جو نبی ﷺ کے اوصاف بیان کئے ہیں وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود ہیں لیکن آپ نے شرک کی طرف پہنچنے والوں کا سد باب فرمایا تا کہ کوئی بھی آپ کے اقرار کرنے کی وجہ سے ان راستوں میں سے کسی راستے میں داخل نہ ہو جائے اور وہ کسی کی تعظیم کرے اور شیطان بھی تعظیم کیئے جانے والے اور تعظیم کرنے والے شخص کے پاس پہنچ جائے اور پھر وہ دلوں کو اس معظم (تعظیم کیئے جانے والے) کی طرف متوجہ کر دے یہاں تک کہ وہ اسے اللہ تعالی

۳- ان لوگوں نے اگرچہ صحیح بات کہی تھی لیکن پھر بھی آپ نے فرمایا:

"ولا يستجرينكم الشيطان " "کہ شیطان تمہیں کہیں پھانس نہ لے".

۴- آپ ﷺ نے فرمایا:

"ماأحب أن ترفعوني فوق منزلتي " "میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے میرے مقام و مرتبہ سے بڑھاؤ".

••

کا شریک ٹھہرادیں، اور یہاں تک کہ وہ اس کی ایسی تعظیم کریں جس کا وہ مستحق نہ ہو گویا یہ باب ایک ایسا جامع باب ہے جس میں شرک تک پہنچانے والے ان تمام ذرائع کا بیان ہے جن سے بچنا واجب ہے.

باب:٦٦

باب ماجاء فی قول الله تعالیٰ :
﴿ وَمَاقَدَرُوْا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِیْعًا .... ﴾الأیة

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَمَاقَدَرُوْا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِهِ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلیٰ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴾ (الزمر : ٦٧)

”اورانہوں نے کماحقہ اللہ کی قدر نہیں کی ، قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے ، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور بلند ہے“

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا :

”یا محمد ! إنا نجد أن الله یجعل السموات علی إصبع ، والأرضین علی إصبع ، والشجر علی إصبع ، والماء علی إصبع ، والثری علی إصبع ، وسائر الخلق علی إصبع ، فیقول : أناالملک ، فضحک النبی ﷺ حتی بدت نواجذه تصدیقا لقول الحبر ، ثم قرأ : ﴿وَمَاقَدَرُوْا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ﴾ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

”اے محمد ﷺ ! ہم (اپنی کتاب میں یہ بات لکھی ہوئی) پاتے ہیں کہ اللہ تعالی

....

اس دعوت (توحید) کے امام شیخ الاسلام (مصنف رحمہ اللہ) نے اس کتاب کو اس باب

قیامت کے دن سارے آسمانوں کو ایک انگلی پر ، تمام زمینوں کو ایک انگلی پر ، تمام درختوں کو ایک انگلی پر ، پانی کو ایک انگلی پر ، کیچڑ کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ کر فرمائے گا :

میں ہی بادشاہ ہوں ، آپ ﷺ (اس بات کو سن کر بطور تصدیق) ہنس پڑے حتی کہ آپ کی داڑھیں نمایاں ہوگئیں ، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :

'' اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ قدر نہیں کی ، حالانکہ قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے ''

اور ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں :

'' والجبال والشجر على إصبع ، ثم يهزهن فيقول : أنا الملك ، أنا الله ''
(صحيح مسلم)

''اور (اللہ تعالیٰ قیامت کو) تمام پہاڑ اور درختوں کو ایک انگلی پر رکھے گا ، پھر ان کو ہلا کر کہے گا : میں ہی بادشاہ ہوں ، میں ہی اللہ ہوں '' .

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ :

''يجعل السمٰوات على إصبع ، والماء والثرىٰ على إصبع ، وسائر الخلق على إصبع '' (صحیح بخاری)

'' اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر اور پانی و کیچڑ کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوقات

....

کے ساتھ بڑے عظیم اور احسن انداز میں ختم فرمایا ہے ، کیونکہ جو کوئی بھی اس باب میں بیان شدہ اوصاف باری تعالیٰ کو صحیح معنوں میں جان لے تو وہ لازماً اپنے آپ کو حقیقی طور پر رب ذوالجلال کے لئے مطیع وفرمانبردار اور عاجز ومنکسر بنا دے گا .

کو ایک انگلی پر رکھے گا"۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" يطوى الله السموات يوم القيامة ، ثم يأخذهن بيده اليمنىٰ ، ثم يقول : أنا الملك ، أين الجبارون ؟ أين المتكبرون ؟ ثم يطوى الأرضين السبع بشماله ، ثم يقول : أنا الملك ، أين الجبارون ؟ أين المتكبرون ؟ " (صحيح مسلم)

" اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا: "میں ہی بادشاہ ہوں (دنیا میں) سرکشی اور تکبر کرنے والے (آج) کہاں ہیں؟" پھر اللہ تعالیٰ ساتوں زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا: "میں ہی بادشاہ ہوں (دنیا میں) سرکشی اور تکبر کرنے والے (آج) کہاں ہیں؟"

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں:

" ماالسموات السبع والأرضون السبع فى كف الرحمن إلا كخردلة فى يد أحدكم "

" ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں (اللہ) رحمٰن کے ہاتھ میں یوں ہونگے جیسے تمہارے کسی ایک کے ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو"

ابن جریر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یونس نے، اور وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابن وہب نے، اور وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابن زید نے، اور وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ زید نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

....

(وَمَاقَدَرُوْا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ) یعنی انہوں نے اللہ کی تعظیم کرنے کا حق ادا نہیں کیا، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی کما حقہ تعظیم کرتے تو کبھی بھی غیر اللہ کی پوجا نہ کرتے، چنانچہ اگر آپ اپنے پروردگار کے بارے میں غور وفکر کریں، جو کہ غالب حکمت والا ہے، صفات جلال سے متصف ہے اور وہ عرش پر

"ماالسموات السبع فی الکرسی إلا کدراھم سبعة ألقیت فی ترس"

"ساتوں آسمان کرسی کے بالمقابل یوں ہیں جیسے سات درہم کسی ڈھال میں ڈال دیئے جائیں"

اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا :

"ماالکرسی فی العرش إلا کحلقة من حدید ألقیت بین ظھری فلاة من الأرض"

"اللہ تعالیٰ کی کرسی اس کے عرش کے مقابلے میں یوں ہے جیسے لوہے کا ایک کڑا کسی وسیع وعریض میدان میں پھینک دیا جائے"۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ :

"پہلے اور دوسرے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے ، اسی طرح ہر آسمان سے اگلے آسمان تک اتنا ہی فاصلہ ہے ، اور ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان ، اور کرسی اور پانی کے درمیان بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے ، اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر ہے اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہیں ۔ (یادرکھو !) تمہارا کوئی عمل اس سے پوشیدہ ومخفی نہیں ہے ۔"

(یہ حدیث ابن مہدی نے حماد بن سلمہ سے انہوں نے عاصم سے ، اور انہوں نے زر سے اور انہوں نے عبداللہ سے بیان کی ہے ۔اور اسے مسعودی نے عاصم ، ابووائل اور عبداللہ کے واسطہ سے بھی روایت کیا ہے ، حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا قول ہے کا اس حدیث کی اور بھی سندیں ہیں)

....

مستوی اپنی وسیع بادشاہت میں (لوگوں کو نیکی کا) حکم کرتا ہے اور (برائی سے) منع کرتا ہے جس کی بادشاہت میں یہ زمین ایک معمولی سی چیز کی حیثیت رکھتی ہے وہ اپنی رحمتوں اور نعمتوں کی برکھا جس پر چاہتا ہے برساتا ہے اور مصیبتوں وپریشانیوں کو جس سے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے، وہ پاک ذات صاحب وانعام وفضل ہے، پھر آپ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی کاریگریوں کا مظاہرہ کریں اور آسمانوں میں فرشتوں کی اللہ تعالیٰ کے لئے عبودیت وبندگی کا مشاہدہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا یہ

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"هل تدرون كم بين السماء والأرض؟ قلنا : الله ورسوله أعلم ، قال : بينهما مسيرة خمس مائة سنة ، ومن كل سماء إلى سماء مسيرة خمس مائة سنة ، و كثف كل سماء مسيرة خمس مائة سنة ، وبين السماء السابعة والعرش بحر ، بين أسفله وأعلاه كما بين السماء والأرض ، والله تعالىٰ فوق ذلك ، وليس يخفى عليه شيء من أعمال بني آدم " (سنن أبي داود)

"کیا تم جانتے ہو کہ زمین و آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم نے کہا، اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے، ساتویں آسمان اور عرش الٰہی کے درمیان ایک سمندر ہے، اس کے نیچے اور اوپر والے حصوں کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا آسمان وزمین کے درمیان ہے اور اللہ تعالیٰ اس (عرش) کے اوپر ہیں، بنو آدم کے اعمال میں سے کوئی عمل بھی اس سے مخفی نہیں ہے"۔

سبھی چیزیں اسی عظیم باب اور مسئلے کی طرف راہنمائی کر رہی ہیں۔

پھر تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ جو بڑی عظمت و جلالت والی ذات ہے جو اس عظیم بادشاہت سے متصف ہے (اے حقیر اور گرے ہوئے انسان) وہ تیری جانب متوجہ ہے اور تجھے اپنی عبادت کا حکم دے رہی ہے اگر تجھے کچھ شعور ہے تو یہ تیرے لئے بڑے شرف کی بات ہے، اور وہ تجھے اپنی ذات بابرکت سے ڈرنے اور تقوی کا حکم دے رہی ہے اگر تو جانے تو یہ بھی تیرے لئے عزت کی بات ہے، اور وہ تجھے اپنی اطاعت کا حکم دے رہی ہے اگر تو عقل رکھتا ہے تو یہ بھی تیرے لئے ایک بلندی کا مقام ہے، پس جب تو اللہ تعالیٰ کے حق کو جان لے اور اس صفات کی معرفت حاصل کر لے اور اللہ

اس باب کے مسائل

۱- اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ کی تفسیر معلوم ہوئی۔

۲- اس حدیث میں مذکور اور اس جیسی دیگر باتیں نبی اکرم ﷺ کے زمانہ تک یہود میں موجود و محفوظ تھیں، چنانچہ انہوں نے نہ تو ان باتوں کا انکار کیا اور نہ ہی کوئی تاویل کی۔

۳- رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہودی عالم نے جب ان باتوں کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اسکی تصدیق فرمائی اور اس کی تائید میں قرآن مجید بھی نازل ہوا۔

۴- یہودی عالم نے جب ان عظیم علمی باتوں کا ذکر کیا تو آپ ﷺ (خوشی کی وجہ سے) ہنس پڑے۔

۵- اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں کا اثبات ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دست راست میں آسمان اور دوسرے ہاتھ میں زمینیں ہوں گی۔

۶- اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے بایاں ہونے کی صراحت بھی ہے۔

۷- اللہ تعالیٰ اس (دن) بڑے بڑے سرکش اور متکبرین کو پکاریں گے۔

۸- اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں آسمان و زمین ایسے ہوں گے جیسے کسی کے ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو۔

••

تعالیٰ جو اپنی ذات و صفات میں مطلق طور پر بلند و بالا ہے اس کا علم حاصل کرے تو دیکھے گا کہ تیرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس بابرکت ذات کے لئے بالاختیار اپنے آپ کو جھکا دے، اپنے آپ کو اس کے لئے مطیع و فرمانبردار بنا لے، اس کی اطاعت کی طرف متوجہ ہو جائے اور تو اس کا ایسی چیزوں سے قرب حاصل کرے جو اسے پسندیدہ ہیں اور جب تو اس کی کلام کی تلاوت کرے تو ایسی

۹- آسمان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی کرسی بڑی ہے۔

۱۰- کرسی کی نسبت عرش الٰہی بڑا ہے۔

۱۱- عرش الٰہی، کرسی اور پانی علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔

۱۲- ہر دو آسمانوں کا درمیانی فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت کا ہے۔

۱۳- ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیانی فاصلہ کی بھی وضاحت ہے۔

۱۴- کرسی اور پانی کے درمیان کی مسافت کا بھی بیان ہے۔

۱۵- عرش الٰہی پانی کے اوپر ہے۔

۱۶- اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہیں۔

۱۷- زمین و آسمان کے درمیان کی مسافت بھی معلوم ہوئی۔

۱۸- ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔

۱۹- ساتوں آسمانوں کے اوپر جو سمندر ہے، اسکے نیچے اور اوپر کے حصوں کے درمیان بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

ذات کی کلام کی تلاوت کریگا جو تجھ سے مخاطب ہے جو تجھے (نیکی کا) حکم دیتی ہے اور (برائی سے) روکتی ہے تو پھر ایسے میں تیرے پاس اس ہستی کے لئے وہ توقیر، احترام اور تعظیم پیدا ہوگی جو کہ پہلے موجود نہ تھی، اسی لئے دل میں ایمان کی پختگی اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے اسباب میں یہ بات شامل ہے کہ انسان (اللہ تعالیٰ کی) آسمان و زمین کی (وسیع) بادشاہت میں غور وفکر اور تامل کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا حکم دیا ہے۔

والحمد لله رب العالمين ، وصلى الله وسلم على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين .

عقیدۂ توحید کی حفاظت کیلئے اس کتاب کو پھیلائیں

عقیدہ توحید کی صحت پر تمام اعمال کی قبولیت کا انحصار ہے، جس شخص کا ایمان و ایقان اللہ وحدہ لاشریک لہ کی توحید پر درست نہ ہو تو اس کی نماز، روزہ، زکوۃ، حج، جہاد وقتال، صلہ رحمی وغیرہ جیسے تمام کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی بنیادی دعوت اللہ کی توحید پر مبنی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، حقوق واختیارات اور اس کی عبادت میں کسی بھی مخلوق کو حصہ دار ٹھہرانا شرک ہے اور اس شرک والے عقیدے پر جس کی موت واقع ہوگئی اس کی بخشش قطعاً نہیں ہوگی۔ لوگوں کو شرک کے خطرات سے بچانے کے لیے تمام انبیاء ورسل علیہم السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، اتباع تابعین، فقہاء، محدثین رحمہم اللہ نے شب وروز اپنی اپنی قوموں کو دعوتِ توحید پیش کی۔

اس سلسلہ ذہبیہ کی کڑی شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ ہیں، جنھوں نے عالم عرب میں شرک کی اندھیر نگری میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی اصلاح کے لیے ایک عظیم الشان کتاب ''کتاب التوحید'' مرتب کی، جس میں کل ٦٦ ابواب قائم کیے اور اس موضوع کا حق ادا کر دیا۔ اس کتاب کی بے شمار شروحات لکھی گئیں جن میں سے شیخ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ نے ''غایة المرید'' کے نام سے ایک نہایت مفید شرح تحریر کی، اور اس کا اختصار شیخ محمد بن حسین القحطانی نے کیا، جو کہ '' توحید کی سنہری کرنیں '' کے نام پر اردو زبان میں طبع کیا جا رہا ہے۔ جو لوگ اپنے عقیدے کی حفاظت وصیانت کرنا چاہتے ہیں وہ افراد اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں اور اسے تقسیم کر کے پھیلائیں۔

ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفا اللہ عنہ
رئیس مرکز الحسن P/882 سبزہ زار، اسکیم لاہور

دارالابلاغ
کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ